کشمیر کی قدیم ذاتیں

(حصّہ اوّل)

ڈاکٹر آفاق عزیز

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگو یجز

ناشر : سیکریٹری، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز
کمپیوٹر کمپوزنگ : بشارت احمد باباؔ
سرورق : امتیاز شرقی
سال اشاعت : ۲۰۲۱ء
قیمت : ۲۰۰ روپے

’’کتاب‘‘ میں جو مضامین شامل ہیں اُن میں ظاہر کی گئی آرأ سے اکیڈیمی کا کلاً یا جزواً اتفاق ضروری نہیں۔

(ادارہ)

●...... خط و کتابت کا پتہ:
محمد سلیم سالکؔ
مدیر ’’شیرازہ‘‘ اردو
جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز
لال منڈی، سری نگر، کشمیر۔190008
ای میل : salimsalik2012@gmail.com
فون نمبرات : 9419711330,9419072288

فہرست



حرفِ آغاز

تہذیب وتمدن کی پُر پیچ راہوں میں ذاتیں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہیں اور کشمیر کی تمدنی تاریخ کے حوالے سے بھی یہی صورتِ حال ہے۔ اِس حوالے سے اگر چہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن حق یہ ہے کہ ابھی تک نئے اُفق سامنے آنا باقی ہیں۔قریب ایک صدی قبل لائق وفائق فرزند کشمیر منشی محمد الدین فوقؔ نے کمال محنت اور عرق ریزی سے ''تاریخ اقوام کشمیر'' میں اِس موضوع پر ابتدائی نقوش رقم کئے ہیں۔

ذاتیں کسی بھی قوم اور ملک کی تہذیبی اور تمدنی طرحداریوں کا اہم حصہ ہوا کرتی ہیں۔ پوری دُنیا میں اِس حوالے سے کام ہو رہا ہے اور ہمارے ہاں اگر چہ منضبط اور ادارہ جاتی کام کے باوجود معاملہ کچھ سُست رفتاری سے چل رہا ہے۔گزشتہ کچھ عرصے سے جواں سال اور جواں فکر محقق ڈاکٹر آفاق عزیز کشمیر کی مختلف ذاتوں پر تحقیق وتالیف میں مصروف ہیں۔اُن کے یہ مضامین ماہنامہ ''شیرازہ'' کی زینت بن چکے ہیں۔اِس سلسلے میں ڈاکٹر آفاق عزیز سے گزارش کی گئی کہ وہ مذکورہ موضوع پر تحریر اپنے مضامین کا دائرہ وسیع کریں تاکہ انہیں کتابی شکل دی جاسکے۔ اِس سلسلے کی پہلی کڑی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے جسے آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے ہمیں مسرت ہو رہی ہے جس میں کشمیر کی 9 ربڑی اور اہم ذاتوں کو شامل کیا گیا ہے۔

ہم ڈاکٹر آفاق عزیز کو اُن کی تحقیقی کاوش کے لئے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ اکیڈیمی کی اِس سعیٔ جمیلہ کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

یکم جنوری 2021ء ●...... محمد اشرف ٹاک



B

مقدمہ

یہ جاننا لازمی ہے کہ برصغیر کے قدیم اقوام کون تھے اور اُن کا زاد بوم کیا تھا۔ برصغیر میں آریوں سے پہلے جو لوگ سکونت کرتے تھے ان میں نیگروز، منگول، آسٹرک (آسٹریلین) اور دراوڑ اقوام خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔ نیگروز کی جسمانی ساخت افریقی اقوام کے جیسی تھی۔ منگول اور چینی یکساں جسمانی ساخت کے مالک تھے۔ آسٹرک اور دراوڑ قومیں بحیرۂ روم کے علاقوں سے آئی تھیں۔ اسی طرح جب آریا وارِد ہند ہوئے تو مقامی آبادی کے ساتھ اُنہیں شدید معرکہ آرائی سے واسطہ پڑا جو طویل مدت تک جاری رہا۔ نو آبادیاتی نظام قائم کرنے کے لئے آریوں نے برصغیر کے پشتینی باشندوں میں مختلف طریقوں سے پھوٹ ڈالی اور ساتھ ہی نیگروز، آسٹرک اور دراوڑ تہذیب وتمدن کو کم تر جانا۔ اُنہیں نیچ اور منحوس سمجھا۔ طرح طرح کی کمیاں نکالیں۔ اناس، ایاگُن، اکاسمن، اسور، موردواک، داسی، پانیس وغیرہ جیسے نام دیئے[1]۔ غرض آریوں نے مخاصمت کا ماحول بامِ عروج تک پہنچایا[2]۔ مقامی آبادی نے آریوں کو حملہ آور، غاصب، آوارہ گرد اور مفتن ٹھہرایا جبکہ نیگروز، آسٹرک، منگول اور دراوڑ قومیں آریوں کے نزدیک غیر مہذب اور جھگڑالو تھے۔ رگ وید کے مطابق پانیس، نیگروز اور آسٹرک سمیت بیشتر مقامی لوگ وید پڑھنے، قربانی کا فریضہ انجام دینے، وید کے رسوم عملانے اور وید پر چارکوں کی سربراہی قبول کرنے کے شدید مخالف تھے۔ آریوں نے لسانی تعصب کو بھی ہوا دی۔ اپنی زبان کو اعلیٰ، مقدس اور بھارت کی مقامی زبانوں کو مکروہ اور نجس قرار دیا۔

1: C.V.VAIDYA, 1907, Epic India,Vol.I Bombay, P.65

۲: ڈاکٹر رام کرشن شرما، 1979ء، قدیم ہندوستان میں شُودر، دہلی، ص:۱۸-۲۵

حملہ آور آریوں اور مقامی غیر آریوں یا سیاہ فام (نیگروز اور آسٹرک) اقوام کی ناچاقی اور سماجی نابرابری کے متعلق آر۔ کے۔ مکر جی رقمطراز ہیں:

"The non-Aryans of the Rigvedic period were well-organised people, they used to believe that we are the permanent people under the planet of earth.They did not well behave with Aryan people as their servants for a long time in the Indian history.They are called in the Rigveda by several names such as Dasa, Dasyu, Asura, Pisacha and Rakshase". 3

سیاہ فام، سفید فام، مقامی، غیر مقامی، آریا، برہمن، غیر برہمن، داس، ویش، شُودر، مردوک، جیسی درجنوں اصطلاحات نے رگ ویدی اور غیر رگ ویدی سماج میں اس قدر نفرت کے بیج بوئے کہ الزامات اور جوابی الزامات کے سلسلے میں دونوں فریق کے درمیان ذاتیات اور نفرت اِنتہا کو پہنچ گئی۔ نوبت خون خرابہ تک آ پہنچی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پچاس ہزار مقامی باشندوں (داسی/ سیاہ فام/ نیگروز، آسٹرک) کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ رگ وید میں اس خون آشامی کا نفرت بھرا اِظہار ''دھرتی داسیوں کا مزار ہے'' جیسا جملہ کہہ کر کیا گیا ہے۔ مذکورہ برہمنی سماج میں جو تضاد و نفرت پروان چڑھی، زندگی کے ہر پہلو کو حد درجہ متاثر کر گئی۔ کھانے پینے کے طور طریقے، عبادات، گفتگو، شادی بیاہ اور دیگر رسوم وغیرہ پر ذات پات نے سب سے زیادہ چھاپ ڈالی۔ جی۔ ایس گھوریئے لکھتے ہیں:

"It is not permitted to contract marriage with a person of another cast or to undertake an occupation other than ancestral nor for the same person to undertake more than one,except if he is of the caste of Philosphers, when permission is given on account of dignity." 4

3. R.K.Mookerji, 2010, Early History of Jammu Region: Pre-Historic to 6th Century AD, Vol.I, Delhi, P. 192
4. Ghurye,G.S, 1961, Caste, Class and Occupation, Bombay, p.1

مقامی اقوام اور آریوں کے درمیان ناچاقی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خانہ بدوش آریا لوٹ مار کرتے تھے۔ ڈاکٹر رام شرن شرما رگ وید اور اتھر وید کا حوالہ دیتے ہوئے اس سنگین دُشمنی کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں:

''رگ وید کے ساتویں پاٹھ میں ایک پوری عبارت، اکراتون، اشرڈھان اور ایاجنان، ایسے الفاظ کے ایک سلسلہ پر مشتمل ہے جنہیں دسیوں پر ان کی ہون کرنے کی خصلت کو ظاہر کرنے کی غرض سے مطبق کیا گیا ہے۔ اندر سے ہون کرنے والے آریوں اور نہ کرنے والی دسیوں کے درمیان امتیاز قائم کرنے کو کہا گیا ہے۔ اَن اندرا (بغیر اندرا کے) کا لفظ متعدد جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ قیاس ہے کہ اس کا اطلاق دسیوں، داسیوں اور غالبًا چند آریائی منکرین پر ہوتا تھا۔ آریوں کے خیال کے مطابق دسیوں میں سفلی جادو کا رواج تھا۔ یہ خیال خاص طور پر اتھر وید میں پایا جاتا ہے جس میں دسیوں کو ایسی خبیث روحوں کے طور پر دکھایا گیا ہے جنہیں ہَون سے دور بھگا دینا چاہئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بہت زیادہ پُر اثر تعویز کی وجہ سے انجیرا رشیؔ دسیوں کے مستحکم قلعوں پر قبضہ حاصل کر سکا۔ اتھر وید کے مطابق دیوتا کی بے حرمتی کرنے والے دسیوں کو ان پر بھینٹ چڑھا دینا چاہیے۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ دسیے غدّار ہیں۔ وہ آریائی رسوم ادا نہیں کرتے اور مُشکل سے آدم زاد ہیں[۵]۔''

جب از واتی (نو وارد) لوگ پُشتینی باشندوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں جس سے مرّوج قدیم سیاسی، سماجی، مذہبی، اقتصادی، عقیدتی اور لسانی بُنیادیں تہس نہس ہو جاتی ہیں تو آپسی دُشمنی کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر ہونا لازمی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی ماحول نے برصغیر میں ذات پات اور چھوت چھات کو جنم دیا ہو۔ جس کی تصدیق دیگر ذرائع کے علاوہ رگ وید کے شلوک ۱۱، ۲۵ اور ۱۴۸ سے ہوتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ''پُرانے زمانے میں...... مختلف ذاتوں کے درمیان کھانا پینا ممنوع نہ تھا۔ اب بے شمار ذاتیں...... آپس میں اس قسم کا ربط وضبط قائم نہیں کر سکتی[۶]۔

۵۔ ڈاکٹر رام شرن شرما (1979ء)، قدیم ہندوستان میں شُودر، نئی دہلی، ص، ۱۴۱ ۶۔ ان اصطلاحات میں کرشنا (کالے لوگ)، راکھشس (وحشی، دیو)، اُسر (چمڑا پھاڑنے والا)، اناس (بغیر ناک اور چپٹی ناک والا)، درسہ شیپر (سانڈ یا آگے نکلے ہوئے ہونٹ والے لوگ)، سانیہ (مخالفانہ یا غیر شائستہ گفتگو کرنے والے)، وِرُن، داسی، شُودر، وغیرہ وغیرہ شامل ہیں جن کے ساتھ حد سے زیادہ مبالغہ آمیز معنی منسوب کئے گئے ہیں۔ ایسی سبھی اصطلاحات مقامی لوگوں کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کی گئیں۔

اس لئے ذات پات کے ماحول کوفروغ دینے کے لئے آریالوگ داسی (مقامی) قبائل کوکُچلنے کی خاطر اندر دیوتا سے نہ صرف مسلسل پراتھنا کرتے بلکہ دعا بھی مانگتے تھے۔ اِن (داسیوں) کی دولت لوٹی گئی، قلعے مسمار کئے گئے۔ انہیں مال مویشی اور دھن دولت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ کالے رنگ (مقامی لوگ) کے لوگوں کی بستیوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ سماجی ڈھانچہ درہم برہم ہوا۔ اُنہیں سینکڑوں اصطلاحات[7] جو بدصفات کے معنی ومفہوم سے لبریز تھیں، ان کے خلاف استعمال کی گئیں، حد سے گزری دُشمنی، اونچ نیچ، ورن اور ذات پات جیسے کلچر کی جڑیں اس قدر مضبوط ہوگئیں کہ رام چندرا جین کومندرجہ ذیل بیان مجبوراً تحریر کرنا پڑا:

" There is no parallel, past or present, to this system in any of the society in any part of the world." 8

برصغیر میں ذاتوں کا سلسلہ کب اور کیسے شروع ہوا، اس کا متعین کرنا کارِ دارد والا معاملہ ہے۔ سچ پوچھا جائے تو ویدوں اور پُرانوں کا مطالعہ کئے بغیر جاتوں یا ذاتوں کا منبع جاننا بے حد دُشوار ہے۔ جاتوں کو قوم پرستی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت سمجھنے میں اور بھی مشکلات آسکتی ہیں۔ تاہم تحقیقی اعداد وشُمار کے مطابق تقریباً گزشتہ ساڑھے تین ہزار برسوں سے ذات پات نے برصغیر کے اطراف واکناف میں رہنے والے مختلف مذاہب سے وابستہ اقوام کی سماجی، سیاسی، اقتصادی حتیٰ کہ انفرادی زندگی تباہ کُن حد تک متاثر کی ہے۔ ذاتوں کے معرضِ وجود میں آنے کے کئی نظریئے سامنے آئے ہیں۔ مذہبی نظریہ کے مطابق ذات[9] کی چار قسمیں ہیں۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شُودر۔ رگ وید کے مطابق پُورش (پُرش) یعنی آدم نے انسانی سماج قائم کرنے کے لئے اپنے آپ کو نشٹ کیا اور جسم کے مختلف اعضا سے الگ الگ ذات کے لوگ پیدا ہوئے۔ برہمن ذات کو سَر، کھشتری کو بازو، شودر کو ران اور ویش کو پاؤں سے پیدا کیا[10]۔ ایک اور ملتی جُلتی

۷۔ آر۔جی۔بھنڈار، 1927، مجموعہ تصانیف، جلد دوم، پونہ، ص ۵۲۲-۵۲۳

8. R.C.Jain, 1970, Ethnology of Ancient Bharata, Varanasi, P.269

۹۔ ذات لفظ کو ہندوستانی مترادف جاتی یا سنسکرت ورن مانا جاتا ہے۔

10. Griffith Ralph, T.H, Elal; 1973, The Hymns of Rigved, Back 10, Hymn XC; p.201

مذہبی تھیوری کے مطابق کائنات کے مالک برہما کے جسم سے مختلف ذاتوں کا جنم ہوا۔ حیاتیاتی نظریہ کے مطابق دُنیا کی تمام چیزوں میں حرکت، حکمت، نیکی، ایمانداری، اعلیٰ جنس، جانب داری، غیر جانب داری، مثبت وغیر مثبت صلاحیتیں موجود ہیں جو مختلف اوصاف کے لوگوں اور ذاتوں کے وجود کا باعث بنی۔ سماجی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ذات اصل میں آریا کی اختراع ہے جس کی ابتدا بیشتر محققوں کی نظر میں تقریباً ۱۲۰۰ ق۔م سے ہندوستان میں ہوئی۔ اس سماجی درجہ بندی کے متعلق محمد صالح خان اطہر لکھتے ہیں'' آریوں نے ہندوستان پہنچ کر مقامی سماج کو نظریۂ ورن ویوستھا کے مطابق برہمن، چھتری (کھشری/کھشتری)، ویش اور شُودر طبقوں میں تقسیم کیا''۔ طبقہ اوّل یعنی برہمن مذہبی فرائض کی انجام دہی کے لئے مقرر ہے۔ اس طبقے کو علم و مذہب کا محافظ بھی ٹھہرایا گیا ہے۔[۱۱] طبقہ دوم چھتری دنیاوی امور کا علمبردار ہے۔ تیسرا طبقہ ویش فنِ زراعت اور تجارت کے لئے وقف ہے جبکہ چوتھا طبقہ شودر خدمت گزاری پر معمور ہے۔ ذاتوں پر مبنی اس سوسائٹی کو آریا سماج، برہمنی سماج اور ہندو سماج جیسے لفظوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے جو آگے چل کر ہزاروں ذاتوں کا موجد بنا۔ جس میں مذہبی اور سماجی ذاتوں کے علاوہ پیشورانہ ذاتیں بڑی تعداد میں شامل ہیں۔

ذات کس زبان کا لفظ ہے۔ اس کا ابتدا و ارتقا کیا ہے اس کا لسانیاتی مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سہ حرفی ساخت ذ+ا+ت پر مبنی لفظ اصل میں سامی لسانی خاندان کی عربی زبان سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی روح، نفس اور نسل ہے۔ جو یوں بیان ہوا ہے:

''میری رُوح بھی تو، میری ذات بھی تو''

تاریخ گواہ ہے کہ ذات لفظ بنیادی طور حسب ونسب کے معنی میں استعمال ہوتا آیا ہے۔ ابتداً اس لفظ کو فرقہ، قبیلہ یا خاندان کی خاصیت یا خوبی کے بطور پہچانا گیا ہے۔ ذات کے ساتھ معنی و مفہوم کے اور بھی الفاظ جُڑے جو قوم، سماجی حیثیت اور معاشرتی رُتبہ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ جب ''ذات'' لفظ اپنے آبائی خاندان عربی سے ہوتے ہوئے فارسی، ترکی، مراٹھی، اردو، سندھی، پنجابی، پشتو اور بوجپوری وغیرہ زبانوں میں منتقل ہوا تو معنیاتی سطح پر اس میں کوئی

۱۱: محمد صالح خان اطہر، ۲۰۰۹ء، تاریخ میو مہر، میوات پنجاب، ص، ۱۱

دقیق تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس لفظ نے اپنے بنیادی معنی و مفہوم سمیت مندرجہ بالا زبانوں میں بلا چوں وچرا مقبولیت حاصل کی۔

لغاتِ کشوری کے صفحہ ۲۰۲ پر ذات کو حقیقت، ہر چیز کی ہستی، صاحب نفس اور فرہنگِ امیر کے ۲۸۰ صفحہ پر حقیقت اور اصل ہر شے کے، معنی دیئے گئے ہیں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ذات لفظ کا یورپی متبادل کاسٹ (caste) ۱۲۰۰ء کے بعد معرضِ وجود میں آیا جس سے پُرتگالیوں نے ہندوستان میں متعارف کیا جس کے معنی جان منیشو کی سپینی لغت (۱۵۹۹ء) میں نسل اور نسب درج ہوا ہے۔ سکارٹ، مارشل اور ونتھروپ نے کاسٹ کی وضاحت یوں کی ہے:

" Caste: a form of social stratification characteriztion by endogamy, hereditary transmission of a life style which often includes an occupation, status in hierachy, Customary social interaction, and exclusion." 12

تصورِ ذات کب سے زندگی کا حصہ بنا، کہنا مشکل ہے۔ اوراقِ پارینہ کو کھنگالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چینیوں نے سب سے پہلے بنی آدم کی پہچان کے لئے ایک سے زیادہ الفاظ بطور نام استعمال کرنے کی بنیاد ڈالی۔ شہنشاہِ فوشی نے ۲۸۵۰ ق۔م میں انسان کی شناخت کے لئے خاندان کا نام اور ذات استعمال کرنے کا تاریخی فیصلہ کیا۔ جس کا تذکرہ چین کی مقدس نظم ''پوچا ہنگ'' میں ملتا ہے[۱۳] چین کے بعض خاندانوں اور ذاتوں کا کلچر یونان اور روم سے ملتا ہے۔ دھرم، ورن، قوم اور ذات جیسے ناموں پر مبنی سماج دنیا کے بیشتر حصّوں میں پایا جاتا ہے۔ کوریا، نیپال اور سری لنکا میں ذات پات کی تفریق پائی جاتی ہے لیکن ذات پات اور چھوت چھات جس زور وشور سے بھارت میں مرّوج ہے، دنیا میں اس کا مترادف ملنا محال ہے۔ اس سوسائٹی کے دیکھتے ہوئے ماہرین سماجیات قائل ہیں کہ ذات مذہبی یا نسبی نہیں بلکہ اقتصادی نوعیت کی

12. Scott. John and Marshall, Gordon, 2005, A Dictionary of Sociology, U.K, P.66 and Winthrop, Robert.H, 1991, Dictionary of Concepts in Cultural Anthropology, USA, PP.27-30

13. Learn about the Names, chapter-9, Google search.

ہوتی ہے۔مثلاً

"The caste system is essentially the economic organisaton of Hindu society."14

تاہم سماج نسبی اور پیشہ ورانہ یعنی دونوں نظریوں پر عمل پیرا ہے لیکن نسبی نظریہ آج تک ترقی یافتہ دور میں بھی حاوی نظریہ رہا ہے۔آج بھی بیشتر خاندان اپنی گوت [15] اور ذات سے باہر شادی بیاہ نہیں کرتے ہیں [16]۔ گہرائی سے دیکھا جائے تو برصغیر میں ذات پات پر مبنی کلچر میں کوئی سدھار نہیں ہوا حتیٰ کہ چند فیصد کمی بھی واقع نہیں ہوئی ہے۔اتنا تو ضرور ہے کہ سماج میں کبھی کبھار ایسا واقعہ رونما ہوتا ہے جس میں گوت، خاندان اور ذات پات کو بالائے طاق رکھا جاتا ہے۔ ذات پات کی اس مہلک بیماری کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے اور خطے کو سماجی چھوت چھات سے نجات دلانے کے لئے بعض فرزندانِ ہند نے ہر دور میں کوششیں کیں۔ذات پات کے خلاف گھر گھر مہم چلائی، مجالس اور سمیناروں کا انعقاد کیا، قلم آزمائی ہوئی، لٹریچر چھاپا گیا۔اس مہم میں جوٹا باپھولی، شری شاہو مہاراج، راجہ رام مہاراج کولہاپور، مہاتما گاندھی، راجہ رام موہن رائے اور ڈاکٹر بھیم راو رام جی امبید کرنے خاص طور اپنا حصہ ادا کیا ہے۔مہاتما گاندھی سماج میں ذاتوں کی اونچ نیچ کے سخت مخالف تھے۔اُن کے نزدیک ہر ذات برابر تھی [17] جبکہ رام جی امبید کر ذات پات کے بالکل خلاف تھے [18]۔

کشمیر میں ذات پات

قبیلہ، برادری، قوم اور نسل، ذات لفظ کے خاص معنی ہیں۔برصغیر پہنچ کر ذات کے ساتھ ایک ہندی لفظ پات جُڑ جاتا ہے جس کے معنی ہیں پتّا، برگ اور کان میں پہننے کا زیور۔اس طرح ایک ریختہ لفظ ذات پات معرض وجود میں آیا۔جو ''ذات سے متعلق'' کے معنی میں استعمال

14. R.C. Jain , 1970 , Ethnology of Ancient Bharata, Varanasi, P.269

۱۵۔ گوت برصغیر کی سماجی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔گوت خونی رشتہ سے جُڑی ہے۔بقول محمد صالح خان اطہر گوت کے معنی سادہ لفظوں میں خاندان کے ہیں۔ایسا خاندان جو اپنے پرانے ہونے کے سبب قبول عام حاصل کر چکا ہو۔

۱۶۔ محمد صالح خان اطہر، ۲۰۰۹ء، تاریخ میوھر، جلد، چہارم، میوات پنجاب، ص: ۴۳۳۔۴۳۴

17. Dr. B.R.Ambedkar, 2014, Annihilation of Caste,London, p.16

18. Ibid, p.16

ہوا ہے۔ ''ذات'' لفظ کشمیری سماج کا حصہ بننا ماضی قریب کا معاملہ ہے۔ تاہم ذات پات کی داستان قدرے پرانی ہے۔ کشمیر اور اس کے گرد و نواحی خطوں میں رہنے والے لوگ جس لفظ سے ذات کا کام لیتے آئے ہیں وہ سنسکرت کراما[۱۹] سے نکلا ہوا کشمیری لفظ کرام[۲۰] ہے جو معنیاتی اعتبار سے ذات اور کاسٹ[۲۱] کا ہم پلہ ہے۔[۲۲] کرام پر براہِ راست قلم اُٹھانے سے قبل کشمیر کے قدیم اقوام کا مختصر تذکرہ لازمی ہے۔ کشمیر کی قدیم کتاب ''نیل مت پُران'' کے مطابق جو قبیلے پراچین کال سے کشمیر میں رہتے تھے، ان میں ناگ، پشاچ، دارو، ابھیسار، گاندھارا، جُھندار، شاکا، کھش، ٹنگن، مانڈو، مَدر، انترگری، بہرگری اور یَونا شامل تھے۔[۲۳] علاوہ ازیں کشمیری زبان کے زرخیز تہہ خانوں میں ایسے کئی الفاظ آج تک محفوظ ہیں جن سے قدیم قبائلی ناموں کی بھنک آتی ہے۔ ایسے ناموں میں مانش[۲۴]، دیو[۲۵] اور مُجہِ وؤنٹ[۲۶] وغیرہ قابلِ ذکر ہے۔ تاہم ماسوائے چند، ان قبائل پر نہ ہونے کے برابر کام ہوا ہے۔ اس لئے ان کے زاد بوم پر کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ البتہ، کھش، جُھندار، مانڈو، مدَو (مداری)، یَونا، مانش، مُجہِ وونٹ اور دیو نامی قبائل کے متعلق اشارہ ملتا ہے کہ یہ قبائل آریوں سے پہلے کشمیر میں آباد تھے۔

اتہاس اور سنسکرتی اس بات کی غماز ہے کہ ناگ اقوام میں ذات پات کا عنصر موجود نہیں تھا۔ ڈاکٹر نوَل وِیوگی اور پروفیسر ایم۔ انوار انصاری لکھتے ہیں:

> " Originally the native Naga race was related to a casteless society."27

جب آریا کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں داخل ہوئے تو انہوں نے سماج میں ذات پات کے ضرر رساں بیج بونے کی تمام کوششیں کیں۔ محققین اس خیال کے حامی ہیں کہ

19. Monier Monier-Willams, 2012, A Sanskrit-English Dictionary , New Delhi, P.319

۲۰۔ کأشرڈکشنری، ۱۹۷۷ء، جلد ۵، کلچرل اکیڈیمی، سری نگر، ص ۸۱۔

21.Vidya Bhushan, 2001, An introduction in Sociology, Allahabad,Vol.I,p.368

22.A Sanskrit Dictionary, P.312

23.The Nilamata Purana, 1968, Dr.Ved. Kumari,Vol;I, Srinagar,pp.46-76

۲۴۔ مانش قدیم کشمیر کا ایک جسیم اور بھاری بھرکم قبیلہ تھا۔ جسیم اور حد سے زیادہ موٹے انسان کو آج بھی مانش کہہ کر طعنہ دیا جاتا ہے۔

۲۵۔ اس قبیلے کے ایک مشہور راجہ بیسا سدیو نے کشمیر میں پہلی بار سرکاری طور تعلیم پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ راجہ ۱۹۳۷ء ق م سے لے کر ۱۹۵۸ء ق۔م تک حکمران رہا ہے۔

۲۶۔ پروفیسر ایس کے کول، ۱۹۸۴ء، کشیر ہندتواریخ دان، شعبہ کشمیری کشمیر یونیورسٹی، سری نگر، ص: ۱۵

27. Dr. Naval Viyogi and Prof. M.Anawar Ansari , 2010 , History of the Later Harappans and Shilpakara Movement, Vol-I , Delhi, P.45

کشپ رشی وہ پہلا آریا سادھو تھا جو کشمیر پہنچا جس نے آریا رسوم و روایات کو متعارف کرایا[۲۸]۔ ہر چند ناگوں نے اِن اقدامات کی نہ صرف شدت سے مخالفت کی[۲۹] بلکہ اپنے روایتی (ناگ رواج) رسوم پر ڈٹے رہنے کا اعادہ بھی کیا[۳۰]۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عرصہ دراز تک ناگوں سمیت باقی مقامی قبائل نے آریائی کلچر کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیا۔ دوسری طرف حملہ آوروں کے ایک خاص اصول کے تحت آریائی قبیلے بلا واسطہ اور غیر ارادی طور خاموشی سے کشمیری سماج کو ذات پات اور اونچ نیچ کا درس دینے میں مصروف ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک نیا مذہب بُدھ مت سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھا۔ بدھ مت میں ذات پات کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ اِدھر برہمنوں اور کھشتریوں نے ایک دوسرے سے کم تر ذات قرار دیا۔ لارڈ بُدھا جو از خود کھشتری ذات سے تعلق رکھتے تھے، کے عہد میں کھشتریوں نے عقل و دانش اور رہبری کی باگ ڈور برہمنوں سے چھین لی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس ماحول نے طبقاتی جنگ کی صورت اختیار کی۔ اس طرح کشمیر ناگ مت (مقامی مذہب) کے علاوہ ہندو مت (آریائی مذہب) اور بُدھ مت کا بھی مرکز بنا[۳۱]۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیری ناگوں نے ناگ مت کے ساتھ ساتھ بُدھ مت کو آریائی مذہب پر فوقیت دی[۳۲]۔ اس وجہ سے ذات پات کی جڑیں اِتنی مضبوط نہ ہوئیں، جس قوت سے یہ ذاتیاتی کلچر برصغیر کے باقی علاقوں میں مروج تھا۔ آریائی ذات پات کے سخت گیر بندھن کمزور پڑ گئے۔ مختلف ورن اور جاتیوں کے درمیان شادی بیاہ کرنے کا راستہ مزید ہموار ہوا۔ راج کماریوں کی شادی برہمنوں کے ساتھ ہونے لگی اور راج کماروں کی شادی نیچ ذات کی لڑکیوں سے ہوتی تھیں۔ مثال کے طور راجہ چندرا پیڈ اور راجہ للتادتیہ کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں جو روہتک کی ایک طلاق شُدہ بُہری ذات عورت کے بیٹے تھے[۳۳]۔ اسی طرح راجہ چکرورمن نے ڈومُب (نیچی ذات) لڑکی سے شادی کی تھی جو مہارانی بننے کے بعد آزادی سے مندر جایا کرتی تھی[۳۴]۔ اس کے رشتہ دار دربار کے کلیدی عہدوں پر براجمان تھے۔ بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے میں ذات پات کا کوئی دخل نہیں تھا۔

۲۸۔ رشید نازکی، ۱۹۷۹ء، ریشت تہٕ سائنٛ ریش، شعبہ کشمیری، دانشگاہِ کشمیر، سری نگر، ص:۱۱۰ ۲۹۔ سوم ناتھ پنڈت، ۱۹۸۳ء، روپہ بھوانی۔ اکھ سام، شعبہ کشمیری، دانشگاہ کشمیر، سری نگر، ص:۱۷ ۳۰۔ وِل ڈیورانٹ، ۱۹۹۵ء، ہندوستان۔ ترجمہ۔ طیب رشید، لاہور، ص:۱۸۔۲۵

31. Dr. Sarla Khosla, 1972, History of Buddhism in Kashmir, New Delhi, P.12

۳۲۔ جے۔ این۔ گنہار، ۱۹۸۳ء، کشیر، منز بُدھ مت، شعبہ کشمیری، دانشگاہِ کشمیر، ص:۲۳

۳۳۔ موتی لال ساقی، ۱۹۹۸ء، آگرنیب، سری نگر، ص:۱۳۸ ۳۴: ایضاً، ص:۱۳۸

برہمن اور ڈومب (نیچی ذات) فوج میں شانہ بہ شانہ کام کرتے تھے۔ بہت سے برہمن فوج میں کماندار، تلوار باز اور تیرانداز بھی تھے۔

بُدھ مت کے دوران کشمیر میں چھوت چھات، ذات پات کے بندھن اور برہمنی اصول حد سے زیادہ کمزور ہوئے۔ لیکن درونی طور اپنی بالا دستی قائم کرنے کے لئے برہمن برسر پیکار رہے۔ کشمیر سمیت پورے برصغیر میں برہمنوں نے خفیہ طور عوام سے نزدیکیاں بڑھائیں۔ انسان اور خدا کے مابین رابطے کے لئے اپنی اہمیت بڑھانے کی از حد کوششیں کیں۔ معلم کی حیثیت سے نوجوان طلبا کو ان کے حسب ونسب اور آداب زندگی کی تعلیم دینے میں مصروف ہوئے۔ ہر طبقہ میں اُنہوں نے اپنی سماجی حیثیت اور عزت وتکریم میں اضافہ کیا۔ غرض برہمنوں نے اپنی سماجی حیثیت منوانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ یہ طبقاتی کشمکش تقریباً ایک ہزار برس تک برہمنوں اور کھشتریوں کے مابین جاری رہی [۳۵]۔ نتیجہ یہ کہ آٹھویں صدی عیسوی کے آس پاس سے ہی کشمیر میں بُدھ مت کی راہیں مسدود ہونے لگیں اور چھوت چھات، ذات پات نے پھر سے سر اُٹھایا جس کا بلا واسطہ ثبوت کھیمندر (۹۹۰ء۔۱۰۶۵ء) کی کتاب ''دُرپ ولن'' میں درج عبارت سے ملتا ہے۔ کھیمندر کے بقول ''تکبر انسان کی تباہی کا باعث ہے۔ خاندان، دولت، علم، خوبصورتی، ریاضت کرنا اور خیرات دینا انسان کو تکبر کی طرف لے جاتا ہے۔ اعلیٰ خاندانی ہونے کے سبب لوگ غرور میں غرق ہوجاتے ہیں۔ جب خاندان کی اصلیت کا کھوج لگایا جاتا ہے تو کیچڑ میں کنول کی جڑیں نظر آتی ہیں۔ اس لئے انسان کو خاندانی غرور سے پرہیز کرنا چاہیئے'' [۳۶]۔ کھیمندر ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ کسی اعلیٰ خاندان میں جنم لینے سے نہیں بلکہ دولت کے باعث مرتبہ ملتا ہے [۳۷]۔ کھیمندر کے اس بیان سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی میں کشمیری سوسائٹی پوری طرح سے ذات پات کی شکار ہوچکی تھی [۳۸]۔ پنڈت کلہن راج ترنگنی میں لکھتے ہیں کہ

۳۵۔ ول ڈیورانٹ، ۱۹۹۵ء، ہندوستان، مترجم۔ طیب رشید، راج گڑھ، لاہور، ص: ۲۰۔۲۲

۳۶۔ برج موہن چترویدی، ۱۹۸۹ء، کھیمندر، ترجمہ۔ ڈاکٹر چمن لال رینہ، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ص: ۴۰

۳۷: ایضاً، ص: ۴۰۔۴۱

۳۸۔ سوم ناتھ پنڈت، ۱۹۸۳ء، روپہ بھوانی۔ اکھ سام، شعبہ کشمیری، دانشگاہ کشمیر، سری نگر، ص، ۱۷۱

ہندو ذات پات کے تمام روایتی عناصر کشمیری سوسائٹی میں سرایت کرگئے جہاں برہمن کو اونچا درجہ حاصل ہوا۔ تاہم ناگ مت اور بُدھ مت کی کچھ رسوم ابھی بھی جاری تھیں[۳۹] یہاں تک کہ ملی جلی مذہبی اور مختلف سماجی رسوم میں کشمیری سوسائٹی بے اعتدالی کی کروٹیں لیتے ہوئے چودھویں صدی عیسوی میں آ پہنچی، جب دینِ اسلام کی دستک سے بغیر ذات پات کا ایک نیا سماج معرضِ وجود میں آ گیا۔ جہاں نظریہ ذات پات اور چھوت چھات کی کوئی جگہ نہ تھی اور نہ ہی رنگ و نسل، خاندان، قوم یا اور کسی تفاوت کی گنجائش تھی۔

چودھویں صدی عیسوی میں اپنے قدیم مذاہب، ناگ مت، بُدھ مت خاص کر ذات پات پر مبنی ہندو مت کو خیر باد کہہ کے جب کشمیریوں نے ذات پات سے پاک ایک نئے مذہب، اسلام کو گلے لگایا تو آبائی ذاتوں کی کایا پلٹ ہوئی، خصوصاً وہ ذاتیں فوراً بدل گئیں جن کو نیچ تصور کیا جاتا تھا۔ ان ذاتوں میں چوہڑہ، کراتا، چنڈال، واتل، گان، کنجر، نشداس، ڈومب، موچی وغیرہ خاص طور قابل ذکر ہیں۔ راجہ نذر بونیاری لکھتے ہیں:

''مسلمانوں میں ذات پات کے تصور کو ختم کرنے اور نیچ کام کرنے والوں کو احساس کمتری سے باہر نکالنے کے لئے سلطان شہاب الدین شاہ میری نے انتہائی دانائی اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے چند ذاتوں کے نام بدل دیئے تا کہ انہیں کوئی حقیر، ذلیل یا کمتر نہ سمجھے۔ ان میں خصوصاً وہ پیشہ ور تھے جو ایسے کام کرتے تھے جنہیں ''بڑی ذات'' والے، کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔''[۴۰]

بلاشبہ نالیاں، گلی کوچے اور پاخانے صاف کرنے والے واتل، چوہڑہ، چمار اور جوتے وغیرہ بنانے والے موچی شیخ کہلائے۔ شیخ بنیادی طور ایک عربی لفظ ہے جو بزرگ، بڑا، اور انسان کی درونی صفائی کرنے والا، کے معنی میں استعمال ہوتا آیا ہے۔ بعد ازاں جس کشمیری نے بھی اپنے روایتی مذہب سے کنارہ کشی اختیار کی یا جسے اپنا مذہب چھوڑنے کی مجبوری آن پڑی اور اسلام کے دائرے میں آ گیا، شیخ ذات سے مشہور ہوا۔ اسلام قبول کرنے والے بعض لوگوں کی ذات قریشی، خلیفہ، انصاری، مولوی، صدیقی، فاروقی، خطیب وغیرہ رکھی گئی۔ جب

39:Advaitavadini Kaul, 1987, Buddhist Sarvants of Kashmir, Srinagar, PP.1-10

۴۰۔ راجہ نذر بونیاری، شیڈول کاسٹ۔ مسلمان اس زُمرے سے باہر کیوں؟، قسط۔۲، کشمیر عظمیٰ، سری نگر، ۱۵/ مارچ ۲۰۰۷ء

برہمن اور مذہبی گورو اسلام کے دائرے میں آ گئے تو اُن کے لئے سیّد، قریشی اور فاروقی جیسی ذاتوں کا انتخاب ہوا۔ تاہم غیر ملکی اسلام شناسوں اور ذات پات کے روادار نومسلم مذہبی رہنماؤں کے سماجی وطیرے اور اُن کی استحصالی پالیسی میں کوئی خاص تبدیلی دیکھنے کو نہیں ملی۔ راجہ نذر بونیاری کے بقول ''دین کے جاننے والے لوگوں نے اپنے لئے اونچی اونچی کرسیاں محفوظ کر لیں اور بات پھر وہیں پہنچی یعنی برہمنی، کھتری، ویش اور شودر تک۔ ''برہمن اِزم'' نے قبول اسلام کے بعد ''ملاازم'' کی اصطلاح ایڈاپٹ کر لی۔

کشمیر کی اچھی خاصی آبادی نے اسلام قبول کیا لیکن اسلاف کی ذات (خاص کر برہمن اور کھشتری ذاتیں) چھوڑنے کے لئے کوئی فرد واحد راضی نہ ہوا۔ ان میں ہنڈو، کوندو، کول، یتو، ونتو، گنائی، بھٹ، رینہ، تانترے، پنڈتا، پنڈت، کھار، ترمبو، پرے اور ریشی وغیرہ ذاتیں قابل ذکر ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سبھی ذاتیں، برہمنوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ جبکہ ڈار، ماگرے، راتھر، ٹھاکر، نائک، لون، چک وغیرہ ذاتیں کھشتریوں سے منسلک تھیں۔ والٹر لارنس کے بقول ڈار، رینہ، ماگرے اور چک، ہندو چکداروں کے ہم پلہ تھے[۴۲]۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ بعض روایتی طبقوں کو اپنی ذات تبدیل کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔[۴۳] تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر میں برہمنوں کی تنگ نظری، بغض وعناد، عیش پرستی، آوارہ گردی، سیاسی افراتفری سے ذات بدلنے کا ماحول اسلام سے دو سو سال پہلے ہی شروع ہوا تھا۔ بلاشبہ ذات اِنسان کو پہچان، سماجی حیثیت اور مرتبہ عطا کرتی ہے۔ سماجی زندگی میں ذات کا کلیدی کردار رہا ہے۔ شاید اسی لئے سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں:

''آدمی کا خاندان اونچا ہو تو سماج میں اسے اونچی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اگر اس کا تعلق کسی نیچے خاندان سے ہو تو اُسی نسبت سے نیچی حیثیت کا مالک تصور کیا جاتا ہے۔ شرافت وبزرگی کے تعین میں خاندان اور نسب کو یہ کلیدی اہمیت اسی لئے حاصل ہے کہ فرد کے ساتھ یہ چیزیں دائمی

---

42. Walter Lawrence, 2005, The Valley of Kashmir, Srinagar,p.306

۴۳: سوم ناتھ پنڈت، ۱۹۸۳ء، روپہ بھوانی۔ اکھ تحقیقی سام، شعبہ کشمیری، دانش گاہ کشمیر، سری نگر، ص: ۱۷

طور پر چمٹی ہوتی ہیں۔ کوئی انسان نہ تو کسی کو اس کے اعلیٰ نسب سے محروم کرسکتا ہے نہ کوئی شخص اپنے گھٹیا نسب کا لبادہ اپنی گردن سے اتار کر پھینک سکتا ہے۔''۴۴

بہرحال بات چل رہی تھی ذات میں پھیر بدل کی۔ ذات بدلنا ایک غیر اخلاقی عمل ہے جو سماجی، مذہبی اور نہ ہی قانونی طور پر درست ہے۔ ایسا کرنا دنیوی نظام چلانے کے نظریہ سے بھی غیر موزوں ہے۔ اپنی قدیمی ذات سے انحراف کرنا، اسلاف کی روایت سے دور ہونے کے مترادف ہے بلکہ اپنے زادو بوم اور رسوم ورواج کو بھلانے کا غیر فطری قدم ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ذات بدلنے کی نہج بہت پرانی ہے جس کے پیچھے (مسلمانوں میں) سماجی اور (ہندوؤں میں) مذہبی و سماجی مجبوریاں خاص طور کارفرما ہیں۔ ایک فارسی شعر میں ذات بدلنے کا مذاق یوں اڑایا گیا ہے۔ ع

سالِ اوّل شیخ بودم، سالِ دوم شاہ شدم
بخت گر یاری کُند، امسال سیّد می شدم

جان بیمز نے اسی شعر کو پھیر بدل کر یوں پیش کیا ہے:

" Last year I was a weaver, this year I am a Shaikh, next year, if rain is dear, I shall be a Sayyid."45

مذکورہ شعری مواد کو اردو اور پنجابی میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ جیسے

پہلے تھے ہم نیم جُلاہے پیچھے ہوگئے درزی
رفتہ رفتہ سیّد ہوگئے دیکھ خدا کی مرضی

O

پہلے اسی جلاہے تے پھر ہو گئے درزی
مُڑ گُھڑ کے سیّد ہووے آگے اللہ دی مرضی

۴۴: سلطان احمد اصلاحی، نابرابری کے عمل اور اسلام، ماہنامہ زندگی، رامپور ۱۹۸۴ء، جلد ۷۲، شمارہ ۴، ص: ۲۳-۲۷

45.John Beames, 1978, History, Folklore and Culture of the Races of NWP of India,Vol;I , New Delhi, p.18

ان اشعار اور حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ذات بدلنے کا رجحان کشمیر یا اس کے گرد نواح تک محدود نہیں بلکہ اس ماحول نے پورے برصغیر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ ذات بدلنے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ سماج میں نیچ ذاتوں کے خلاف بے ہودہ زبان سرِعام استعمال کی جاتی تھی۔ نیچ ذات کے لوگوں کو کھری کھری سُنانا اپنی جگہ، پیشورانہ ذاتوں (خاص کر نائی، بھانڈ، دھوبی، نانوائی، مچھیرے، ترکھان وغیرہ) کے خلاف نجی مجلسوں میں ملامت اور زبان درازی کے باعث لوگوں کو اپنا آبائی پیشہ تبدیل کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہا، جس کی صدائے بازگشت شیخ یعقوب صرفیؒ کے اس شعر میں سُنائی دیتی ہے۔ع

ہُنر داری اگر صرفیؔ تو از کشمیر بیروں آ
دریں قریہ ہُنر عیب است و عیب آمد ہنر ایں جا

(اے صرفیؔ اگر آپ کسی ہنر میں مہارت رکھتے ہیں تو کشمیر سے چلے جائیں۔ کیوں کہ کشمیر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ یہاں ہنر کو عیب تصور کیا جاتا ہے)

ہُنر مندوں اور کارکناں کو نیچ تصور کرنا پست درجہ کی ذہانت کی عکاسی ہے۔ دنیا میں سبھی انسان ایک ہی جسم کے الگ الگ انگ ہیں جن کا سرچشمہ ایک ہے۔ شیخ سعدی شیرازیؒ کے شعر میں اس کی ترجمانی یوں ہوئی ہے۔ ع

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند [۴۶]

پھر بھی پیشہ ورانہ ذاتوں کے تئیں صدیوں سے جو رویّہ جاری ہے، صدیاں گزرنے کے ساتھ اُس میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اس ماحول سے پوری کشمیری سوسائٹی خاص کر پیشہ ورانہ ذاتوں کے لوگ انتہائی حد تک احساسِ کمتری کے شکار ہوئے۔ مثلاً

ونے کرال ، نأیدُ سپدی دور دور
گیکھ گال تراوِتھ ژُھنکھ کھیٗس تہٕ کھوٗرے [۴۷]

ترجمہ (کمہار اور حجام ذات کے لوگوں نے اپنے آبائی پیشے کو حقیر سمجھنا شروع کیا ہے چنانچہ نائی ذات کے لوگوں نے اپنا اُسترا تک چھوڑ دیا ہے)

ایک کشمیری لوک فنکار لڈی شاہ نے پیشہ اور ذات بدلنے والوں کو یوں تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ع

ونے گردشاہ نۆو کتھاہ گیہِ سو پرٲنی
چُھری گان واتل بن ٲتی چھہِ وٲنی [۴۸]

ترجمہ (اے لوگو! گردشِ فلک دیکھو کہ اب چمار، کنجر اور موچی اپنا پیشہ چھوڑ کر دُکانداری کرنے لگے ہیں)

کشمیری زبان کے انقلابی شاعر عبدالاحد آزادؔ ذات کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اعلیٰ خاندان (ذات) کے باعث اچھے انسان پیدا نہیں ہوئے ہیں بلکہ بہتر انسانوں نے ہی اعلیٰ خاندان معرضِ وجود میں لائے ہیں۔ مثلاً

نوکتہِ دانو پٲدِ کٔری بڈی خاندان
خاندانو کٔری نہٕ پٲدِا نوکتہ دان [۴۹]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک انسان یا تو قسمت کے گھوڑے پر سوار ہوتا آیا ہے یا پھر خاندانی ہونے کا راگ الاپتا ہے۔ اپنے بل بوتے پر آگے بڑھنے کی ہمت کسی میں نہیں ہے۔ مثلاً

قسمتس یا خاندانس پرِ یتھ اکھاہ ڈیونٹھم سوار
بروٚنہہ پکان پنہٕ نیو کوٹھو کاٗنہہ نوجوانا آسہِ ہے [۵۰]

شاعر کشمیر غلام احمد مہجورؔ ذات بدلنے والوں پر یوں برس پڑے ہیں:

تھزِ ذٲژ ٲسِتھ کیازِ بنکھ خامخاہ کاشُر
تُرکی ، بخاری ، کاملی ، افغان بنکھنا

---

۴۶ ۔گلستان شیخ سعدی شیرازی، ص، 42

۴۷ ۔گلستان شیخ سعدی شیرازی، ص، 42

۴۸ ۔نشاط انصاری، ''لڈی شاہ''، ہمارا ادب (لوک ادب نمبر)، ۱۹۷۷ء، کلچرل اکیڈیمی، سری نگر، ص: ۲۱۷

۴۹ ۔ایضاً، ص، ۲۱۷

۵۰ ۔ عبدالاحد آزاد، کلیات، مرتب: ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو، سری نگر، ص، ۹۸

تھوٚد رشتہٕ ہأوتھ ، کتھٕ بنأوتھ ، دیار خرچأوتھ
سیّد ، قُریشی ، مولوی یا خان بنکھنا[۵۱]

ذات پات، سماجی نابرابری اور اقتصادی اونچ نیچ نے اس قدر سر اُٹھایا ہے کہ ایک ہی ذات کو نہ صرف مختلف ساخت کے ساتھ لکھا جاتا ہے بلکہ اس کا لہجہ بھی الگ الگ رہا ہے۔ مثلاً یتو، ایتو، ڈار، دار، دھر، راتھر، راٹھور، ماگرے، موگرے، بھٹ، بھٹّ، بٹ، پنڈت، پنڈتا، پڑے، پرے، کھر، کھیر وغیرہ۔ ذات بدلنے، مختلف لہجے ادا کرنے اور مختلف حروف کے سہارے ایک ہی ذات کو لکھنے والوں پر کشمیر کے سماجی اور سیاسی رہنما شری کشیپ بندھو نے یوں طنزیہ تیر اندازی کی ہے:

راز دان، روز ڈن ہوگیا کول ، کولا ہوگیا
بھٹ بچارا کیا کرے بھٹ تو بھٹ ہی رہ گیا[۵۲]

بغور دیکھا جائے آج اکیسویں صدی میں جب کہ نیچ ذاتیں بھی مختلف علوم سے سرفراز ہیں لیکن ان کے تئیں چھوت چھات، ذات پات اور اقتصادی نابرابری کے ماحول میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ کشمیر کی بات کریں تو دورِ حاضر میں بھی ذاتوں کو اہمیت دی جاتی ہے، خاص کر شادی بیاہ، لین دین یا تجارت کا معاملہ ہو۔ والدین کی مرضی سے طے ہونی والی شادیاں تقریباً نوے فیصدی اپنے ہی خاندان میں انجام دی جاتی ہیں۔ اپنی مرضی کی بعض شادیوں میں ذات پات آڑے نہیں آتی۔ تاہم ایسی شادیاں بہت کم ہیں۔ سیّد اور سیّد اقوام کی ذیلی شاخیں شادی بیاہ کے موقع پر ذات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ماحول نے بیشتر امیر گھرانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے چہ جائیکہ اُن کی ذات کچھ بھی ہو۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات میں کسی بھی قوم، ذات یا فرقہ کو اعلیٰ یا نیچ قرار نہیں دیا گیا ہے۔ نہ ہی کالے اور سفید میں فرق کرنے کی کوئی گنجائش موجود ہے۔ اس حوالے سے حضورﷺ کے مندرجہ ذیل الفاظ سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں جو آپ ﷺ نے وداعی حج کے موقعہ پر ارشاد فرمائے ہیں:

---

[۵۱] کلیات مہجوؔر، مرتب۔ محمد یوسف ٹینگ، ص: ۲۸۸۔۲۸۹ [۵۲] ۔ ہمارا ادب۔ جموں و کشمیر نمبر۔۵، ۱۹۸۳ء۔۱۹۸۴ء، کلچرل اکیڈیمی، سری نگر، ص، ۲۱۶

" There is not superiority of Arab over non-Arab,of non-Arab over Arab,of white people over black people , of black people over white people. Superiority is only on the basis of piety ." 53

اقوامِ متحدہ نے ۱۹۴۸ء میں اپنے منشور میں مخلوقِ عالم کے لئے خصوصی طور مندرجہ ذیل الفاظ شامل کیئے:

" All human beings are born free and equal in dignity and rights. They are endowed with reason and conscience and should act towards one another in a spirit of brotherhood."54

اس سب کے باوجود ذات پات پر ہر موقع اور مقام پر عمل ہو رہا ہے۔ شاید ہی وہ دن آئے گا جب مخلوقِ خدا کو اس ماحول سے عملی طور نجات ملے گی۔

ذات پات کے اسی ماحول نے عوام الناس کو اپنی ذات جاننے کے لئے نہ صرف راغب کیا بلکہ اُکسایا بھی ہے۔ بنی آدم کو یہ جاننے کی خواہش رہی ہے کہ اُس کا زاد بوم کیا ہے اور اس کی ذات کہاں سے آئی ہے۔ بعض لوگ اس پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں کہ امیر اور رئیسانہ زندگی گزارنے کے باوجود اُنہیں سماج میں وہ عزت نہیں مِل پاتی ہے جس عزت کی نگاہ سے متوسط گھرانے سے وابستہ اعلیٰ ذات کے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے۔

ذاتوں کا مطالعہ ایک دلچسپ موضوع ہے جس کے ساتھ راقم کی دلچسپی رہی ہے۔ اس سلسلے میں بھٹ، بتو، ڈار، ٹاک، راتھر، کھار، کاندر، لون، خان وغیرہ ذاتوں پر تحقیقی مضامین پہلے ہی ماہنامہ شیرازہ کی زینت بن چکے ہیں۔ یہ کوشش کسی بھی صورت میں حتمی نہیں ہے۔ یقیناً ذاتوں پر قلم اُٹھانا کافی مشکل ہے۔ اس میں لغزشوں کے زیادہ امکانات رہتے ہیں۔ پھر بھی راقم نے اپنی ناقص العلمی کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے متذکرہ بالا ذاتوں پر چند صفحات سیاہ کیئے ہیں۔

53. Ash-Shaibani, Ahmad Bin Hambal, Al-Masnad,(Compendiom of hadiths) Al-Maktabt Al-A'arabis,Al-Maktab Al-Islami,Vol.V,P.411

54: http;//www.un.org/en/documents/udhr/index.shtml

راقم کی کوشش ہے کہ آنے والے دِنوں میں جتنا ممکن ہوسکے، کشمیر کی بیشتر قدیم ذاتوں کو آنے والے مضامین میں زیر بحث لایا جائے گا۔ جس میں ماگرے، تانترے، پرے، گنائی، نائیک، کول، راز دان، ہنڈو، گیرو، پال، رینہ، میر، کوندو، ملک، کھانڈے، ڈانگر، ڈومب، واتل، کوندو، کاو، پنڈت، پنڈتا، سپرو، دیوا، دیو، ٹھوکر، بھان، ناگو، ترمبو، کاک، کمہار، مونتو، وازہ، وانی وغیرہ شامل ہوں گے ۔ بعض ایسی ذاتوں کو آئندہ اوّلین فرصت میں زیر بحث لایا جائے گا جو پراچین کال سے کشمیر میں رائج رہی ہیں۔ مثلاً گنائی جو بذات خود ایک سنسکرت لفظ ہے جو منشی کے معنی میں استعمال ہوتا آیا ہے اور انگریزی زبان کے سیکرٹری کے برابر ہے ۔ واقعات کشمیر کے مؤلف محمد اعظم دیدمری لکھتے ہیں:

''گنائی درعہد سابق، نویندہ رامیگفتند ۔ از مفتی گرفتہ تا پٹواری ہمیں لقب بود۔ گنائی بزبان فارسی منشی را گویند۔ فرماتے ہیں ۔

گنائی بکمیر دانا بود خداوند تدبیرو نامہ بود

(گنائی کشمیر میں اُس شخص کو کہتے ہیں جو دانا، عالم، مدیر اور صاحب قلم ہو۔)

اسی طرح شاہ برصغیر کی قدیم ذات تصور کی جاتی ہے جو شمالی ہند کی ریاستوں خاص کر گجرات، راجستھان، مدھیہ پردیش اور اُتر پردیش میں عام ہے ۔ یہ زیادہ تر تجارت پیشہ لوگوں کی ذات ہے جنہیں بنیئے بھی کہتے ہیں۔ شاہ سنسکرت ''شاہوکار'' سے نکلا ہے جس کے معنی تجارت پیشہ یا بیوپاری ہے۔ شاہ کی ذیلی شاخوں میں سہہ (Sah)، شہا (Shaha)، ساہو (Sahu)، شہہ (Sha) یا شاہ (Shah/Shaw) شامل ہیں۔ بعض محقق یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ شاہ اصل میں فارسی سے آیا لفظ ہے جس کے معنی بادشاہ ہیں۔ تاہم اس موضوع کو آگے بڑھانے کے لئے کسی اور موقع کا اِنتظار کرنے کے سِوا چارہ نہیں ہے۔ اسی طرح کول اور ماگرے ذات پر مفصل مضامین لکھنے کا بھی ارادہ ہے۔ تب تک بس ایک کام میں محو ہوجاؤں کہ:

پلٹ اوراق پڑھ ذاتوں کی روداد
مفصل حال و احوال، داد و بے داد

...........●●●............

B

بھٹ

کتابوں کی ورق گردانی سے بعض ایسے اشارے ملتے ہیں جو بھٹ ذات کے متعلق باضابطہ تحقیق کے لئے رہنمایانہ کردارادا کرسکتے ہیں۔ سچ ہے کہ اس موضوع پر اصول بند، مفصل اور مدلل طریقۂ تحقیق کا فقدان ہے۔ اس لئے مقالے کو آگے بڑھانے کے لئے چند ذیلی عنوانات پر بات کرنا ضروری ہے جس میں بھٹ لفظ کی مختلف صورتیں، وجہ تسمیہ، معنی ومطلب، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ خاص طور زیر بحث رہیں گی۔

بھٹ لفظ کی ساختی شکلیں

ساخت کے اعتبار سے دور جدید میں نجی، اجتماعی، پرائیویٹ اور سرکاری سطح پر بھٹ لفظ کی مختلف صورتیں رائج ہیں۔ بھٹ، بھٹّ، بٹ اور بٹّ اس کی نستعلیق شکلیں ہیں۔ رومن رسم الخط کے مطابق بھٹ کی حروفی ساخت میں Bhat، Bhatt، Bat، Batt، But اور Butt جیسے الفاظ شامل ہیں۔ کشمیر سمیت برصغیر کے ہندوپاک اور نیپال میں بھٹ لفظ کی یہ سبھی صورتیں یکساں طور مروج ہیں لیکن رومن حروف Bhat اور Bhatt صورتوں کا زیادہ چلن ہندوستان اور Bat یا Batt قسم کی شکلوں کا چلن پاکستان میں ہوتا ہے۔ بھٹ لفظ کی ایک اور رومن صورت Butt پاکستانی پنجاب اور اس کی Bhatt ساخت ہندوستانی پنجاب میں خاص طور رائج ہے۔ پاکستان میں اس لفظ کی بٹّی (Butteo) اور بھٹو (Bhutto) صورت بھی استعمال کی جاتی ہے۔[1]

بھٹ کے شانہ بہ شانہ ایک اور ملتا جلتا لفظ ''بھٹا'' بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کا حسب ونسب

---

[1]: پاکستان کے ایک سابقہ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اسی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ اندازہ لگانا آسان ہے کہ یہ لفظ بھٹ کی ہی مسخ یا تبدیل شدہ صورت ہوسکتی ہے۔

بعض اسکالروں کے مطابق ہندوراجپوتوں کی یادوذات سے جاملتا ہے جو بھٹوں کی طرح پورے برصغیر میں پھیلی ہوئی ہے۔ بھٹا لفظ بھٹ کے بالکل قریب یا بہ الفاظ دیگر یہ لفظ ایک ہی سکے دُو رُخ ہیں۔

بھٹ لفظ کی رومن ساخت بُٹ (Butt) اصل میں پہاڑی زبان سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں یہ صدیوں سے استعمال کی جارہی ہے۔[2] بہ اعتبار لہجہ ان لفظوں میں ہلکا سا تفاوت محسوس ہوتا ہے۔لیکن معنیاتی طوران میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں ہے۔

بھٹ لفظ کی وجہ تسمیہ

بھٹ لفظ معرض وجود میں آنے کی کئی وجوہات ہیں۔سب سے اہم دلیل یہ دی جارہی ہے کہ بھٹ اصل میں بہرٹ (Bhrit) سے نکلا لفظ ہے۔جس کے معنی ہیں نٹّ (Natt) یعنی ناچنا۔ نٹ (Natt) کے متعلق مشہور ہے کہ یہ لفظ ازخود نرٹ (Nritt) (یعنی ناچنے والا) سے مشتق ہے[3] جس کا تذکرہ پرانوں اور ناٹیہ شاشتروں میں جابہ جاملتا ہے۔مندروں میں دیوی دیوتاؤں اور راجپاٹوں میں راجہ اور سپاہ سالاروں کے دلیرانہ کارناموں کی تعریف کرنے والوں کو اصل میں بھٹ کہا جاتا تھا۔

بھٹ کا معنی ومطلب

جو شخص خاص موقعوں پر گانا گانے میں اپنے مالِک، کسی رئیس یا بڑے آدمی کی تعریف کے عوض روپیہ حاصل کرے، یا منظوم طرز میں تعریف کرے جب بادشاہ دربار میں پہنچے، نیز وہ ، جولوگوں کی ذات، ذیلی ذاتوں اور خاندانوں کے حسب ونسب کا خاکہ پیش کرتا ہو، بھٹ کہلاتا تھا[4] روایتی اعتبار سے یہ دلیل دی جاری ہے کہ بھٹ ذات کو بہادرانہ نغمے گانے کے لئے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بھٹ بنیادی طور سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عالم

2. P.K.Kaul, 1876, Pahari and other tribal dialects of Jammu, The Journal of Anthropological Servey of India, Vol.I, P.227

3. Giani, Garja Singh(edu.) , 1961, Shahid Bilas, Punjab , pp.38-39

4. Ibid, PP. 38,39-

اور دانشور ٹھہرا ہے۔

بھٹ قوم کی ارتقائی زندگی سے ثابت ہے کہ عوام میں ان کی اس قدر پذیرائی ہو رہی تھی کہ لوگ بھٹ لفظ کو وقار، بہادری اور مرتبہ کے مترادف سمجھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے اور عظیم لڑاکو، معلم اور علماء کے لئے بھٹ اور بٹّھی جیسا خطاب یا ذات اپنانا سعادت مندی تھی۵۔ ایک پنجابی محقق بھائی خان سنگھ نابھا ''گر شبد رتنا کر مہان کوش'' میں بھٹ لفظ کو بطور اسم استعمال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاعر جو بادشاہوں اور جنگ بازوں کے دربار میں اُن کی مدح خوانی کرتا تھا، بھٹ کہلاتا ہے۶۔ اسی طرح کا اظہار خیال پنجابی محقق گیان کرپال سنگھ نے اپنی کتاب ''سارتھ کوش'' میں کیا ہے جس نے بھٹ لفظ کے تقریباً ڈیڑھ درجن مُترادفات کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں سُتت، پاٹھک، سُت، گھاتک، چرن، پاشبند، پرتا گیا، بٹل، بینڈا کر، بانڈن، بانڈی، بانڈیجن، بھٹا، مگد، مگدھ، لگا مدھاک، رُڈ اور ویتالِک الفاظ شامل ہیں۷۔ اسی طرح گوڑ، رائے، باترا، ائیر، نمبو دھری، مالویہ، بارگو، باروٹ وغیرہ بھٹوں کی ذیلی شاخیں تصور کی جاتی ہیں۔

بٹّھوں کا جغرافیہ

دُنیا خاص کر ایشیاء اور یورپ میں بہ مشکل کوئی بستی ہوگی جہاں بھٹ ذات یا اس کی کوئی ذیلی شاخ موجود نہ ہو۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک بھٹ ذات کے لوگ عرصہ دراز سے بود باش کرتے آئے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، جرمنی، برطانیہ، امریکہ، فرانس، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، آئیر لینڈ وغیرہ مما لک میں بھٹوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ یورپی بھٹوں کے متعلق اطلاع ہے کہ:

The surname Butt or Butts is ---said to be derived from the French word" But",Which is a noun , meaning target" 8

5.Bhai Khan Singh Nabha, Gur Sabad Ratnakar Mahakosh, P.67,CF Sarbanjeet Kaur, P.4

6.Ibid , PP 3-10

7. Giani Kirpal Sing(ed.) Samarth Kosh, P. 362

8. "Butt Surname meaning " DB. Name origion Research

بھارت کے گجرات، ہریانہ، راجستھان، مدھیہ پردیش، اُتر پردیش، بہار، مغربی بنگال، مہاراشٹر، گوا، کرناٹکا، پنجاب اور آندھرا پردیش میں بھٹّوں کی سب زیادہ آبادی ہے۔ پاکستان، پنجاب کے لاہور، گجرانوالہ، سکھر، شیخ پورہ، ملتان کے بعض علاقوں اور کراچی کے علاوہ میر پور، راولاکوٹ اور مظفر آباد میں بھی بھٹ ذات کے لوگ رہتے ہیں۔ ہندوستان و پاکستان میں جو بھٹ آبادی سکونت کر رہی ہے، اس میں کشمیر سے ہجرت کر گئے بھٹّوں کی خاصی تعداد شامل ہے ۹۔ پاکستان میں اُن سب کشمیریوں کو بھٹ صاحب کہہ کر پکارا جاتا ہے جو کشمیر سے چلے گئے ہیں۔ چاہے وہ کسی بھی ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس پس منظر میں محمد عثمان بھٹ لکھتے ہیں:

" It is right or wrong, but thing is that for Kashmiris like Butt, Dar, Lone etc, Butt has become more or less a collective identity over the generations here in upper Punjab Pakistan."10

جہاں تک جموں و کشمیر میں بھٹوں کی آبادی کا تعلق ہے حتمی طور کہنا مشکل ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ ریاست کا کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جہاں بھٹ ذات کے لوگ موجود نہ ہوں۔ ٹیٹوال سے قاضی گنڈ، بانہال سے پونچھ اور مغل میدان کشتواڑ سے راجوری تک بھٹوں کی اچھی خاصی آبادی بودوباش کر رہی ہے۔ سکالروں، نمبرداروں، چوکیداروں، سرپنچوں اور قلم کاروں نے بھٹ آبادی کے حوالے سے کچھ اعداد وشمار فراہم کئے ہیں جس کا خاکہ یوں درج کیا جاتا ہے۔

بستی کا نام	تحصیل	گھرانے	بستی کا نام	تحصیل	گھرانے	
لدو	پانپورا	۴۵ گھرانے	شالیمار	سری نگر	۷۰ گھرانے	
ڈوین	پانپور	۴۰ گھرانے	ہارون	سری نگر	۳۹ گھرانے	
شار	پانپور	۳۰ گھرانے	نیوتھید	سری نگر	۲۰ گھرانے	
			تیل بل	سری نگر	۲۵ گھرانے	

۹۔ یہ بھٹ گذشتہ چھ سو برسوں کے دوران یہاں سے ترک سکونت کر گئے تھے۔ قحط، ظلم، تبدیلی مذہب اور بہت سارے مسائل کے باعث بھٹوں سمیت، ڈار، ماگرے، نائیک نے ہجرت میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

10. Mohd. Usman Butt, Wazir Abad Gujranwala Pakistan, C.F.Wikipedia.mht.

کھنموہ☆	پانپور	۳۰ گھرانے	بٹہ مالین	سری نگر	۵۵ گھرانے	
کھریو	پانپور	۵۰ گھرانے	چھتہ بل	سری نگر	۳۵ گھرانے	
اندروس	پانپور	۲۰ گھرانے	بمنہ	سری نگر	۱۸۵ گھرانے	
گنڈبل	پانپور	۵ گھرانے	عالی کدل	سری نگر	۷۰ گھرانے	
دُس	پانپور	۲ گھرانے	حبہ کدل	سری نگر	۶۰ گھرانے	
کونہِ بل	پانپور	۲۵ گھرانے	کولگام	کولگام	۲۰۰ گھرانے	
بالہ ہوم	پانپور	۵۰ گھرانے	راجوری	راجوری	۴۳ گھرانے	
ژندہور	پانپور	۱۵ گھرانے	پونچھ	پونچھ	۴۰ گھرانے	
زیون	پانپور	۱۷ گھرانے	رام بن	رام بن	۱۳ گھرانے	
زوؤر	پانپور	۲۰ گھرانے	بانہال	بانہال	۳۰ گھرانے	
میج	پانپور	۸ گھرانے	کشتواڑ	کشتوار	۲۰ گھرانے	
منہ پور	پانپور	۵ گھرانے	بڈگام	بڈگام	۴۰ گھرانے	
پانپور	پانپور	۵۰ گھرانے	پچھ گام	بڈگام	۳۰ گھرانے	
گلاب باغ	ترال	۱۰ گھرانے	پچھکوٹ	بڈگام	۳۰ گھرانے	
بھٹ نور	ترال	۲۰ گھرانے	حیات پور	ژوڑر	۱۵ گھرانے	
ڈاڈسُر	ترال	۱۹ گھرانے	وڑی پور	ژوڑر	۲۵ گھرانے	
ڈوڈورہ	پلوامہ	۳۰ گھرانے	حیدر پور	سری نگر	۷۰ گھرانے	
کاکہ پورہ	پلوامہ	۴۰ گھرانے	واتھورہ	ژوڑر	۱۷ گھرانے	
وہبگ	پلوامہ	۱۵ گھرانے	بوگام	ژوڑر	۷۰ گھرانے	
نیوہ	پلوامہ	۱۱ گھرانے	ناگام	ژوڑر	۴۰ گھرانے	
پاری گام	پلوامہ	۲۰ گھرانے	موچھو	ژوڑر	۵۰ گھرانے	

☆ کھنموہ میں گیارہویں صدی کے دوران ایک مشہور شاعر رہتا تھا جس کی ذات بھٹ تھی۔ شاعر کا نام بلہن تھا۔

بھٹوں کی تاریخ

بھٹ ذات کی تاریخ کے متعلق کئی بکھرے اور مبہم روایتی، اساطیری، سماجی اور مذہبی اشارے ملتے ہیں جن سے بھٹوں کی تاریخ کے چند گوشے روشن ہو سکتے ہیں۔ ان کڑیوں کو تحقیقی اصولوں کے مطابق جانچا اور ترتیب دیا جائے تو بھٹوں کی تاریخ سے پردہ اُٹھ سکتا ہے۔ قدیم نوشتوں میں بھٹ ذات کے لوگوں کو ویدک دور کے منیوں اور ریشیوں کی اولاد مانا گیا ہے۔ بھٹ بنیوں [۱۱] کی ادی گرنتھ [۱۲] میں شاملِ طویل حمد یہ تعریفی نظم سے پتہ چلتا ہے کہ بھٹ مہان کوشش ریشی کے اولاد تھے [۱۳]۔ جن کا سرسوتی برہمنوں سے قریبی رشتہ تھا۔ بہ ایں وجہ اُنہیں سرسوتی برہمنی بھی کہا گیا ہے۔ سرسوتی کے متعلق مختلف نظریات ہیں۔ ایک یہ کہ سرسوتی علم کی دیوی کا نام ہے۔ دوسری رائے میں سرسوتی پنجاب کا ایک دریا ہے۔ جہاں بھٹ ذات کا قبیلہ بودوباش کرتا تھا۔ یہ دریا پنجاب میں کہاں واقع تھا، کافی تحقیق کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا اور نہ ابھی تک اس دریا کے آثار دستیاب ہوئے ہیں۔ اس لئے سرسوتی ایک خیالی دریا کے مترادف ہے جب یہ خیالی دریا خشک ہوا تو کناروں کے باسی، بھٹ، اطراف واکناف کی طرف چلے گئے اور پورے برصغیر میں پھیل گئے۔ کاسٹس اینڈ ٹرائبز آف سنٹرل انڈیا، نامی کتاب میں رُسل اور ہیرا لال درج کرتے ہیں کہ بھٹوں کا ظہور راجپوتانہ یا موجودہ راجستھان سے ہُوا ہے جو رفتہ رفتہ پورے بھارت میں پھیل گئے۔ سوال پیدا ہونا لازمی ہے کہ بھٹوں کا آبائی وطن سرسوتی تھا یا راجپوتانہ، حتمی طور کہنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم مورّخ اور اسکالر حضرات اکثر و بیشتر سرسوتی کو ہی ترجیح دیتے آئے ہیں۔

سرسوتی کے دوسرے کنارے پر گوڈ ذات کے لوگ رہتے تھے جن کی موجودگی کا پتہ ہریانہ کی تلونڈی میں آج بھی ملتا ہے۔ یہ لوگ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں اور نہ ہی اُنہیں خواندگی

---

۱۱ : وہ بہادرانہ نغمے یا تعریفی اشعار جو بھٹ ذات کے لوگ راجوں، مہاراجوں اور مذہبی رہنماؤں کے متعلق تخلیق کر کے گاتے تھے، بھٹ بنی کہلاتے ہیں۔ بھٹ کے معنی گانا یا تعریف کرنے والا ہے اور بنی کے معنی ہیں تعریف۔ بھٹ بنی ایک طویل نظم کا نام بھی ہے۔ جو تاریخی، سماجی اقتصادی اور مذہبی اہمیت کی حامل ہے۔ بھٹ بنی ویشنوی تھے۔ سری رام اور سری کرشن کے پیروکاروں میں ان کا شما ہوتا تھا۔

۱۲ :ادی گرنتھ سِکھوں کی اوّلین کتاب ہے جس میں سکھ گوروؤں اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کے تقریباً چھ ہزار حمد یہ اشعار ہیں۔ ان اشعار میں بعض عربی، فارسی اور ہندی الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

13. https://www.searchgurbani.com/bhatts

سے کوئی دلچسپی تھی۔ گوروؤں کی کچھ آبادی پنجاب کے سلطان پور اور کپورتھلہ میں بھی تھی جن میں بعض گھرانوں نے گرو امرداس کے زمانے میں سِکھ مت قبول کیا تھا۔ کپورتھلہ میں بھٹ ذات کی اور بھی کئی ذیلی شاخیں بودو باش کرتی تھیں جو شجرہ کے مطابق بہی کھاہ اور ٹوڈہ بھٹ کی اولادوں میں سے تھے۔ یہ تاریخی اطلاع ہے کہ بھٹوں نے ہر لحاظ سے گرونانک دیو جی مہاراج کے بیشتر گروؤں کا ساتھ نبھایا تھا۔ پراچین نوشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بھٹ ذات کی تاریخ ہر جگہ الگ نوعیت کی ہے۔ تاہم معمولی تفاوت کے ساتھ برصغیر میں اِن کے سماجی، سیاسی اور مذہبی اقدار تقریباً یکساں راہ پر گامزن رہے ہیں۔ چاہے راجستھان کا بھٹ ہو یا پنجاب کا، ہریانہ میں رہتا تھا ہو بہار میں۔ اتنا ضرور ہے کہ طریقۂ زندگی، کاروبار، عادات واطوار، رسوم اور روایات میں کچھ فرق نمایاں ہے۔ مثلاً بنگال میں بھٹ ذات کے لوگ مندروں کے پُجاری تھے اور دوسری جگہوں پر وہ اس کام سے جی چُراتے آئے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ذات اور ذات سے باہر شادی کی رسم انجام دیتے ہیں۔

بھٹ ذات کے لوگوں کا تذکرہ رامائن، پُران، بھگوت گیتا سمیت سِکھ اَدبیات میں جابہ جا ملتا ہے۔ بھائی سنتوک سنگھ کے بقول ویدوں کو بیان کرنے اور بعد میں اُنہیں ضبط تحریر میں لانے کا سہرا بھی بھٹوں کے سر ہے جو ۱۲۰۰ ق۔م سے بہادرانہ کارنامے بیان اور تحریر کرتے آئے ہیں۔ دورِ وسط میں بھی جو اقوام برصغیر کے نشیب وفراز پر حکمران کرتے تھے، بھٹ ذات کے لوگ اُن کے دربار سے بالواسط اور بلا واسطہ وابستہ تھے جو شاہی دربار میں دلیرانہ تعریف و توصیف کے نغمہ گاتے تھے جس کے باعث جنگجو میدانِ کارزار کا رُخ کرنا سعادت سمجھتے تھے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے دوران اُن سپاہیوں اور اُن کے آباو اجداد کے بہادرانہ کارنامے اور شہادت کے گیت گانا بھٹوں کا محبوب پیشہ رہا ہے، جنہوں نے اپنے وطن کے لئے عظیم قربانیاں دی تھیں۔ بعض اوقات ان لوگوں نے فوجی کام کاج میں بھی راجہ کا ہاتھ بٹایا ہے۔

بھٹ بنیادی طور قلم کاروں کی جماعت تھی جو فقرے یعنی تُک بندی یا بہ الفاظ دیگر شعری زبان میں بات کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ نسب نامہ، تاریخ نویسی، واقعات نگاری اور لوگوں کے اہم حادثات قلمبند کرنا بھٹوں کی اہم ذمہ داری تھی۔ راجوں اور مہاراجوں کے باورچی،

توشہ خانہ کے محافظ اور سالانہ کیلنڈر سازی بھٹوں کے سپرد تھی۔ یہ لوگ فی البدیہہ جواب دینے میں ماہر تھے۔ ان کی ناراضگی مول لینا کسی فردِ بشر کے لئے آسان نہیں تھا۔ اتفاقاً اُنہیں کوئی ناراض کرے تو اُس کے خلاف چند شعر آویزاں بہ درخت یا ستون کئے جاتے تھے۔

مغرب کی بات کریں تو دلیل دی جاری ہے کہ ہزاروں سال پہلے آریوں کے بعض گروہ الگ الگ وقتوں میں یورپ پہنچے جو رفتہ رفتہ سارے مغربی ممالک میں پھیل گئے۔ مختلف آرا کی ردوقبول کے بیچ مندرجہ ذیل الفاظ سے، بھٹ وار دِمغرب ہونے کی صورت حال کچھ حد تک واضح ہوسکتی ہے۔ پُشکر ناتھ نہرو، سینتی کمار چٹرجی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" Balts and Aryans, mentions that the word Balt appears to have emerged in Indo-European primitive language as a word for white. The name Balt used for Indo-European speakers has an intesting history. The word was employed in Greco-Roman times in Connection with the sea which fringes upon the Balt homeland and is still known as the Baltic Sea...... Thus , the primitive Indio-Europeans word for white could have become Bhalto,which in Lithuanian and Latvian became Balt and in sanskrit was referrred to as Bhatt."14

اِس اقتباس سے اہم باتیں سامنے آئی ہیں۔ ایک یہ کہ بلٹ (Balt) لفظ کو سفید کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے ۱۵۔ دوسرا یہ کہ بلٹ ذات نے ہزاروں سال پہلے اپنے نام کی بالٹک بستی بسائی تھی اور تیسرا ہندیورپی زبانوں کے مضبوط رشتے پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

قدیم نوشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بھٹوں کے ۲۲ گوتر ہیں جن میں سامن واس اوپنمی ،

14. Pushkar Nath Nehru, 2012, Satisar to Kashmir, Pune, pp.99-100

۱۵۔ بیشتر یورپی زبانیں بشمول لتھوانی، لیٹوی اور ہندوستانی زبانوں کے قدیم رشتے ہیں جن میں اسم اور فعل کے درمیان کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔

ویشیشت باردواج، دیو باردواج، شرمن باردواج، شانڈے باردواج، نندکوش باردواج، سُم شانڈلے، دیوگوتم، دیوکوشک، نندگوتم کشپ، راج کوشک اور کوتس آتری قابل ذکر گوتر ہیں[۱۶]۔ اِن ہی گوتروں سے بٹھوں کی بیشتر ذاتیں ماخوذ ہیں جس میں اِن کی ذیلی شاخیں بھی شامل ہیں۔ کشمیر میں یہ ذیلی شاخیں کم اور برصغیر میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہیں[۱۷]۔

کشمیر میں بھٹ

کشمیر میں بھٹ کون تھے، اِن کا زاد بوم کیا تھا، کہنا آسان نہیں ہے۔ بیشتر لیکھک اِنہیں آریا قوم کی نسل سے گردانتے ہیں۔ بعض قلم کاروں خاص کر رسُل اور ہیرالال (کاسٹس اینڈ ٹرائیبز آف سنٹرل انڈیا) کی نظروں میں اِن کا رشتہ برہمنوں سے جاملتا ہے۔ کئی محقق اِنہیں آریا ذات کی کھشتری شاخ سے منسوب کرتے ہیں۔ ایک رائے میں بٹھّوں کو کشمیر کے قدیم باشندوں کا درجہ دیا گیا ہے۔ کچھ سکالر بھٹّوں کو وسطِ ایشیا کے باسی مانتے ہیں جو بعض قلم کاروں کے بقول چار سے تین ہزار سال قبل مسیح میں واردِ کشمیر ہوئے ہوں گے۔ اس قبیلے کے متعلق مشہور ہے کہ یہ برہمنوں سے بہت پہلے کشمیر پہنچا تھا۔ پُشکر ناتھ نہرو لکھتے ہیں:

"The original appellation given to the members of the early settlers in the valley, who were the precursors of the Kashmiri Brahmins, was Bhatla." 18

اگر نہرو کی رائے درست قرار دی جائے تو جو لوگ بھٹ ذات کو ویدی ایام سے منسوب کرتے ہیں، رد کرنا بہت آسان ہوگا لیکن مذکورہ محقق (نہرو) نے اپنی رائے کو تحقیقی اور تجزیاتی اصولوں کے تجربہ گاہ کی سیر نہیں کرائی ہے۔ اس نوعیت کے تحقیقی اونٹ کے بیٹھنے کی صحیح کروٹ کیا ہے، مزید تحقیق کئے بغیر جاننا بہت مبہم ہے۔ راقم کے ذہن میں ایک سوال اُٹھ رہا ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ بھٹ

۱۶: پنڈت پریم ناتھ شاستری، ۲۰۱۹ء وجیشور پنچانگ، جموں، ص، ۳۱۸۔۳۲۰

۱۷: مزید مشاہدے کے لئے دیکھیں دردست مقالے کا ''بھٹ کا معنی ومطلب'' عنوان۔

18. Pushkar Nath Nehru, 2012, Satisar to Kashmir, Pune, p.99

قبیلے نے تین سے چار ہزار ق۔م میں کشمیر کو اپنا وطن بنایا تھا تو اُن لوگوں کی رائے پر سوالیہ نشان لگ سکتا ہے جو اس خیال کے حامی ہیں کہ کشمیر کے برہمن، بھٹ اور ویش سرسوتی سے کشمیر آئے تھے۔ محقق یا نقاد کو یہ مان کر چلنا ہوگا کہ وسط ایشیاء سے نکل کر بھٹ قبیلے نے کشمیر پہنچنے سے پہلے پنجاب کے سرسوتی علاقوں میں بود و باش کی ہوگی جسے بہ آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بھٹ قبیلہ نے برہمنوں سے زائد از ڈیڑھ ہزار سال پہلے کشمیر کا رُخ کیا ہوگا۔ اہمیت کی بات یہ ہے کہ بھٹ ذات کے لوگ آتے ہی کشمیر کے پشتنی باشندوں سے متصادم ہوئے ہوں گے۔ یقیناً کچھ مدت کے بعد حالات میں بہتری آئی ہوگی اور بھٹ قبیلہ مقامی قبیلوں خاص کر ناگ اور پشاچ کے ساتھ گھل مل گیا ہو اور زمانے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے آپسی رشتے قائم ہونے کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس قرابت داری میں مختلف وجوہات خاص کر ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ کے باعث بعض بھٹوں نے ذات تبدیل کی ہو جس کے سطحی اشارے تاریخی اور تنقیدی نوشتوں سے بلاواسطہ طور بخوبی ملتے ہیں۔ مثلاً

"On a detailed study of the list of Vedic Reshis, it is evident that 189 Gotras of the Kashmiri Pandits contained Naga antecedents of whom the names are given in the Nilmat Purana. Pandit Anand Koal's book, The Kashmiri Pandit, mention that there are 36 Gotras Comprising of Non-Vedic /Naga Gotra Characters. This means that about 19% of the total Gotras of the Bhattas have Naga genealogical linkage.This conclusion is further supported by the fact that the immediate ancestors of present day Bhatts display their cultural affinity with the Nagas with pride, and are interesting instances to prove this."19

---

19. Ibid, pp.89-90

اگر مندرجہ بالا سطور کو نظریہ ہجرت (Migration theory) کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ دعویٰ کہ بھٹ نسبی طور ناگوں کی ذریت ہے، درست معلوم ہوتا ہے۔ اس تھیوری کے مطابق آسام، میگالیہ، ناگالینڈ وغیرہ میں رہنے والے ناگ اصل میں منگولیا، چین یا تھائی لینڈ سے آئے ہیں جن کے متعلق اشارہ ملتا ہے کہ یہ لوگ ہزاروں سال پہلے براستہ برما واردِ ہند ہوئے تھے[20]۔ اگر کشمیری ناگوں کا زادوبوم ڈھونڈ نکالنے کے لئے اس تھیوری کا سہارا لیا جائے تو عین ممکن ہے کہ ان کا نسبی تار بھی منگولیا یا چین سے جُڑا ہوا ملے گا۔ لیکن اس نظریہ کو استوار کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔ اگر کہ مذکورہ رائے درست ثابت ہو پھر یہ کہنا بھی آسان نہیں ہے کہ ان اقوام نے کِس راستے سے کشمیر کا رُخ کیا ہے۔ وہ وسط ایشیاء سے ہوتے ہوئے افغانستان کے راستے کشمیر وارد ہوئے تھے، برما سے ہندوستان کے راستے کشمیر آئے یا چین، تبت اور لداخ کا راستہ اختیار کیا ہو۔ اس حوالے سے کئی اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناگ شاید تبت و لداخ کے راستے سے کشمیر میں داخل ہوئے ہوں گے۔ اس غیر مستند رائے میں اُس وقت جان پیدا ہو جاتی ہے جب پنڈت کلہن بھٹ ذات کے لوگوں کو تبّتی النسل ٹھہراتا ہے [21]۔ ''کلہن اور اس کے بعد کئی مورّخوں نے جن لوگوں کو بھُوٹ یا بھٹ یا کہیں کہیں بھوٹ بھی لکھا ہے، سے مراد اُس فرقہ سے ہے جسے دورِ حاضر میں بھٹ کہتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر کشمیر کے مشرق اور شمال مشرق میں یعنی آج کل کے پہاڑی اضلاع دراس، لداخ اور سکردو میں بھی رہتے ہیں[22]۔ دریں اثنا یہ دلیل بھی مشہور ہے کہ بھٹ ذات کے لوگ مذہبی تعلیمات کے پھیلاؤ کے لئے کشمیر سے ہی تبت گئے تھے۔ ان تمام آراٗ کو مدنظر رکھ کر دو خاص نظریات سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ بھٹ ناگوں کی اولاد تھے اور دوسرا یہ کہ بھٹوں کا رشتہ سرسوتی برہمنوں سے جا ملتا ہے۔ پھر بھی موخر الذکر نظریہ قدرے درست لگتا ہے۔ لیکن مزید تحقیق کئے بغیر کوئی حتمی رائے قائم کرنا ابھی دور کی بات ہے۔

20. Marion Wettestein, 2012, Origin and Migration myth in the rhetoric of Naga Independence and Collective Identity, Brill Stuart Blackburn, p.213

۲۱۔ راج ترنگنی، ۱۹۷۹ء مترجم۔ ٹھاکر اچھر چند، جلد۔ اوّل، ص، ۱۹۶، فٹ نوٹ۔ ۱۰۳۔

۲۲۔ ایضاً، ص، ۱۴۶، نوٹ۔ ۱۰۳

بھٹوں کی اہم شخصیات

بھٹوں نے مختلف شعبوں خاص کر مذہب، ادب ، فلسفہ ، سائنس ، ریاضیات ، اقتصادیات ، کھیل کود ، سیاست ، انتظامیہ وغیرہ میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ بھٹ ذات کے جن لوگوں نے زندگی میں قابلِ قدر کردار ادا کیا ہے اُن میں اُدو بھٹ ، آریہ بھٹ ، بھٹ نائیک ، طوطہ بھٹ ، بھٹ دوراج ، بھٹ نرائین ، بانہ بھٹ ، شا بھٹ ، جگدھر بھٹ ، تازی بھٹ ، سہہ بھٹ ، شری بھٹ ، مہیش داس بھٹ ، بیربل بھٹ ، سہجہ بھٹ ، شامہ بھٹ ، گاما پہلوان بھٹ ، رحیم بخش بھٹ ، بلونت رائے بھٹ ، شمس فقیر ، احمد بٹواری ، رحیم صاحب صفا پور وغیرہ کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ جن میں چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔

بھٹ ذات کے متعلق سب سے قدیم حوالہ چندر گپت موریہ (چوتھی صدی قبل مسیح) کے دور حکومت سے ملتا ہے۔ دورِ راکش میں چندر گپت موریہ کی فوج کے کئی ڈویژن کا تذکرہ ملتا ہے جس میں بھٹ بالا (بالا ایک ڈویژن کا نام تھا) نام کی فوجی ٹولی مشہور تھی۔ اپنی سلطنت میں چندر گپت موریہ نے بھٹ افواج کو ہر جگہ تعینات کیا تھا۔ خاص کر ان علاقوں یا عہدوں پر جہاں بادشاہ کو لگتا تھا کہ یہاں بھٹوں کے بغیر کام چلنے والا نہیں ہے۔ یہ لوگ راجہ کے سب سے زیادہ وفادار مانے جاتے تھے۔ اسی طرح راجہ جلوک [۲۳] کے عہد میں بھٹوں کی تحریری شہادت ملتی ہے جب راجہ نے بھٹ اور پنڈت ذات جو قابلیت میں یگانہ دہر تھے، کو مشیر مقرر کیا [۲۴] اَودنامی شخص جسے عرفِ عام میں اَود بھٹ کہتے تھے، راجہ جلوک کا اُستاد تھا جس کو راج ترنگنی میں ابدہوت رشی کہا گیا ہے [۲۵] قدیم ہندوستان میں آریہ بھٹ نام کا ایک ماہرِ علمِ نجوم وریاضی رہتا تھا جو (476-550) پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ بہار) کے ایک گاؤں ترنگانہ میں پیدا ہوا جو پٹنہ سے تیس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ آریہ بھٹ زمین کو محوری گردش کا قائل تھا۔ اُس نے وہی تصور پیش کیا تھا جسے ۱۴۳۲ء میں گلیلیو نے پیش کیا تھا۔ علم ریاضی میں "آریہ بھاٹیہ" اور علمِ نجوم میں "آریاسدھانت" ان کی یادگار تصانیف ہیں۔ اسی طرح

۲۳۔ راجہ جلوک اشوک کے بعد کشمیر کا حکمران بنا۔ وہ نیک سیرت راجہ تھا جسے پنڈت کلہن نے دیوتا کہا ہے۔

۲۴۔ محمد الدین فوق، تاریخ کشمیر، ص، ۹۹

۲۵۔ پنڈت کلہن، راج ترنگنی (اردو)، ص، ۹۷

بانا بھٹا یا بانہ بھٹ ساتویں صدی عیسوی کا سنسکرت شاعر اور نثر نگار گزرا ہے۔ وہ شمالی ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے راجہ ہرش وردھن (667-606ء) کا درباری شاعر تھا۔ ہرش وردھن کی سوانح عمری اور ایک داستان ''کدم بری'' بانا بھٹا کے اہم ادبی کارنامے ہیں ۲۶۔ ایک اور سنسکرت شاعر و فلسفی نویں صدی عیسوی کا جیانتا بھٹ تھا جس نے ''نیایا ہند و فلسفہ'' کی بنیاد ڈالی ۲۷۔ اپنے فلسفیانہ نوشتوں خاص کر ''نیایم منجری'' اور ڈراما ''اگامادمبارا'' میں لکھتے ہیں کہ راجہ شنکر ورمن (902-882ء) اُن کے ہم عصر تھے۔ جیانتا بھٹ کے فرزند ابھینند ن بھٹ ''کدم بری کتھا سارا'' نام کی کتاب میں درج کرتے ہیں کہ جیانتا کے جدِ امجد راجہ للتا دتیہ (آٹھویں صدی) کی حکومت میں وزیر تھے ۲۸۔ جب سکندر شاہ (چودھویں صدی عیسوی کے آخر پر) کشمیر کا حکمران بنا تو بھٹ ذات کا ایک مدّبر اور حکمت ساز شخص سہہ بھٹ کا کا پوری وزیرِ اعظم کے عہدے پر فائز تھے۔ قبول اسلام کے بعد سہہ بھٹ کو سیف الدین بھٹ نام رکھا گیا جسے بعد میں ملک کے خطاب سے نوازا گیا۔ ملک سیف الدین بھٹ کے محلات و مکانات راز ے کدل سری نگر میں افغان دور تک موجود تھے۔ شہمیری دور میں ایک اور بھٹ شخصیت شری بھٹ پندرہویں صدی کا مشہور حکیم تھا جو بڈشاہ کا درباری طبیب تھا۔ سری نگر کے علم گری بازار کے متصل شری بھٹ نام کی بستی اُسی کی یادگار ہے۔ اِن ہی ایام میں تازی بھٹ نام کی فوجی شخصیت بھی گُزری ہے جس نے میدان کارزار میں بارہا اپنی ذہانت اور قابلیت کا لوہا منوایا ہے۔ یُدھ بھٹ بڈشاہی دربار کا ایک شاعر تھا جس نے ''زینہ پرکاش'' نام کی کتاب لکھی ہے جس میں بڈشاہ کی حکمرانی کا مفصل حال درج ہے۔ بڈشاہی دربار سے منسلک شالہ پور کنگن گاندربل کا ایک شاعر و عالم اوتار بھٹ تھا جس نے ۱۴۴۶ء میں بڈشاہ کی حکمرانی وغیرہ کے متعلق ''بانا سرود کتھا'' نام کی کتاب لکھی ہے۔ مہیش بھٹ اور بیربل بھٹ مغل دور (دورِ اکبری) میں یکے بعد دیگرے وزیرِ اعظم کے عہدے

26. Amarash, Datta, 1988, Encyclopaedia of Indian Literature:Devraj to Jyoti, Sayhitya Akademi, PP. 1339
27.Francis Clooney ,2010, Hindu God , Christan God: How Reason Heeps Break Down the Boundaries Between Relations, Oxford University Press, pp.39-40
28. S.C. Ray, History of Kashmir, Contribution to Sanskrit Leterature,

پر براجمان رہے ہیں۔ افغان دور میں حسی بھٹ نادان ایک مشہور شاعر تھا جو گنڈ حسی بھٹ کا رہنے والا تھا۔ بھٹوں کی ایک اور شخصیت غلام محمد عرف گاما پہلوان عرف رُستم زمان تھی جو ۲۳ رمئی ۱۸۷۸ء کو ضلع امرتسر کے جبوول گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ گاما پہلوان کا تعلق کشمیری بھٹ خاندان سے تھا جو پیشہ پہلوانی میں یکتائے روزگار تھا۔ یہ خاندان افغان دور میں کشمیر سے ہجرت کر کے امرتسر پہنچا تھا۔ دَورِ جوانی میں قدم رکھتے ہی گاما نے فنِ پہلوانی میں دلچسپی لینی شروع کی تھی اور رفتہ رفتہ کئی منازل طے کئے۔ گاما کو اُس وقت زبردست شہرت نصیب ہوئی جب اُنیس سال کی عمر میں اُس نے انڈین ریسلنگ چمپیَن کے اَپنے ہم ذات رحیم بخش بھٹ[۲۹] سلطان والا کا جوانمردی سے برابر کا مقابلہ کیا۔ گاما نے رحیم بخش بھٹ کے بغیر برصغیر کے تمام نامی گرامی پہلوانوں کو ہرایا۔ گاما نے مغرب میں بھی کھیلا ہے۔ یہاں اُنہوں نے امریکی پہلوان بنجامین رولر عرف ''ڈوک'' اور اسٹینی سیلس زبِسکو کو عبرت ناک شکست دی اور ۲۵۰ پاؤنڈ کی انعامی رقم اور ''جان بُل بیلٹ'' جیت لیا۔ یہیں سے گاما پہلوان کو رُستم زِمان کا خطاب بھی ملا۔ انہوں نے سوئزرلینڈ کے یورپی چمپیَن جوہان لیم، سویڈن کے عالمی چمپیَن جیس پیٹرسن اور فرانس کے مورِس ڈیریاز کو بھی شکست سے ہمکنار کیا تھا۔ مُلک تقسیم ہونے کے بعد گاما اپنے بھائی امام بخش بھٹ اور بھتیجوں بھولو برادران کے ساتھ باقی زندگی گزارنے کے لئے لاہور چلے گئے۔ ۱۹۶۰ء میں گاما کا اِنتقال ہوا اور یہیں دفن ہوئے۔ اسی طرح بھٹوں میں ایک اہم شخص بلونت رائے بھٹ گزرا ہے جو ۲۳ رستمبر ۱۹۲۱ء کو بھاونگر گجرات میں گلاب رائے بھٹ کے گھر میں پیدا ہوا، وہ موسیقی کے دلدادہ تھے۔ اُنہوں نے فنِ موسیقی میں زبردست نام کمایا اور اکتیس سال تک بنارس ہندو یونیورسٹی میں مُدرس کے عہدے پر فائز رہے۔ اُنہوں نے وارانسی میں موسیقی کا کلاسنگیت بھارتی نام کا ادارہ قائم کیا۔ ۲۰۱۶ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ علاوہ ازیں بھٹ ذات کے جن قلم کاروں نے کشمیری اور اُردو شاعری، ڈراما، تاریخ وغیرہ میں نام کمایا ہے اُن میں پرکاش رام بھٹ کُرگامی[۳۰]، محمد صدیق بھٹ

۲۹۔ رحیم بخش بھٹ گوجرانوالہ (موجودہ پاکستان) کے کشمیری بھٹ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ۷ فٹ لمبا تھا جبکہ گاما پہلوان ۵ فٹ ۷ انچ قد کا آدمی تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف کی اہلیہ مرحومہ کلثوم نواز گاما کی نواسی لگتی ہیں۔

۳۰۔ پرکاش رام بھٹ کُرگامی دیوسر کولگام میں رہتے تھے۔ رامائن کا کشمیری ترجمہ کرنے کے علاوہ اُنہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔

عرف شمس فقیر (۱۸۳۹ء-۱۹۱۴ء) ۳۱؎ محمد بھٹ گلوان، دردہ پورہ تحصیل بڈگام، احد بھٹ (حیدر پورہ)، محمد بھٹ حیدر پورہ، ستہ رام بھٹ ترال، احمد بھٹ کریمشیر بڈگام ۳۲؎، رمضان بھٹ گنستان ۳۳؎، رحمان بھٹ (۱۸۳۲ء-۱۹۰۳ء) کھریو، غلام رسول بھٹ سولنہ سری نگر، غلام علی بھٹ عرف فارق بڈگامی، نور محمد بھٹ، واہتھورہ چاڈورہ ۳۴؎ اور غلام نبی بھٹ دلسوز عرف دلسوزِ نٹی پورہ سری نگر، الفت کشتواڑی اور شمبو ناتھ بھٹ حلیم خاص طور قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح مغربی ممالک میں رہنے والے بھٹوں نے بھی مختلف شعبوں میں اپنا لوہا منوایا ہے جس میں ائرش قائد اسحاق بھٹ، برطانوی شاعر میگی بھٹ، امریکی فلمساز پیٹر بھٹ، جرمنی کے لسانی ماہر مریم بھٹ اور برطانیہ کے کرکٹ کھلاڑی ہری بھٹ کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

بھٹ شخصیات کے ساتھ ساتھ بعض ایسی بستیاں بھی موجود ہیں جن کے سماجی اور لسانی جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان آبادیوں کو بھٹ ذات کے لوگوں نے ہی آباد کیا ہے۔ ایسی کچھ بستیوں کے متعلق محافظ خانے میں محفوظ ''وجہ تسمیہ'' فائلوں سے اچھی خاصی انفارمیشن دستیاب ہوتی ہے۔ کچھ علاقوں کے نام بھٹ ذات سے منسلک ہیں جن کا حوالہ لوک ادب اور زبانی روایات سے بھی ملتا ہے اور کچھ بستیوں کی روداد گھروں میں پڑے نوشتوں سے اخذ کی گئی ہے۔ جن بستیوں کے ناموں سے بھٹ بنیاد کی بھنک آتی ہے اُن میں بٹہ پورہ، بھٹ نور، بٹہ مرن، بٹہ ون، بٹہ گنڈ، بھٹ محلّہ، بٹہ یار، بٹہ وور، شری بھٹ وغیرہ شامل ہیں۔

مختصراً یہ کہ بھٹ ذات ایک وسیع موضوع ہے جس پر ایک بڑی کتاب لکھنے کی گنجائش موجود ہے۔ کسی ایک مقالے میں اس موضوع کو سمیٹنا انتہائی مشکل کام ہے۔

..................☆☆☆..................

۳۱؎ شمش فقیر کا اصلی نام محمد صدیق بھٹ ہے۔ اُن کا مقبرہ شمس آباد خانصاحب بڈگام میں واقع ہے۔ ہر سال یہاں میلہ لگتا ہے۔
۳۲؎ احمد بھٹ نے مشہور ''رُوسی کٹ'' نظم تخلیق کی ہے جس کا پہلا مصرع ہے۔
۳۳؎ رمضان بھٹ پرسپور جہاں راجہ للتادتیہ کی راجدھانی تھی، سے دو کلومیٹر دور واقع گنستان نامی گاؤں میں رہتے تھے۔
رمضان بھٹ نے ایک مشہور تاریخی مگر لوک ادب پر مبنی نظم ''اکہ نندن'' تحریر کی ہے۔ ''اکہ نندن'' نام کی نظم احد زرگر سمیت تقریباً آٹھ کشمیری شعراء نے لکھی ہے۔
۳۴؎ امد بھٹ ایک بہت بڑے صوفی قلندر گزرے ہیں ان کا آستانہ بٹہ پورہ واتھورہ میں واقع ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔

ٹاک

یہ بات اظہرمن شمس ہے کہ برہمنوں نے غیرآریائی قوموں کی تاریخ کو نہ صرف مافوق الفطری روپ دیا ہے بلکہ کرداروں اور واقعات کو حد سے زیادہ اساطیری لباس بھی پہنایا ہے۔ تاریخ کا پلاٹ اس طرح بُنا گیا ہے کہ پڑھنے والا غیرآریائی قوموں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ ساتھ ہی تاریخ سے غیرآریائی قبائل کے ناموں اور اُن کے مسکنوں کو بھی مسخ شدہ عمل سے گزرنا پڑا۔ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ غیرآریا قوموں، قبائل اور ذاتوں کی تاریخ اس حد تک فرضی اور غیرحقیقی دلائل کے نیچے دب گئی ہے کہ اصل اور من گھڑت میں تمیز کرنا جوئے شیر لانے کے مُترادف ہے۔ اسی گھٹاٹوپ عمل نے ٹاکوں کی تاریخ بھی رونڈ ڈالی ہے۔ اس لئے علم سماجیات یا علم الاقوام عمومی اور ان کا شعبہ گوتر خصوصی طور مورّخوں، محققوں، تجزیہ نگاروں اور نقادوں کے مابین ہمیشہ باعث اختلاف رہا ہے۔

اس بحث سے قطع نظر ٹاک قبیلے کی مندرجہ ذیل لفظی صورتیں ہیں جو برصغیر اور اس کے گردونواح میں عرصہ دراز سے استعمال کی جارہی ہیں:

۱۔ ٹاک (Talk)

۲۔ ٹانک (Tannk)

۳۔ ٹنک (Tank)

۴۔ ٹوانک (Taunk)

لسانی تاریخ اور لسانی ساخت کو مدنظر رکھ کر کسی لفظ کی ایک سے زیادہ صورتیں

معرضِ وجود میں آنا کوئی انہونی بات نہیں بلکہ تاریخی لسانیات کے مطابق زبان کا مسلسل اور دائمی عمل ہے۔ زمانہ قدیم میں شروع ہونے سے پہلے لفظوں کو لکھا نہیں، بولا جاتا تھا کیوں کہ انہیں صفحۂ قرطاس پر اُتارنے کی تکنیک ابھی دریافت نہیں ہوئی تھی۔ جب لفظوں کو ضبطِ تحریر میں لانے کا دور چلا تو تحریر کنندہ کو کئی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس دَور میں جہاں لفظوں کی صحیح صورت ڈھونڈ نکالنا دشوار تھا وہیں کسی لفظ کے بُنیادی حروف کی شناخت کرنا بھی انتہائی مشکل کام تھا۔ اس لئے لفظوں کی کانٹ چھانٹ ناگزیر تھی۔ کے۔ ایم جارج رقمطراز ہیں:

" Certain letters are dropped, some letters are shifted, and stress is sometimes transferred.Occassionally,mutilation takes place in such a manner that the original is beyond recognition." 1

حروف کی اس قطع و برید سے ایک طرف لفظ کا لسانی رشتہ کھنگالنے میں مدد ملتی ہے تو دوسری طرف اس کی جغرافیہ کا تاریخی پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ یہ عمل اگرچہ محقق کے لئے دردِ سر سے کم نہیں لیکن اِسے موضوع کی تہہ تک پہنچنے کی راہ ہموار ہوجاتی ہے جس سے زیر بحث یا ایسے ہی کسی اور موضوع پر مختصر ہی سہی، زیادہ سے زیادہ اطلاعات بہم پہنچانا ممکن بن جاتا ہے۔ تحقیق کی اسی حکمت عملی میں ٹاک لفظ پر چھائی گھٹا دور ہونے کا امکان پوشیدہ ہے۔

ٹاکوں کا شجرۂ نسب

تاریخِ ادب وسماجیات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات طے ہے کہ ٹانک، ٹنک، ٹوانک اور ٹونک کے مقابلے میں ٹاک لفظ زمانۂ قدیم سے زیادہ استعمال ہوتا آیا ہے۔ پُرانوں سمیت تاریخی اہمیت کی جو بھی تحریر دستیاب ہے اُس میں جابجا اشارے ملتے ہیں کہ ٹانک، ٹنک اور ٹوانک، ٹاک لفظ کی بدلی ہوئیں شکلیں ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں بھی قاری مذکورہ لفظیات سے دوچار ہوگا، اُن سے ٹاک مُرادلیا جائے۔

یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ٹاک ٹاکیشلا یا ٹاکشکا سے نکلا ہوا لفظ ہے۔ جبکہ

1. K.M.George 1986,Place Number of Southern India , Trivandrum. P.25

ٹاکیشلا ۔[۲] یا ٹاکشک کو ٹیکسلا کا منبع قرار دیا گیا ہے جو ناگ قبیلے کا دوسرا نام تھا۔[۳] ٹاکشکا کے متعلق ایک مضبوط دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ ناگ قوم کا سب سے طاقتور راجہ تھا جس کو رامائن میں بھرت کا بیٹا مانا گیا ہے۔ وِشنو پُران میں ٹاکشکا کو ستیوی خاندان کے ساتھ نسبت دکھائی گئی ہے جس کا شجرۂ خاندان ''یایتی''[۴] تک جا پہنچتا ہے۔ مزید یہ کہ راجہ ستیوی کی اُنیسوی پیڑھی میں ستونی نام کا ایک راجہ گزرا ہے جس کے چھ بیٹوں میں ایک کا نام ٹاکشک تھا۔ اسی طرح ''مایاشِلیا'' میں ٹاکشک سمیت سات بڑے ناگوں کا تذکرہ ملتا ہے جس میں باسُکی، کارکوٹا، پدم، مہاپدم، سنگھپال اور کُلیکا ناگ شامل تھا[۵]۔ سکند پُران میں ٹاکشک کو مہاپدم کے نام سے پکارا گیا۔

ٹاکشکا ناگ کا تذکرہ سب سے پہلے مہابھارت میں پانڈوراجوں کے مخالفین کی حیثیت سے ہوا ہے۔ اس سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ ٹاکشکا، ناگوں کا قدیم خاندان تھا جس نے قدیم ہند کے بیشتر ناگ راجوں کو جنم دیا ہے۔

ٹاکوں کا مسکن

جب آریا وارِدِ ہند ہوئے تو زرخیز زمین کی تلاش میں اُنہوں نے جنگلوں کو آگ لگا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کیا۔ اس بھیانک آگ کی زد میں جنگل کا وہ حصہ بھی آیا جہاں ناگ قبیلے کا سب سے طاقتور راجہ ٹاکشکا کا محل ''خنداہ ون'' تھا جو کُرکشیتر میں واقع تھا۔ مہابھارت کے مطابق پانڈو راجہ ارجن نے ۹۵۰ ق۔م ''خنداہ ون'' کو خاکستر کردیا اور ٹاکشکا ناگ نے شکست قبول کرتے ہوئے خنداہ ون سے کچھ ہی دور اپنے نام پر ٹاکیشلا نامی شہر کی بنیاد ڈالی[۶]۔ یہ وہی علاقہ تھا جس کو ٹاکیشلا نے بہت پہلے ملکِ ٹاک کے نام سے آباد کیا تھا اور جہاں آج ریاست

۲۔ نیو ورلڈ انسائیکلوپیڈیا، ڈاکٹر احمد حسین دانی، سیف الرحمان ڈار، الیکذنڈر کننگھم، ڈی ڈی کوسمبی اور ڈاکٹر نول ویوگی اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ٹاک لفظ ہر صورت میں ایک انسانی نام ٹاکیشلا سے نکلا ہے جسے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ وہ ٹاکوں کا جدِ امجد تھا۔

۳۔ سنسکرت زبان میں ٹاکیشلا لفظ کے معنی وہ سب کچھ ہے جو ٹاکشک راجہ سے منسوب ہے۔ ٹاک لفظ کی طرح۔

۴۔ یایتی راجہ کو نہوشا کا بیٹا اور پانڈو راجوں کا جدِ امجد مانا جاتا ہے۔ یایتی کے پانچ بھائی، یاتی، سمیاتی، ایاتی، ویاتی اور کرتی تھے۔

5.D.D.Kosombi, 1975, An Introduction to the study of Indian History, Bombay, P.129 6. B.S.Ahloohwalia, 2002,Invasion on the genetic heritage of India, U.S.A,P.81.Tribes of India, P.54-James Fergurson,971,P.95

پنجاب واقع ہے۔ ۷ سِدھو لکھتے ہیں:

" At one time East Punjab was ruled by Tak people and Punjab was called " Takadesh".Their Capital was Taakshashila (Present Texila).8

ٹاکوں اور مُلکِ ٹاک کے بارے میں اگر سِدھو کے مندرجہ بالا حوالے میں کوئی تشنگی باقی رہ گئی ہے تو اس کی تشفی ماہرِ سماجیات نول وِیوگی کے اس اقتباس سے شاید ممکن ہو سکتی ہے:

" Takshaka has been the most ancient seat of Takshak Nag.The ancient name of Punjab,Taka Desh, was named after Takshak or Taka royal family." 9

ٹاک دیش کا تذکرہ سفر ناموں میں بھی ملتا ہے ۔ جب چینی سیاح ہیون سانگ ۶۳۱ء میں ہندوستان پہنچے تو اُنہوں نے پنجاب کو مُلکِ ٹاک کے طور درج کیا۔۱۰ اسی طرح تاریخ سِندھ یعنی چاچ نامہ میں پنجاب کو ٹاک اور اس کی راجدھانی کا نام شاکلا یعنی موجودہ سیالکوٹ لکھا گیا۱۱۔ پی جسوال نے ٹاکوں کی راجدھانی کو ''ٹاکا شہر'' کا نام دیا ہے جبکہ کننگھم اس شہر کو ٹاکی لکھتا ہے۱۲۔ ٹاکا شہر کے متعلق نول ویوگی یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

۷: تاریخ میں پنجاب کو کئی ناموں سے جانا جاتا ہے۔ ویدک دور میں اس خطے کو سپت سِدھواہ (Sapta Sidhva) یعنی پانچ دریاؤں کی زمین کہا جاتا تھا۔ یونانیوں کے دورِ حکومت میں اسے پنٹا پوٹیمیا (Penta Potamia) یعنی پانچ دریا کا ملک کہا کرتے تھے جبکہ مہا بھارت میں اسے مٹکا دیش...... ٹاکوں کا ملک اور کئی اسے ''ساکا دِوپا'' (Sakadvpa) یعنی ملکِ ساکا کہا کرتے تھے۔ ہرش چنتا کے بقول ساتویں صدی عیسوی میں پنجاب کو ہن دیش (Huna desh) نام دیا گیا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب مسلمان ملکِ ٹاک پر قابض ہوئے تو اُنہوں نے اس کا نام ہفت ہند یعنی سات دریا رکھا۔ جب دریا سندھ کابل کے قبضے میں آ گیا اور سرسوتی دریا خشک ہوا ہفت ہند کو پنج ند (پانچ دریا) کا نام دیا گیا ہے۔ جی ایس سِدھو کے بقول یہی پنج ند پہلے پنج آب اور بعد میں پنجاب بن گیا۔ ایک عربی کتبہ میں پنجاب کو فنجاب لکھا گیا ہے۔ کئی نقادوں نے پنجاب کو سنسکرت لفظ ''پنج آنو'' سے منسوب کیا ہے۔ پنجاب لفظ کے متعلق اطلاع ہے کہ اِس کا استعمال سب سے پہلے ۱۲۸۵ء میں امیر خسرو نے بلبن کے بیٹے محمد کے متعلق لکھے گئے مرثیئے میں کیا ہے۔

8.G.S.Siddhu,2004,Punjab and Punjabi, London,P.60.

9.Dr. Naval Viyogi,2002, Nagas:The Ancient Rulers of India, New Delhi, P.34 10. G.S.Sidhu, P.60

۱۱۔ ٹاکوں کی سلطنت پر ارجن کے بعد فارس کے ہنجا مُنشی خاندان سے وابستہ داریوش نے ۵۱۸ ق۔م میں قبضہ کیا اور اسکو فارس کا صوبہ بنایا۔ ہُن حکمران مہرکل نے ۵۱۵ء سے لے کر ۵۴۰ء تک ٹاکوں سے حکومت چھین لی اور خود حکمران بن بیٹھے۔ تاہم بہت جلد ٹاک قوم نے پھر اپنی سلطنت حاصل کی لیکن کچھ ہی مدت بعد یشو دھرمن نے پھر ٹاک حکومت پر قبضہ کیا اور یہ سلسلہ مدتوں تک جاری رہا۔

12.A.CANNINGHAM 1963, Ancient Georgraphy of India, Delhi, P.198

" Takashahar the capital of Takas, which was situated at the bank of river Apaga near Sailkot in the North West of Lahore." 13

جب خنداہ ون آگ کے ڈھیر میں تبدیل ہوا تو ٹاکوں کی بڑی آبادی اپنے گردونواح خاص کر راجستھان، ہماچل پردیش، جودھپور، ناگ پور، گجرات، دلّی، بنگال اور اُڑیسہ کی طرف منتقل ہوگئی جہاں ٹاک لفظ کی مختلف صورتوں نے جنم لیا جن کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے۔

بنگال اور اُڑیسہ میں بودو باش کرنے والے ٹلرک، ٹانک ذات سے مشہور ہو گئے ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ٹانک قبیلے نے اُڑیسہ، میوربنج، سنگھبوم، کھنجم اور بلاسپور ضلعوں پر حکومت کی ہے۔ ان ٹانکوں کو ہندوستان کے چھتیس شاہی خاندانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک انگریز وقائع نگار جیمز ٹاڈ اپنے وقائع (Annals) میں لکھتے ہیں کہ تیرہویں صدی عیسوی میں ٹانک قبیلے کے ہزاروں لوگ اسلام کے دائرے میں آ گئے لیکن اپنی ذات تبدیل کرنے پر وہ راضی نہیں ہوئے۔ اسی طرح ٹانک/ٹنک قبیلے کی ایک خاصی تعداد ہماچل پردیش کے بالائی علاقوں میں رہتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ٹانک یا ٹنک قدیم کھشتریہ ذات کے لوگ تھے جو مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں جس میں ٹانک کھشتریہ، کھشتری، ٹونک، ٹنک، ٹوانک، ٹانک کھتری اور کھشتریہ ٹنک ذات کے لوگ شامل ہیں۔ یہ ذات دونوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک اور ذات ٹوانک...... ٹاک سے نکلی ہے جو ولیم کروک کے بقول راجپوتوں کی ذات ہے جو جودھپور، اُدے پور، ٹوانک، گجرات، دلی، ہریانہ اور پنجاب میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ لوگ ساتویں صدی عیسوی کے آس پاس راجستھان سے ہجرت کر کے گجرات پہنچے تھے۔ ٹانک اور ٹوانک ذات اُن ہندوستانیوں میں عام ہے جنھوں نے اپنا ملک چھوڑ کر برطانیہ، کینیا، یوگنڈا، تنزانیہ اور امریکہ میں رہائش اختیار کیا ہے۔

ٹاکشکا ناگ، اُن کے پوتوں اور پڑپوتوں کے متعلق یہ رائے درست ہے کہ انھوں نے وقفہ وقفہ سے بھارت کے کئی علاقوں پر ۱۰۰۰ ق ۔م سے لے کر تقریباً مغل دور تک سب سے زیادہ مدت ڈھائی ہزار سال تک حکومت کی ہے [14]۔ جس میں ستوھانہ، بھارشواہ، گپتا اور کارکوٹا شاہی

13.Dr.Naval Viyogi,P.197 14. Dr.Naval Viyogi, P.343

خاندانوں کے نام قابل ذکر ہیں۔ ٹاک سلطنت کے بارے میں یہ رائے بھی ہے کہ ہندو پاک اور افغانستان کے علاوہ ٹاکیشلا کی حکومت وسطِ ایشیاء کے تاشقند علاقے تک پھیلی ہوئی تھی بلکہ وثوق سے کہا جاتا ہے کہ اُزبکستان کی راجدھانی تاشقند تاکشا یا تاکشا شیلا سے لیا گیا نام ہے ۱۵۔

جہاں تک کشمیری ٹاکوں کا تعلق ہے، اس حوالے سے وکی پیڈیا کے ''ٹانک'' نامی مضمون میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ٹاک کُشان دور میں وارِدِ کشمیر ہوئے ہیں۔ اگر اس بات کو صحیح مان کر چلیں تو وسطِ ایشیاء کے کھروشتی دستاویزات میں ٹانگ مِل لفظ کا موجود ہونا ثابت کرتا ہے کہ ٹاک وسطِ ایشیاء کے رہنے والے تھے۔ مورّخین اس بات پر متفق ہیں کہ ٹانگ لفظ ٹانک اور ٹاک کے برابر ہے۔ اسی طرح وسطِ ایشیاء میں مل لفظ کو قیمت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ شاید یہی مِل لفظ کشمیر پہنچ کر مول (قیمت) بن گیا ہوگا۔ مگر دوسری طرف پُرانوں، بشمول نیل مت پُران اور راج ترنگنی میں یہ بات جابجا درج ہے کہ ناگ یہاں کے ابتدائی مکین تھے جس میں ٹا کشکا بھی شامل تھا ۱۶۔

تحصیل پانپور کے زیون گاؤں میں ٹا کشکا سے منسوب چشمہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ ٹا کشکا یا تو کشمیر کا پشتنی باشندہ تھا یا کہ اُس نے کشمیر میں عارضی رہائش اختیار کی تھی۔ محققین یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ ناگ قوم کا اصلی وطن کشمیر تھا جہاں سے یہ لوگ گردونواح کے علاقوں تک پھیل گئے تھے یا کئی وجوہات کی بناء پر بھاگ نکلے۔ اسی خیال کے تحت ڈاکٹر شاستری نے ٹا کشکا ناگ کو کشمیر کا باشندہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"....Takshaka, historically the most important of Naga in the Nagas, is said to have had in abode in Kashmir." 17

کم ہی سہی، ٹاک ذات کے لوگ کشمیر میں ہر جگہ موجود ہیں۔ تاہم کشمیر کے جنوب اور

۱۵۔ وکی پیڈیا اور فری اینسائیکلو پیڈیا۔

16.Nilamat Purana,P.41

17.A.P.Banarji Shastri, 1987,The Asura in Indo-Iranian Literature,JBBRS, Vol.III, Cited in K.C.Mishra,1987, Tribes in Mahabharata, New Delhi PP.239-240

شمال میں ان کی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ جموں کے راجوری، بھدرواہ اور ڈوڈہ میں بھی اس ذات کے لوگ نظر آتے ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی میں ٹاکوں نے کئی اہم شخصیات کو جنم دیا ہے جن میں ٹاک زینہ گیری[۱۸] کا نام قابلِ ذکر ہے جو محقق اور شاعر ہونے کے علاوہ ایک سماجی کارکن تھے۔ ناداروں اور یتیموں کی خدمت کے لئے ٹاک زینہ گیری نے ایک جرأت مندانہ قدم اُٹھا کر ۱۹۷۲ء میں جموں وکشمیر یتیم ٹرسٹ کی بُنیاد ڈالی جو آج تک ریاست کا سب سے بڑا فلاحی ادارہ ہے۔

ٹاک نام کی بستیاں

ٹوپونامی ایک ایسا علمی شعبہ ہے جس میں بستیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جے جے اگلی کے بقول آباد اور غیر آباد جگہوں کا مطالعہ کرنے سے قدیم اِنسانوں کی سماجی زندگی، رسم ورواج اور مذہبی طور طریقوں کی تاریخ سامنے آتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

"Where history is silent, place names speak".19

کشمیر میں ایسی کئی بستیوں کے نام سامنے آتے ہیں جو ٹاک کے ہم پلہ یا ٹاک سے ملتے جُلتے ہیں۔ ایسے ناموں میں ٹاکن واری، ٹانکی محلّہ، ٹانکی سرائے، ٹانکی پور (سری نگر) ٹکی پورہ (بڈگام)، ٹکنی پور (کپواڑہ)، ٹوکن اور ٹکن (پلوامہ) اور ٹکی پورہ شوپیان قابلِ ذکر ہیں۔ ان ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی نہ کبھی کشمیر ٹاک قوم کا مرکز ضرور رہا ہوگا۔ اسی طرح برِصغیر کی ٹاکیشلا، ٹاک، ٹاک دیشا، ٹاکا شہر، ٹاکارِکا، ٹاکہار، ٹوانک، روہٹاک اور کُٹاک نام کی بستیاں آج بھی قدیم ٹاکوں کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ٹاک بستیوں کے نام ملک سے باہر بھی پائے جاتے ہیں۔ ملکِ ایران کے صوبہ سمنان میں ٹاک ایک گاؤں کا نام ہے۔ ایران کے خوزستان صوبہ میں ''ٹاک سوفلہ'' اور ''ٹاکِ اولیہ'' نام کی دو بستیاں ہیں۔ افغانستان میں ایک ریاست کو ٹکھار کہا جاتا ہے جبکہ تھائی لینڈ میں ایک قصبہ، ضلع اور ایک صوبہ ٹاک نام سے مشہور ہے۔ تھائی لینڈ کی ٹاک بستیاں آج سے دو ہزار سال پہلے آباد ہوئیں تھیں۔ ایک اور شہر بین ٹاک کو جمادیوی نے ۶۶۳ء کو تعمیر کیا۔[۲۰]

۱۸۔ اصلی نام عبدالخالق ٹاک ۱۹رمئی ۱۹۲۴ء میں علاقہ زینہ گیر کے ہردشو گاؤں میں تولد ہوئے اور ۲۴رجولائی ۱۹۸۹ء کو اِسی دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کا مزار گوپال پورہ، واتھورہ چاڈورہ میں واقع ہے۔ اُن کا خاندان یہیں بودوباش کر رہا ہے۔

19.Ramaswami Aingar,L.V.,1929-30,Dravidian Place Names in the platau of Persia, QJMS,vol.xx, varanasi,p.58 20. Tak Province,Wikipedia

ممکن ہے کہ ''خنداہ ون'' جل جانے یا ٹاکیشلا شہر پر دار یوش، سکندرِ اعظم، مہرگُل یا یشودھرن کی یلغار اور تباہی نے ٹاکوں کی کسی جماعت کو ملکِ ٹاک چھوڑنے پر مجبور کیا ہو جو بھاگ کر تھائی لینڈ اور وسط ایشیاء گئے ہوں جہاں اُنہوں نے ٹاک بستیاں قائم کی ہوں۔

ٹاک یونیورسٹی

تاکشاشیلا کے مقام پر ٹاکوں نے آج سے ۲۷۰۰ سال پہلے ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کی تھی جسے ٹکشیلا یونیورسٹی کہا جاتا تھا۔ جہاں حصولِ تعلیم کے لئے اطراف و اکناف سے طلباء آتے تھے۔ یونیورسٹی میں تقریباً ۶۴ مضامین پڑھائے جاتے تھے جن میں وید، گرامر، فلسفہ، ایوروید، زراعت، حکمت، سیاست، موسیقی، ناچ، رقص وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یونیورسٹی سے جو قابلِ قدر اور اعلیٰ پایۂ کے لوگ تعلیم حاصل کر کے نکلے تھے اُن میں شری چانکیہ قابلِ ذکر ہیں جو سیاسیات، اقتصادیات، سراغ رسانی، نظامِ حکومت، حرب وضرب اور معالجہ جیسے شعبوں میں لاثانی تھے۔ ماہر زبان وگرامر پانِنی اور حکیم نبض شری جِوک جومہاتما بُدھ کے گھریلو ڈاکٹر تھے، تاکشاشیلا یونیورسٹی کے قابلِ قدر طلبا تھے۔ یہ یونیورسٹی راولپنڈی کے مقام پر واقع تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ تاکشاشیلا یا ٹکیشلا یونیورسٹی پانچویں صدی ق۔م میں قائم کی گئی تھی [۲۱]۔ ۱۹۸۰ء میں اس جگہ کو یونسکو نے عالمی میراث کے طور منتخب کیا ہے۔

ٹاک سکے

ٹاک سِکوں کو مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔ جیسے ٹاکا، ٹکہ اور ٹانکا۔ ان سکوں کو نہ صرف اُن راجوں اور مہاراجوں نے رائج کیا تھا جو ٹاک خاندان سے کسی نہ کسی طرح وابستہ تھے بلکہ اُن بادشاہوں اور حکمرانوں نے بھی، جو دستیاب شواہد کے مطابق نہ بالواسطہ اور نہ بلاواسطہ ٹاک خاندان سے کوئی تعلق رکھتے تھے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ٹاک سکے سب سے پہلے مسلمان حکمرانوں نے جاری کئے تھے تاہم اس کی کوئی شہادت دستیاب نہیں ہوئی ہے اور برصغیر میں مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہونے سے سینکڑوں سال پہلے ہی ٹاک سکے مُرّوج تھے چندر شیکھر گپتا لکھتے ہیں:

21. Dr. Naval Viyogi, P.343

" In a period of third century AD many hoards of Taka coins have been recovered from Chota Nagpur region,which were introduced by the Taka Nagas of North-West".22

لسانی اور سماجیات کے ماہرین دعویٰ کرتے ہیں کہ چھوٹا ناگپور سے ٹاک ذات کے لوگوں کی ایک جماعت ڈھاکہ پہنچی تھی جہاں اُنہوں نے سلطنت قائم کر کے اپنا سکہ جاری کیا تھا۔[۲۳]

تواریخی لسانیات کو ذہن نشین کر کے زبان دانوں کی رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ ڈھاکہ،ٹا کا لفظ کی پالی[۲۴] صورت ہے۔ بنگلہ دیش کی کرنسی آج بھی ٹکہ نام سے ہی جانی جاتی ہے۔

مسلمان حکمرانوں میں محمود غزنوی ، علاؤ الدین خلجی اور جلال الدین اکبر نے ٹکہ نام کے سکے جاری کئے تھے۔[۲۵] جب ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ آ گیا تو اُنہوں نے بھی ٹاک سکے جاری کئے[۲۶]۔ جنہیں ٹانکا بھی کہا جاتا تھا اور ٹکہ بھی۔ روا کے راجہ مالیہ سمہا نے **۱۱۹۳ء** میں جبکہ کشمیر کے راجہ انت نے اس سے پہلے **۱۰۵۰ء** کے آس پاس ٹانکا نام کا سکہ جاری کیا[۲۷]۔ کشمیر میں آج بھی بہت سے لوگ ٹکہ نام سے پُکارے جاتے ہیں جو اُن کی ذات نہیں ہے[۲۸]۔ اگر اُدھار دینے اور لینے والے کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے تو مؤخر الذکر جذبات میں آ کر کہتا ہے کہ ''اب میں ایک ٹکہ بھی نہیں دوں گا۔'' اسی طرح کشمیری سماج میں یہ بھی مشہور ہے کہ کنڈ یکٹر، ڈرائیور کو اور ڈرائیور مالک کو ٹانکا مارتا ہے۔ غرض ٹکہ کی صدائے بازگشت کسی نہ کسی موقع پر آج بھی کشمیری قوم میں سنائی دیتی ہے۔

۲۲۔ وکی پیڈیا اور فری اینسائیکلو پیڈیا۔

23.Nilamat Purana. P.41

۲۴۔ دیکھو صفحہ ۳۲ کی ریفرس نمبر ۲۶ ۲۵۔ دیکھو صفحہ ۳۳ کی ریفرنس نمبر ۲۷

26. Chandra Shekhar Gupta, 1978, "Foreign Denomination of early Indian Coins," Visheshwaram and Indological Journal, vol.16, Part.1-2, P.92

27. Dr.Naval Viyogi, P.157

۲۸۔ دیکھو صفحہ ۳۳ پر ریفرنس ۳۰

ٹاکوں کی زبان

پُرانوں اور لسانی تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ ٹاک قوم کی اپنی علاحدہ زبان تھی جسے ٹاکی کہتے تھے[۲۹]۔ کئی موقعوں پر اسے ٹاکا اور ڈھاکہ سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ ان تکراری لفظیات کا مرّوج ہونا کوئی غیر فطری عمل نہیں بلکہ یہ ایک مسلسل لسانی تغیر کا حصہ ہے جو تاریخی لسانیات کے شعبہ سے تعلق رکھتا ہے جس کی رُو سے تا (Ta) دھ (Dha) لفظ معرضِ وجود میں آ گیا ہے[۳۰]۔ جو بہر حال ٹاکی یا ٹاکا سے مشتق ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس صورتِ حال سے پریشان نہ ہوں بلکہ جہاں کہیں بھی اُنہیں ڈھاکی، ٹاکا یا ٹکا لفظ سے واسطہ پڑے، اُسے ٹاکی زبان مراد لیں۔ ڈھاکی کے متعلق اطلاع ہے کہ یہ زبان موجودہ ڈھاکہ شہر اور اس کے گرد ونواح میں بولی جاتی تھی۔ شاید اسی لئے پسچل نے اس کو مشرقی بنگال کی زبان قرار دیا ہے[۳۱]۔ جسے بہ آسانی یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ مشرقی بنگال یعنی موجودہ بنگلا دیش میں زمانہ قدیم سے ٹاک ذات کے لوگ بود و باش کرتے تھے۔

ٹاک قبیلے کے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ اُنہوں نے ٹاکی زبان کے لئے ناگری رسم الخط اپنایا تھا جو افغانستان سے لے کر اُتر پردیش کی سرحدوں تک استعمال کیا جاتا ہے، جسے یہ لوگ ٹکاری یا ٹاکری کہتے تھے۔ اس رسم الخط میں کشمیر اور کانگڑہ سے درجنوں سکے دریافت ہوئے ہیں۔[۳۲]

ٹاکی زبان کے نمونے سب سے پہلے شدرک نامی قلمکار نے سنسکرت میں لکھے گئے ڈرامے ''مرچکا ٹکا'' میں درج کئے ہیں[۳۳]۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ ٹاکری رسم الخط کی خاصیت راج ترنگنی میں بھی محفوظ ہے[۳۴]۔ جہاں اس بولی کو ٹکی لکھا گیا ہے۔ ٹکی بولی ملکِ ٹکا

29.Dr. Naval Viyogi, P.15

30.M.A.ehendale,"Takki or Dhakki",Bulletion of the Decan College Research Institute, vol.I 1939-40, P.192

31. Dr. Naval Viyogi, P.156 32.M.A.Mehendale, PP.189-191

33.Dr. Naval Viyogi, P.151 34.Ibid, P.156

میں بولی جاتی تھی ۔اس زبان کو زیادہ ترٹکی یا ٹکا نام کا شاہی خاندان اور اُن کے ماتحت لوگ بولتے تھے ۔ٹکا زبان کا منبع پشاچی کے درد خاندان کو مانا جاتا ہے[35]۔کئی محققین اس زبان کا تعلق سنسکرت اور شورسینی کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں[36]۔

بُدھ مذہب کی تری پٹیکا (Tripitaka) کو ایک ایسی زبان میں تحریر کیا گیا تھا جو ٹکیشلا یا تکیشلا یونیورسٹی میں بولی جاتی تھی جسے تکشالی کہا جاتا تھا۔[37] بعض مورخین نے تکشالی کے بدلے پشاچی استعمال کیا ہے۔تکشالی کو پراکرت، پالی اور مگدھی کی ماں ٹھہرایا گیا ہے۔

ٹاکری زبان کے حروفِ تہجی براہمی سے مشابہت رکھتے ہیں اور اُن کا نسبی رشتہ شاردا، لُنڈا اور گُرمکھی سے ملتا ہے ۔کہا جاتا ہے کہ یہ حروف دیواسیسہ سے نکلے ہیں ۔سولہویں صدی عیسوی میں ٹاکری حروف نے اپنی انفرادی شناخت قائم کی جبکہ سترہویں صدی میں ٹاکری کو شمال اور شمال مشرقی ہندوستان میں سرکاری رسم الخط کی حیثیت حاصل ہوئی۔اس کی ایک شکل ریاست چھمبا میں سرکاری طور استعمال ہوتی تھی جو آج کل ہماچل پردیش کا حصہ ہے۔اس رسم الخط میں چھمبیلی لکھی جاتی تھی ۔اسی زمانے میں ٹاکری کی ایک اور شکل جسے ڈوگرا اکھہار کہا جاتا تھا جس سے ڈوگری لکھنے کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ یہ رسم الخط سرکاری طور ۱۸۶۰ء میں لاگو ہوا اور ۱۹۴۴ء میں اس کی جگہ دیوناگری نے لے لی۔ٹاکری کو ڈاک ٹکٹوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ٹاکری ٹانکا سے مشتق ہے ۔کئی ماہرین اسے ٹاکا سے منسوب کرتے ہیں ۔جب سے ٹاکری رسم الخط متروک ہوا ہے تب سے جموں کشمیر اور ہماچل کی سرکار اور یہاں کے ادیب اس کی بحالی کے لئے زبردست کوشاں ہیں تاکہ اسے ڈوگری، کشتواڑی اور کُلوی زبانوں کے لئے استعمال کیا جائے۔

ماحصل

ٹاک قوم کے اس مضمون کا نچوڑ پیش کرنے سے پہلے یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ لوگ

35. Ibid , P,156

36. Ibid , P.156

37. Ibid , P.156

نہایت طاقت ور تھے اور جنگی مہارت سے بھی آشنا تھے۔ خوبصورت عمارتیں، اعلیٰ طرز تعمیر کے مندر، محلات، باندھ اور پُشتے بنانے میں ٹاک یکتا تھے۔ فنِ تعمیر میں اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر ٹاکوں کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اسی لئے اُن کو ''کاریگر'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

جہاں تک زیرِ نظر مقالہ کا تعلق ہے اس کا لبِ لُباب یہ ہے کہ تاکشکا نام کا راجہ ٹاکوں کا جدِ امجد تھا جس نے ملکِ ٹاک میں ٹاکشکا نام کا شہر تعمیر کیا تھا۔ جہاں اُس نے ۲۷۰۰ سال پہلے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ ٹاک قبیلے کے لوگ ملکِ ٹاک کے علاوہ راجستھان ہماچل پردیش، گجرات، ناگپور، اُدھے پور، ہریانہ اور کشمیر میں بودوباش کرتے تھے۔ ٹاکوں سے منسوب کئی بستیاں ملکِ ہند اور ملک سے باہر آج بھی اُن کی یادیں تازہ کرتی ہیں۔



خان

تاریخ قلمبند کرنا ایک نہایت کٹھن کام ہے۔ چاہے تاریخ کسی لفظ کی ہی کیوں نہ ہو۔ جملے میں جتنے لفظ ہوں، ہر ایک کی تاریخ جُداگانہ ہوتی ہے۔ تاریخ ایک تجربہ گاہ سے کم نہیں جو آگے جا کر آئینے کا کام کرتی ہے۔ شاید یہی بات ذہن میں رکھ کر مغربی دانشوروں نے کہاں کہ
"History is the Laboratory of Political Science"1

تاریخ رقم کرنا آج کے دور میں اور بھی مشکل ہے جب ہر چیز کو سائنسی بنیاد پر پرکھنے کا دور چل پڑا ہے۔ من گھڑت واقعات وخیالات، بے جا نکتہ چینی اور خود پسند تنقیدی رویہّ ضبطِ تحریر میں لا کر ایسے ہوا دینے کا زمانہ کب کا پایۂ تکمیل ختم ہو چکا ہے۔ کسی بھی انقلاب، واقعہ اور تاریخی شخصیات کے رول کو زمان ومکان اور وقت کے تناظر میں پرکھنا تحقیق وتنقید اور تاریخ کا لازمی جُز بن چکا ہے، چہ جائیکہ اس سے قومی اور فرقہ پسندی کی تسکین ہو یا نہ ہو۔ لیکن اصولوں کی اس شہراہ پر چلنا آج بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

خان لفظ کی تاریخ کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اس لفظ کے ذاد وبُوم اور تاریخ پر قلم اُٹھانا بچوں کا کھیل نہیں بلکہ ایک پیچیدہ کام ہے۔ مشکلات میں اُس وقت اضافہ ہوتا ہے جب ذیانبی، ذیانگنو، دنوبی، روران، بلغاری، ہُن، ہان، تاتار، تارتر، منگول، مغل، گورگان، خاقان، خاغان،

۱۔ محمد صالح خان اطہر ۲۰۰۹ء تاریخ میوٗ مہر، ہریانہ، ص ۴۳۔

خاگان، خانخاناں اور ایسے ہی درجنوں الفاظ کو تاریخ خان کا ماخذ گردانا جاتا ہے جس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ ان لفظیات سے خان کا کوئی تعلق ضرور ہے۔ گوکہ مذکورہ لفظوں کی تاریخ جانے بغیر خان کا زادو بوم جاننا ناممکن ہے۔ جوں توں کر کے تاریخ کے بارے میں تھوڑی سی واقفیت حاصل کرنا اگر چہ آسان ہے لیکن خان لفظ کے معنی مختلف زبانوں میں اس کی موجودگی اور اس کا پھیلاؤ، سیاسی وسماجی تاریخ اور کشمیر میں اس لفظ کا استعمال ہونا، ایسے ذیلی موضوعات ہیں جن پر بات کئے بغیر حقیقت سے واقف ہونا کارِ دارد والا معاملہ ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جب تک مذکورہ بالا لفظیات سے کم و بیش ہی سہی جمی گرد و غبار کو صاف کرنے کی کوشش نہ کی جائے اصل صورت حال سے واقف ہونا کلیتاً ممکن نہیں ہے۔ اس لئے خان لفظ پر براہ راست قلم اُٹھانے سے پہلے مذکورہ بالا لفظوں خاص کر ذیا نبی (Xianbi) ذیانگنو (Xiongnu)، دنوبی (Donubi)، روران (Rouran) اوار (Avar)، ہُن (Hun)، تاتار (Tatar)، تارتر (Tartar) اور منگول (Mangol) جیسے الفاظ کا جائزہ لینا از حد ضروری ہے۔ تب جا کے خان لفظ کی گتھی سلجھنے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

ذیانگنو (Xiongnu)

ذیانگنو درجنوں خانہ بدوش جنگجو قبائل کی کثیر آبادی تھی جن کا مسکن منگولیا کے شمال میں صحرائے گوبی کے نواح میں واقع تھا۔[2] بعض محقق ذیانگنو قوم کو منگولیا کے باشندے گردانتے ہیں اور کئی مورخ اور تجزیہ نگاروں نے اُنہیں مشرقی ایشیاء کے رہنے والے ٹھہرایا ہے۔ یہ بھی دلیل دی جارہی ہے کہ ذیانگنو قبائل اصل میں منگولیا کی ہری بھری وادیوں خاص کر کھونی گول میں سکونت کرتے تھے۔[3] ان آراء میں موخر الذکر رائے میں اوّل الذکر آراً کے مقابلے میں زیادہ وزن دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ منگولیا کی ان وادیوں خاص کر وادیٔ کھونی گول میں ذیانگنو قوم کی ڈھائی ہزار سال قدیم قبریں آج بھی اپنی داستان خود بیان کرتی ہیں۔[4]

2.Bregel, Yuri, 2003, A Historical Atlas of Central Asia: Handbook of Oriental Studies, Part 8, Leiden, P.33
3.Ma-Liqing, 2005, The Origin of the Xiongnu: An Archaeological Exploration of Xiongnu's History and Culture, Hohhot, P.143
4-Ibid, PP.143-144

ذیانگنُو کی زبان ینسیان (Yeniseian) نام سے مشہور تھی جو زبانوں کا ایک بڑا خاندان تھا۔اس زبان کے چند قدیم الفاظ ڈھائی تین ہزار سال گزرنے کے باوجود آج بھی استعمال میں ہیں جن میں چنگلی (Chengli) یا تنگری یعنی جنت، وِلُدو (Woluduo)، اوتو (Aoto) یا اوردو (Ordu) یعنی خیمہ محل/ شاہی خیمہ (Place-Tent) قابل ذکر ہیں۔[6] اگر متن میں درج کئے گئے۔ولودو (Woluduo) لفظ کو تاریخی لسانیات کے اصولوں کے مطابق پرکھا جائے، جہاں "ل" (L) حرف کو "ر" (R) حرف میں تبدیل ہونے کا لسانی نظام موجود ہے تو ولودو لفظ یقیناً ورودو (Woruduo) میں بدل گیا ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ اس لفظ میں اور بھی تبدیلی آئی ہوگی جو تاریخی لسانیات میں بالکل ممکن ہے۔اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ لفظ "اردو" کا جنم اسی ''ولوڈو'' لفظ سے ہوا ہوگا۔ یہ بھی اندازہ ہے ''ورودو'' کے ساتھ جو دوسرا لفظ اُوردو'' (Ordu) ہے، یہی '' اردو'' کا ماخذ ہو۔ بہر حال حقیقت جو بھی ہو، مزید تحقیق کئے بغیر مذکورہ لفظ پر کوئی حتمی رائے قائم کرنا '' دلی ہنوز دوراست'' کے مصداق ہے۔

ذیانگنُو قبائل کے ایک مشہور قبیلہ دار تومین نے اپنے ہم خیال لوگوں کی مدد سے اور منہ زور قبیلوں کو بزورِ شمشیر زیر کر کے ۲۰۹ ق۔م میں ایک وسیع سلطنت کی بنیاد ڈالی جس میں درجنوں حکمرانوں نے ۹۱ء تک حکومت کی۔کرسٹوفراٹووڈ رقمطراز ہے؛

"As the first great nomadic empire, the Xionguno rulled Mongolia from 209 B.C.E to H.C.E and established manyof the classic steppe Institution."[7]

ستم ظریفی یہ کہ بہت کم عرصہ میں منگول حکمران تومین کو اپنے بیٹے مودو چنیو (Modu Chanyu)[8] نے قتل کرنے کے بعد درجنوں قبائل خاص کر دنگھو، خرو، لوپھن، ہنوو، وانگ، ہنیا، ذِنگلے، لونن، وسن وغیرہ پر غلبہ حاصل کر کے نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔موڈو چنیو کے متعلق تاثر

6-Christopher, P. AtWood, 2004, Encyclopedia of Mongolia and the Mongal Empire, Blomington, PP.595-596

7-Ibid, PP,595-597

8۔موڈو چنیو ۲۳۴ ق۔م میں پیدا ہوا اور ۱۷۴ ق۔م میں فوت ہوا۔ یہ ذیانگنو خاندان کا چوتھا حکمران تھا اور سلطنت ذیانگنو کا بانی۔ ۲۰۹ ق۔م میں اپنے باپ تومان کو پھانسی پر لٹکایا اور حکومت سنبھالی۔موڈو باپ کے دورِ حکومت میں فوجی سربراہ تھا۔تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے کئی قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بڑی سلطنت منگولیا کے میدانوں، پہاڑوں اور وادیوں میں قائم کی۔

ہے کہ اُس نے اپنے سرکاری عہدہ داروں اور اہم شخصیات کی عزت افزائی کے لئے خان جیسا لفظ بطور خطاب مقرر کیا تھا۔

جتنا ممکن ہوا، راقم نے ایسے بیشتر نوشتوں کو چھان مارا لیکن ایسا کوئی لفظ نظروں سے نہیں گزرا جو خان سے مماثلت رکھتا یا خان کا مترادف ہو۔ البتہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جونہی ذیانگنو قبائل کی حکومت ختم ہوئی اور اقتدار پہلی صدی عیسوی میں ذیانبی قبیلے کے ہاتھوں میں آ گیا تو خان لفظ جو پہلے سے ہی منگول زبانوں میں مروج تھا، سرکاری ایوانوں تک پہنچ گیا۔[9]

ذیانبی (Xianbi)

ذیانبی ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا جس کی موجودگی چھ سوق۔م سے ملتی ہے۔ سینکڑوں برس تک جنگ وجدل میں مصروف رہنے کے بعد ذیانبی قبائل نے ۹۳ء کے آس پاس منگولیا اور اس کے گردونواح میں ایک بڑی سلطنت قائم کی جو کئی ریاستوں پر مشتمل تھی جن میں موجودہ منگولیا، اندرون منگولیا، شمالی ژنگجا نگ، شمالی مشرقی چین، گانسو، بریاتیہ، توہ اور مشرقی قزاقستان وغیرہ شامل تھے۔

یہ سلطنت دوسو چونتیس (234) عیسوی تک قائم تھی۔ اس قبیلے کے مفصل حالات دستیاب نہیں تاہم اتنا طے ہے کہ یہ لوگ ڈونگھو قبیلے کی زریت تھے جن کا نسبی رشتہ قدیم منگولوں سے جاملتا ہے۔[10] ذیانبی قبیلے نے بیشتر خانہ بدوش قبائل کو اقتدار میں شراکت دار بنا کر خاں ریاست یا خان راج، جسے انگریزوں نے بعد میں خانیٹ (Khanate) کا نام دیا، کی بنیاد ڈالی۔ کارل آگسٹ لکھتے ہیں:

> "They were the first to develop the Khanate system, in which formation of social Classes deepened, and developments also occured in the literature, art and culture"[11]

دورِ آغاز میں خان لفظ کو چھوٹے چھوٹے قبائل کے اداروں کی سربراہی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ خان کے دائرے میں اور بھی ادارے آتے گئے۔ یہاں تک کہ ''تصور خان راج'' یا

9-Christopher , P. Atwood, 2004, Encyclopedia of Mangolia and the Mongal Empire, Blamington, PP.302-303.

10-Chen, Sanping, "A-Gan Revisited-The Tuoba's Cultural and Political Heritage", Journal of Asian History, Vol.30, No.1, 1999, PP.46-78.

11.Wittfogel, Karl August and Chia-Sheng Feng, 1949, History of Chinese Society :Liao, 907-1125, New York, P.1

''تصور خان ریاست'' کی آڑ میں بعض قبائل نے دور دراز علاقوں میں از خود حکومتیں قائم کیں جن میں دنوبی حکام کی قائم کردہ حکومت سب سے مشہور تھی۔ سرکار مخالف ان حرکات کا سد باب کرنے کے لئے وقت کی منگول حکومت نے خان ریاستوں کو باج گزاری کے عوض خود مختاری دے دی۔ ایسی ریاستوں میں ذیانبی، روران اور اوار قابل ذکر اور اوّل درجہ رکھتی تھیں۔ کرسٹوفر رقمطراز ہے:

"The earliest steppe people known to use the title Khan, were the Xianbi and their descendants, the Rouran and the Avars...:"[12]

روران (Rouran)

روران چوتھی صدی عیسوی میں منگولیا کا طاقتور صحرائی قبیلہ مانا جاتا تھا جنہوں نے پانچویں صدی شروع ہوتے ہی دشت منگولیا سے لے کر کوریا اور سائبیریا تک کے علاقوں کو زیر کر کے ایک عظیم الشان حکومت قائم کی[13] جو سلطنتِ خانیت روران یعنی خانوں کی سلطنت، کے نام سے مشہور ہوئی۔

منگول (Mongol)

منگول ایک بہت بڑا خانہ بدوش قبیلہ تھا جس میں ذیلی قبائل کی سینکڑوں شاخیں شامل تھیں جو یوریشیا[14] کے کھلے اور وسیع سبزہ زاروں میں بودو باش کرتے تھے۔ منگول قبائل اقتدار، حکمرانی یا یوں کہیئے دبدبے کی خاطر کسی نہ کسی قبیلے سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ منگول زیادہ تر شکار، گھڑ سوار اور تیر اندازی میں انتہائی درجے کے ماہر تھے۔ منگولوں کا ہر قبیلہ ایک دوسرے پر سبقت لینے کی طاق میں رہتا تھا، لیکن عرصہ دراز تک کسی خاص قبیلے کو باقی منگول قبائل پر دسترس حاصل نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ چنگیز خان کا دور آ پہنچا۔ جب اُس نے دشت منگول میں رہنے والے بیشتر قبائل کو اپنے ماتحت کر کے سب سے وسیع اور طاقتور سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کے باعث منگول قبائل اُسے چنگیز خان نہیں بلکہ خاقان کہنا پسند کرتے تھے۔ ہرولڈ لیمب لکھتے ہیں:

12-Christopher, P-Atwood, 2004, Encyclopedia of Mongolia and the Mongal Empire, Indiana University, Bloomington, P.202

13. Ibid, PP.418-480

14۔ میدان یوریشیاء تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ مربع کلومیٹر پر پھیلا علاقہ ہے جو دنیا کی کُل زمین کا 36.2% ہے جس میں ۵ بلین لوگ جو دنیا کی کل آبادی کا 7% ہے، بودو باش کرتے ہیں۔ یوریشیا میں سوا لاکھ سال سے بودو باش کے آثار ملتے ہیں۔ یوریشیا میں جو ممالک شامل ہیں ان میں چین، ہندوستان، انڈونیشیا، روس، جاپان، ویت نام، ایران، جرمنی، ترکی، برطانیہ، فرانس، اٹلی، کوریا، یوکرین، عراق، عرب، یمن، شام، سنٹرل ایشیا، یونان منگولیا اور آرمینہ سمیت ۱۰۳ ممالک ہیں۔

''......یورپین مورّخوں کے نزدیک چنگیز خان مغلوں کا شہنشاہ تھا لیکن چنگیز خان کی رعایا اس کو خاقان یعنی'' خانِ اعظم'' مطلب تمام دنیا کا خان سمجھتی تھی۔ چنگیز خان کا نام زبان پر لانا بے ادبی سمجھا جاتا تھا......مغلوں کی طرف سے جو تحریریں یورپ آئیں،ان میں کاتبوں نے خاقان کے نام اس طرح لکھے،(۱) جگہ خالی چھوڑ کر(۲) زمین پر خدا کا نائب (۳) عالم کا فرمانروا اور (۴) کل نوعِ بشر کا شہنشاہ۔تاہم مُغل لفظ کہیں استعمال نہیں کیا گیا"۔[15]

چنگیز خان نے خاقان یعنی''شہنشاہِ اعظم'' بننے کے بعد اپنے بیٹوں چغتائی خان ،اُکتائی خان،تولے خان اور جوچے خان کو اپنی سلطنت کے بیشتر حصوں پر حکومت کرنے کے لئے مامور کیا جو خان کہلاتے تھے۔چنگیز خان کے فوت ہونے کے بعد یہ سبھی شہزادے یکے بعد دیگرے حکومت سنبھالتے ہی خان سے'' خاقان''بن گئے۔[16]

ہیرلڈ لیمب کے مطابق منگول قبائل کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی[17] جو سب کے سب وحشی اور خود پسند تھے۔ان قبائل کو قابو میں رکھنے کے لئے جہاں بھی ضروری ہوا منگول خاقانوں نے خانوں کی حکومت قائم کی تاکہ خاقانیت پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔خیال قوی ہے کہ اگر ۱۲۴۱ء میں چنگیز کے جانشین اوغدائی خان فوت نہ ہوئے ہوتے تو مغرب (یورپ) کے سبھی مما لک منگولوں کے تیز رفتار گھوڑوں کی جولانگاہ بننے سے محفوظ نہ رہتے۔[18] کیونکہ منگولوں نے تیرہویں صدی عیسویں میں جس برق رفتاری سے دشت منگولیا از سرحد چین تا بحیرۂ روم کے خطوں کو پلک جھپکنے میں روندڈالا،اُس کی مثال تاریخ میں ملنا محال ہے۔مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

15۔ہیرولڈ لیمب ،۲۰۱۲ء،تا مرلین،دی ارتھ شیکر،مترجم ،محمد عنایت اللہ دہلی ،ص،۳۷۹۔

16۔چنگیز خان کے بیٹے کا بیٹا قبلے خان جب خان سے خاقان بن گیا تو درجنوں آوارہ اور ظالم قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بہت بڑی سلطنت قائم کی۔قبلے خان نے باپ کی قائم کردہ راجدھانی قراقرم سے بیجنگ پہنچائی۔بعد ازان چنگیز کا پڑپوتا ہلاکو خان وسطِ ایشیاء،مشرق وسطیٰ ،بغداد کی عباسی خلافت وغیرہ حکومتوں کو تہس نہس کرتا ہے۔اُس نے فارس میں خانوں کا دوسرا خانوادہ قائم کیا جوچے خان کے فرزند بتو خان نے روس پر قبضہ کیا جو گولڈن ہارڈ کہلایا۔اس کے بعد حکومت اُس کے بھائی بیریک خان کے ہاتھوں میں آگئی جو شامانیت سے مسلمان ہوا۔

17۔ہیرلڈ لیمب ،۲۰۱۴ء تاتاریوں کی یلغار،مترجم عزیز احمد،نئی دہلی ،ص،۵۰

18۔ہیرلڈ لیمب ،۲۰۱۴ء دیباچہ،تاتاریوں کی یلغار،مترجم ،عزیز احمد،نئی دہلی ،ص،۷

''تیرھویں صدی میں تاتاریوں کی ترکتازی، ایشیا اور یورپ کی تاریخ کا نہایت ہی اہم اور حد درجہ الم انگیز واقعہ ہے۔ اُنہوں نے اپنی کوہستانی اور صحرائی پناہ گاہوں سے نکلتے ہی بحرالکاہل سے اینٹارٹک تک، ہر خطہ پامال کر ڈالا۔ ایک طرف چین، ترکستان، افغانستان، ایران، عراق، شام اور قفقاز کو تہس نہس کیا۔ دوسری طرف روس، پولینڈ، مشرقی یوریشیا، ہنگری وغیرہ میں بربادی پھیلائی۔ وہ جہاں گئے تہذیب و تمدن کی تمام یادگاریں جلا ڈالیں۔''[19]

جب خاندانِ چنگیز کی سلطنت میں نفاق پیدا ہوا تو طوائف الملوکی نے سر اٹھایا اور چھوٹے چھوٹے قبیلے باہم رزم و پیکار میں مصروف ہو گئے۔ آناً فاناً منگول قبائل کے برلاس قبیلے کا ایک خونخوار قائد تیمور پیدا ہوا جس نے حکمت عملی کے تحت پہلے چنگیز خان کی حکومت مضبوط بنانے کے بعد امیر کا لقب اختیار کیا۔ تیمور نے ایک اور حکمت سے کام لے کر ترکی سے برصغیر کی بعض اہم دارالحکومتوں میں ایسے اشخاص کو شاہ شطرنج یعنی ''خان'' بنا کر بٹھایا جو کسی نہ کسی طرح چنگیز خان کی نسل سے تھے۔ بعد ازاں جب چغتائی خان کی زریت سے تعلق رکھنے والے ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں منگول/مُغل سلطنت کی بنیاد ڈالی تو خان لفظ جو پہلے ہی وارِدِ ہند ہوا تھا، بالکل عام ہو گیا۔

ان اطلاعات سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ ذیانگنو، ذیانبی، اوار وغیرہ جنگجو وحشی قبائل منگولوں سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے ''خان'' لفظ کو جابجا متعارف کرایا۔ اسی طرح ہُن، تاتار، مغل اور ایسے ہی درجنوں قبائل بالواسطہ یا بلاواسطہ طور منگولوں کے قدیم یا جدید قبائل کی زریت سے تھے۔ اُن میں سے جس قبیلے کو حکمرانی کے دوران جہاں بھی موقعہ ملا، سلطنت کو ''خاقان'' یا اسے ملتے جلتے الفاظ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سربراہان کو ''خان'' نام سے موسوم کیا۔ بعض اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ جو بھی حکومت خاقان کے ماتحت ہوئی، خان کہلائی۔

19۔ مذکورہ، ص، ۷

''خان'' کے معنی ومطلب

خان لفظ دنیا کی بیشتر زبانوں میں موجود ہے جس میں التائی [20]، منڈاری [21] اور ہندیورپی [22] اور ہندایرانی [23] لسانی خاندان قابل ذکر ہیں۔ان سبھی زبانوں میں خان لفظ کا چلن عرصہ دراز سے جاری ہے۔مندرجہ بالا متن سے بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ خان لفظ کے معنی و مطلب جاننے کے لئے سب سے پہلے مذکورہ لسانی خاندانوں کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے۔ تب جا کے خان لفظ کے معنیاتی تار کا سراغ مل سکتا ہے۔دشتِ منگولیا وصحرائے گوبی اور وسط ایشیاء کے صحراؤں اور اس کے گردونواح میں رہنے والوں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ منگول وتُرک زبانوں میں خان لفظ کو بادشاہ،شہنشاہ اور خودمختار کے معنی دیئے گئے ہیں [24] ''منگول سلطنت کی تاریخی ڈکشنری''میں بھی خان لفظ کا یہی معنی درج ہوا ہے۔[25] اور یہی معنی مفہوم ان سبھی زبانوں میں منتقل ہوئے ہیں جن کا رشتہ منڈاری،التائی،ہندیورپی اور ہندایرانی لسانی خاندانوں سے جا ملتا ہے۔زمانہ گزرتا گیا اور ان لسانی خاندانوں سے وابستہ زبانوں میں خان لفظ کے ساتھ خاص کر تیرہویں صدی کے بعد مزید معنی جڑ گئے جن میں قائد،سپاہ سالار،کمانڈر،حکمران،سربراہ اور ذی عزت جیسے معنی قابلِ ذکر ہیں۔ڈکشنری آف امریکن فیملیز میں خان لفظ کا معنی رئیس،سردار،ملٹری رولر،آفیسر اور اہم شخصیت بھی ٹھہرا ہے۔[26] برصغیر کی بات کریں تو خان لفظ کے لئے زیادہ تر موخرالذکر معنی مرّوج رہے ہیں۔

20۔التائی لسانی خاندان تُرکی،منگول اور تنگس زبانوں پر مشتمل ہے۔بعض ماہرین لسانیات جاپانی اور کوریائی زبانوں کو التائی کی شاخیں گردانتے ہیں۔ موخرالذکر زبانیں ''میکرو التائی'' نام سے بھی مشہور ہیں۔التائی لسانی خاندان ایک وسیع علاقے میں مروج ہے جو مشرقی یورپ،وسط ایشیا سے ہوتے ہوئے انتولیہ،پھر کوریا اور جاپان تک پھیلا ہوا ہے۔اس خاندان کی منگول اور ترک زبان میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔

21-منڈاری لسانی خاندان میں درجنوں زبانیں شامل ہیں جو زیادہ تر چین میں بولی جاتی ہیں۔جہاں70% آبادی منڈاری زبانیں بولنے والوں کی ہے۔

22۔ہندیورپی لسانی خاندان میں تقریباً ۴۴۵ زندہ زبانیں ہیں جن میں ۳۱۳ ہندایرانی لسانی شاخ سے منسلک ہیں۔سپینی،انگریزی،یونانی،جرمن،فرانسسی، پُرتگالی اور روسی زبانیں ہندیورپی خاندان کی اہم شاخیں ہیں۔

23۔ہندایرانی کی تین شاخیں ہیں۔ایک وہ جو ہندوستان میں،دوسری وہ جو ایران اور اس کے گردونواح اور تیسری وہ جو نورستان میں بولی جاتی ہے۔ہندوستانی شاخ میں اردو/ ہندی،بنگالی،پنجابی،مراٹھی،گجراتی،بوجپوری،اودھی،میتھالی،اُڑیائی،مارواڑی،سندھی،اسامی،راجستھانی،چھتیس گڑی،سنہالی،نیپالی،رنگپوری وغیرہ شامل ہیں۔جبکہ ایرانی شاخ میں ۹۰ زبانیں قابل ذکر ہیں جس میں فارسی،بلوچی،کردی اور پشتو کو سب سے بڑا گروہ مانا جاتا ہے۔نورستانی شاخ مشرقی افغانستانی اور پاکستان کے خیبر پختونخواہ صوبے کے ضلع چترال کے کچھ حصول میں بولی جاتی ہے۔نورستانی زبانوں کو بولنے والوں کی تعداد تقریباً ۳۱ لاکھ ہے۔بعض ماہرین لسانیات ان زبانوں کو دردی کی ذیلی شاخ سے تعبیر کرتے ہیں۔

24.Christopher, P. Atwood, 2004, Encyclopedia of Mongolia and the Mongol Empire, Indiana University,Bloomington,P.302

25.D.Buell,2003,Historical Dictionary of the Mongol World Empire, Oxford,P.220

26.Dictionary of American Familiy Names,2013,Oxord Univerisity Press,P,103

یہ بات بھی سچ ہے کہ خان لفظ کو قدیم وجدید تاریخ میں، چاہے وہ منگول، چین، ترک، افغانستان یا یورپ کی ہو، خطاب اور اعزاز کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ خان ہر لسانی خاندان کی چھوٹی بڑی زبان میں اسی معنی کے ساتھ موجود ہے، اگر چہ وہ آسٹرک، دراوڑ یا دردزبان ہی کیوں نہ ہو۔

خان کے اور بھی کئی معنی ہیں۔ تُرکی زبان میں خان کو سرائے (Inn)، کاروان سرائے اور خان سرائے کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔[27] ممالک وسطِ ایشاء میں بھی خان کو کاروان سرائے کے معنی دیئے گئے۔[28] جبکہ فارسی میں اسی لفظ کے معنی سرائے اور مکان بھی ٹھہرے ہیں[29] اور شاید یہی معنی کشمیری سماج کے عظیم رفارمر، زمانہ شناس شاعر حضرتِ شیخ العالم کے اس شعر میں ٹھاٹھیں مارتا نظر آرہا ہے۔ جیسے

خانن ہندین یمن روبہِ خانن جانانن دیان اپاڑی گڑھ
سوندرِ وچھمکھ ہُر وکھناوان ژمرو ستن ڈُوان لڑھ
تتہ مالہ ڈینٹھم کپس بوان نصرِ مئے وُچھ ژ وُچھنہ گڑھ[30]

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیری قوم تقریباً سات سو سال پہلے بھی خان لفظ سے آشنا تھی۔

خان لفظ کی صورتیں

عالمی ادب کے بعض نوشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ساختی اعتبار سے خان لفظ کی کئی صورتیں ہیں جن کا استعمال چین، منگولیا، وسطِ ایشیاء، برصغیر اور بعض یورپی ملکوں میں تقریباً ڈھائی ہزار سال سے ہو رہا ہے۔[31] مثلاً

۱۔خان ۲۔خاقان ۳۔کیان

۱۔خان: ایام پارینہ میں صحرائے منگولیا اور اس کے گرد ونواح میں خان لفظ، کن (Qan) اور کان (Qaan) کی شکل میں موجود تھا۔[32] قدیم ترک نوشتوں میں بھی کن، کان اور کاغان

27.A Random House Kernerman Webster's College Dictionary, 2010, P.195.
28.Ibid,P.195
29.Ibid,P.195

30۔کلیات شیخ العالم ۱۹۷۹ء مرتب۔موتی لال ساقی، کلچرل اکیڈیمی سرینگر، B، ص ۹۳۔

31.W.B.Henning,"A Farewell to the Khagan of the Aq-Aqataran Bulltion of the School of ORIENTAL and African Studies", University of London,Vol,14,No.3, 1952,PP.501-522

32.American Heritage Dictionary of the English Language,2011. USA,P.212

جیسے الفاظ جا بہ جا درج کئے گئے ہیں۔ نیز تُرک قدیم کے رونک اور اویگور رسم الخط میں کاغہان خطاب جبکہ کن یا کان آزاد یا بادشاہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[33] چنگیز خان کے سکوں جو ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے دریافت کئے ہیں، پر کان لفظ ہی کندہ ہے۔ دانش نامہ آزاد پر دستیاب تفصیلات کے مطابق تُرک زبانوں میں بھی خان لفظ کو کان اور خان پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً

''کلمہ خان کہ در بیشت زبان ھائی تُرکی بصورت کان وخان تلفظ می شود''[34]

دورِ وسط کی انگریزی زبان میں خان کا مترادف کان (Caan) اور کہاں (Chan) جیسی ساختی صورت مروج تھی۔[35] خیال کیا جاتا ہے کہ موخر الذکر الفاظ فرانسیسی زبان کے کان (Kaan) سے کافی قربت رکھتے ہیں[36] تاریخ گواہ ہے کہ بعد کے ادوار میں خان کے حروف میں/ 8 'ھ' کا اضافہ ہوا جو خھان/ کھان صورت کو جنم دیتا ہے۔ تاہم یہ لہجہ فارسی رسم الخط والی زبانوں میں عام نہ ہو سکا۔ لیکن انگریزی خان Kan کو Khan بنانے میں اہم تبدیلی واقع ہوئی۔ اسی طرح آذری زبان میں خان کے بجاے سان جرمنی، ڈنمارک، سویڈن اور اسرائیل میں ہاہن، سسلی میں کن اور کان، منچو میں ہن، فارسی، پنجابی، اردو، بلوچی، بنگالی، سندھی، مراٹھی، پشتو اور کشمیری وغیرہ زبانوں میں خان لفظ مروج ہے۔

خاقان: خاقان اصل میں کاغان یا خھاغہان ہے جو ترک زبان کا لفظ اور خاقان اس کی عربی صورت ہے۔ ان سبھی لفظوں یعنی کاغان، خاقان اور خھاغہان کو خان کا مترادف ٹھہرایا گیا۔ خاقان لفظ کو خاص طور سے چنگیز خان کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ یہ لفظ زیادہ تر قراقرم کے وسیع پہاڑی علاقے میں مروج رہا ہے۔ پروفیسر براون لکھتے ہیں:

> "The Word is, I believed, Mongol, and is identified with the alternatve form of Qaan and Khan and is identical with the alternative form of Qaán and Khan".[37]

کاغان، خھاغہان، خاغان یا خاقان ہو، ان سبھی لفظوں کو خانِ اعظم یا شہنشاہ معنی دیئے گئے تھے۔ لیکن

33.Christopher, P.Atwood,2004,Encyclopedia of Mongolia and the Mongol Empire,Blomington,P.302

۳۴۔از ویکی پیڈیا، دانش نامہ آزاد۔

35.American Heritage Dictionary of the English Language,2011,USA, P. 211

36.Ibid

37.A History of Persia.Vol.I,P-03.

خاقان لفظ کو پھر بھی سب سے زیادہ موزون سمجھا گیا ہے اگر چہ چنگیز خان نے اس اصطلاح کو استعمال نہ کیا لیکن بعد کے منگول یا مغل حکمرانوں میں اس کا خاص چلن رہا۔[38] کاغان سے عام طور ذات کا معنی لیا جاتا ہے جو بالخصوص روس میں رائج ہے۔مثلاً۔

"Kagan is a surname,primarily a Russian-Jewish Surname..."[39]

بعض ماہرین ساختیات کے بقول کاغہان ساخت بھی روس اور اس کے گرد ونواح میں مروج ہے۔ یہاں کے بہت سے لوگ مذکورہ لفظ میں موجود ایچ (H) کو بیان نہیں کر پاتے۔اس کے بدلے وہ جی حرف کا سہارا لیتے ہیں مثلاً وہ ہوم (Home) کو گوم (Goom) لکھتے اور پڑھتے بھی ہیں۔کئی لوگ اس نظریہ سے متاثر ہوکر خہاغان کو عبرانی لفظ کوہن (Cohen) سے برآمد شدہ گردانتے ہیں۔[40] آج بھی روسی نژاد اسرائیلی اپنے نام کے ساتھ کوہن ،کہان اور خان جوڑ دیتے ہیں۔[41] خاقان ،کاغان یا اس کی باقی ساختی شکلیں ابتدائے زمانہ سے ایک ساتھ محوسفر رہی ہیں لیکن گیارہویں صدی عیسوی میں محمود کاشغری کی ڈکشنری میں ان سبھی لفظوں کے مقابلے میں خان لفظ کو اہمیت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔[42]

کیان: ۔کیان لفظ کا معنی "خدائے محسن قدیم ہے۔آئیری اور عبرانی میں کیان کو'' کی اون'' لکھتے ہیں۔ایران کی قدیم کتابوں خاص کر یشت اوستا،خدائی نامک اور دین کرت کے مطابق'' کھے''(Kay) کیان (Kayan) یا کیانی (Kyani) ایرانی بادشاہوں کا ایک بہت ہی پُرانا خاندان تھا جس نے پیشداتی خاندان کے بعد اور مشہور شاہی خاندان ہنجامنشیوں سے پہلے قدیم فارس پر حکومت کی ہے۔کیانی بادشاہ ،زرُتشت کی مقدس کتاب اوستا اور شاہ نامہ کے قومی ہیرو رہے ہیں۔[43] اس خاندان کے مشہور بادشاہوں میں کیومرث،ہوشنگ،کیخسرو،کیقباد، کیقاوس،جام اسپ ،لوہراسپ ،گوشتاسپ ،کےبھمن ،کے داراب اور کے دارا وغیرہ قابل ذکر تھے۔[44] کہکیان ِکیان لفظ استعمال ہونے کی شہادت چین اور وسطِ ایشیائی ممالک سے بھی ملتی ہے۔

38۔ہیرلڈیم،۲۰۱۴ء،تاتاریوں کی یلغار۔مترجم۔عزیز احمد،دہلی،ص،۳۹۲۔

39.Wikipedia/Kagan Surname.org

40.Khagan Encyclopedia Iranica,Online Edition,2017.

41.Ibid

42.Christopher, P.Atwood,2004,Encyclopedia of Mongolia and the Mongal Empire,Blomington,PP.320

43.Gersheritch,Ilya,1959,The Avestan Hymn,Cambridge University Press,PP.185-186.

44.Dhalla, Maneckji,1922,Zoroastrain Civilization,NewYork PP. 36-37.

قدیم منگول زبانوں میں خان کے بجائے کہان مروج تھا۔

تاریخِ خان

تاریخ خان ایک پر پیچ اور وسیع موضوع ہے۔خان لفظ براعظم ایشیاء اور براعظم یورپ کے مشترکہ لفظی خزانے سے تعلق رکھتا ہے جس کی مختلف تاویلیں کی گئیں ہیں۔خان اصل میں خُن (Khun) ہے جو بذات خود ہُن (Hun) سے مشتق ہے۔ دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ ہُن اصل میں ذیانگنُو قبیلے کا دوسرا نام تھا۔[45] وکی پیڈیا تنظیم اور فری انسائیکلو پیڈیا کے مطابق خان کا استعمال سب سے پہلے تاریخ کوریا کے سِلا خاندان میں اُس وقت ہوا جب سِلا حکمرانوں نے بعض ریاستوں کو ایک ہی جھنڈے تلے مُتحد کیا تھا۔ تاہم کوریا کے جنوب میں واقع جو چھوٹے چھوٹے راجہ حکومت کرتے تھے، کو خان کے بدلے حان (Han) یا غان (Gan) کہا جاتا تھا۔خان منگولیا، چین، بیلا روس، کوہ قاف کے پہاڑی علاقوں اور وسط ایشیاء کے بعض ملکوں میں رہنے والے چھوٹے چھوٹے قبائل کے سرداروں کو کہا جاتا تھا جنہوں نے زمانۂ قدیم میں کئی حکومتیں اور ایک طاقتور فوج قائم کی تھی جس سے چین اور وسطہ ایشیا سمیت عالم کے بڑے بڑے حکمران خوف زدہ ہوگئے۔طاقت پاتے ہی ان منگول حکمرانوں نے اپنے لئے ''باتور'' کا خطاب مقرر کیا تھا۔[46]

سینکڑوں سال گزرنے کے بعد ''باتور'' کی جگہ نویان (Noyan) اور کان (Qan) جیسے لفظوں نے لے لی۔[47] موخرالذکر لفظ یعنی کان کو انگریزی میں خان (Khan) سے یاد کیا جاتا تھا۔قدیمی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ خان قدیم لفظوں کان اور کاغان سے ماخوذ ہے۔[48] ان اشاروں سے ثابت ہے کہ خان خطاب صحرائے منگولیا میں عرصہ دراز سے جاری تھا اور اس کا پھیلاؤ مختلف ممالک میں مختلف ایام میں ہوا ہے۔ رائے زنی کی جارہی ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں خان خطاب کو ''آوارا'' قبائل نے تُرکی اور یورپی ممالک تک پہنچایا۔[49] ایک رائے یہ بھی ہے کہ خان نام کی اصطلاح گولڈن ہورڈ کی حکومت میں یورپ پہنچی تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ

45.Christopher, P. Atwood, 2004, Encyclopeia of Mongolia and the Mongole Empire, Indiana Univeristy Bloomington, P.594

46.Urgunge Onon, 2001, The Secret History of the Mongols, London, P.2

47.Ibid, P2

48.Christophor, P.Atwood, PP, 302-303

49.Mumtaz, Ali, Tajddin, S. Ali, Origin and meaning of the Term Aga Khan, PP3-4, C.F.www.isomallianet/source/mumtaz/original.pdf.

خان لفظ کا زیادہ چرچا، استعمال اور پھیلاؤ چنگیز خان کے دورِ حکومت میں ہوا ہے۔ خان لفظ کے استعمال اور پھیلاؤ میں جو کمی رہ گئی تھی وہ قُبلے، چغتائی اور تیمور سمیت چنگیز خان کے پوتوں اور پڑپوتوں نے پوری کردی۔ یورپ، وسطِ ایشیائی ممالک، ایران، افغانستان اور ہندوستان تک خان لفظ کو پہنچانے میں خاندانِ غلاماں اور خاص طور پر چنگیز خان کی ذریت نے براہ راست کلیدی رول ادا کیا ہے۔ مُلک ایران میں خان لفظ بہت عرصہ پہلے پہنچا تھا اور آہستہ آہستہ اس لفظ نے مُلک کے نشیب وفراز میں اپنی جگہ بنالی۔ ایک مغربی تجزیہ نگار جان ملکولم لکھتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے اوائل تک ایران کے اطراف واکناف میں خان لفظ کا بھرپور استعمال ہورہا تھا، خصوصاً شہر تہران میں یہ لفظ ذات کے بطور سب سے زیادہ مروج تھا۔

ایران کے بعض حکمرانوں نے خان لفظ کو بطور خطاب استعمال کیا ہے۔ شمال مشرقی ایران میں اس خطاب کا خاص طور چلن تھا۔ ایران کے صفوی خاندان میں خان صوبہ کے گورنر کو کہا جاتا تھا۔ پندرہویں صدی میں جب شاہ اسماعیل صفوی نے ایران کی حکومت سنبھالی تو انہیں خاقان سکندر کا خطاب دیا گیا۔ ہندوستان کی بات کریں تو یہاں بارہویں صدی عیسوی سے کچھ پہلے جب برصغیر پر خاندانِ غلاماں کی حکومت تھی، خان لفظ کے نقوش ملنے لگتے ہیں۔ ہندوستان میں خان لفظ کا اولین تذکرہ ۱۲۳۲ء کے ایک کتبہ میں ملتا ہے جو دکن حیدرآباد سے دریافت ہوا ہے۔ 50 ملک ہند میں پہلے پہل خان خطاب ایران اور افغان نژاد ذی عزت لوگوں کو دیا جاتا تھا اور بعد میں یہ لفظ اُس سپہ سالار کے لئے استعمال ہونے لگا جو دس ہزار فوجیوں کی کمانڈ کرتا ہو۔ جب چغتائی خان کی ذریت یعنی ظہیرالدین بابر وغیرہ نے ہندوستان میں منگول سلطنت قائم کی تو خان ذات بالکل عام ہوگئی۔ وکی پیڈیا کے مطابق:۔

> "The Khan title was taken by a large segment of muslims of the Afghan extraction and other Muslims of the Indian Subcontinent including those who converted to Islam from Hindusim.۔ 51

خان خطاب کے حوالے سے ایک اور اسکالر ایس مکرجی "بنگالی سرنیمز" میں لکھتے ہیں

50.V.S Bendrey, 1944, A study of Muslim inscriptions, Poona, PP. 94-95
51.Wikipedia Organization

"This indicated a class nobility whether of Hindus or Muslims. The Muslim rulers of Gaud or old Bengal awarded this title to Hindu Generals in the Army". 52

ان آرا سے عندیہ ملتا ہے کہ برصغیر میں خان دونوں یعنی ذات اور اعزاز کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دور میں جو ہندو برہمن سرکاری کام کاج میں ہاتھ بٹاتے تھے، انہیں خان بطور خطاب دیا جاتا تھا جنہوں نے بعد میں اسی خطاب کو بطور ذات اپنایا۔ یہ اصطلاح افغانستان ،شمالی ہندوستان بشمول موجودہ پاکستان کے علاقوں تک پھیل گئی جہاں وسطِ ایشیا سمیت اس لفظ نے خطاب کے بجائے ذات کی جگہ لے لی۔ 53

مُغل حکمرانوں کے بعد خان خطاب کا چلن افغان دور میں بھی جاری رہا۔ انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں خان کے ساتھ ساتھ خان بہادر ، (مسلمانوں) اور رائے بہادر (ہندوؤں) کا خطاب مقرر کیا۔ خان نامی خطاب مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور بودھوں کو بھی دیا جاتا تھا۔ افغانستان میں خان کو خطاب کے مقابلے میں زیادہ تر ذات کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں کی طاقتور اکثریتی قوم پشتون کے متعلق قطعی رائے ہے کہ یہ سفید ہُن (White Hun) قبائل کی زریت تھی۔ اس لفظ یعنی ہن کے متعلق پہلے ہی کہا گیا ہے کہ خُن (Khun) سے مُشتق ہے۔ ماہرین کا غالب گمان ہے کہ اسی لفظ سے خان (Khan) معرضِ وجود میں آیا ہے۔ ایک اور تھیوری کے مطابق خان بنیادی طور عبرانی کوہن (Cohen) سے نکلا ہے جو تادمِ تحریر تحقیق طلب ہے۔ افغانوں کے ہزارہ قبیلے کی شکل وصورت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نسبتاً ترک /منگول جنگجو تھے۔ وہ اپنے قبیلے سے باہر شادی نہیں کرتے تھے۔ 54 خان ذات بنگلا دیش میں بھی پائی جاتی ہے اس ذات کو اپنانے کا رواج زیادہ تر چکما قبائل میں تھا لیکن اب سننے میں آیا ہے کہ اس قبیلے نے خان خطاب کو ترک کر دیا ہے۔

کشمیر میں خان

کشمیر میں خان لفظ کی تاریخ تا ایں دم پردہ اخفا میں ہے۔ تاہم حضرت شیخ العالمؒ کے

52.S.Mookerjee, 1959,Bengalee Surnames,Vol.6.No.3,P.82,Calcutta.
53-Chisholm,Huga)ed.(,1911"Khan",Encyclopedia Britanica,Vol-51,Cambridge Univeristy Press)P.77)

54۔ یہاں کے ہزارہ قبیلے کے متعلق مشہور ہے کہ وہ چنگیزی فوج کی زریت سے ہے اور فارسی بولتے ہیں۔

ایک شعر سے عند یہ ملتا ہے کہ چودہویں صدی کے آغاز میں کشمیر کے لوگ خان لفظ سے نا آشنا نہیں تھے بلکہ ان لوگوں کو اس لفظ سے بخوبی شناسائی تھی۔ مثلاً

خانن ہندین روبہ خانن جانانن دپان اپاُرِ گرٛھ [55]

مطلب صاف ہے کہ خان ذات سے وابستہ لوگوں کے پاس چودھویں صدی کے آخر میں بڑے بڑے محل تھے۔ اس شعر کے مفہوم سے قطع نظر مذکورہ شعر میں خان لفظ سے شہادت ملتی ہے کہ یہ لفظ اسلام وارِدِ ہند ہونے سے بہت پہلے وارد کشمیر ہوا ہوگا اور ذوالقدر خان عرف ذلچو کے کشمیر پر حملہ سے یہ لفظ عام لوگوں کی یاداشت کا لازمی حصہ بنا ہو۔ پھر بھی اس موضوع پر مزید تحقیق کئے بغیر کوئی حتمی رائے قائم کرنا قبل از وقت ہوگا۔

اِس بحث سے واضح ہے کہ خان اصل میں کوئی ذات نہیں بلکہ ایک نوعیت کا خطاب تھا جو زمانہ قدیم سے لے کر پچھلی صدی کے اوائل تک کے راجے اور مہاراجہ باصلاحیت لوگوں کو دیتے آئے ہیں۔ منگولیا، چین، جاپان، ترکی، یورپ، وسطِ ایشیا اور برصغیر میں جو لوگ خان کہلائے یا جن لوگوں کو خان خطاب سے نوازا گیا، وہ سپاہ گری میں ماہر تھے۔ ان میں جنگی صلاحیت تھی۔ کسی بڑے سرکاری عہدے پر فائز رہے یا وہ وقت کے رئیسوں میں شمار ہوتے تھے کسی اور خوبی کی وجہ سے دربار یا شاہی دربار سے منسلک رہے وغیرہ وغیرہ۔

خان ذات کے حوالے سے جب کشمیر کی بات کریں تو صورت وسط ایشیا اور برصغیر کے دوسرے علاقوں سے مختلف نہیں ہے۔ کشمیر میں جو لوگ خان کہلائے وہ برصغیر کے خانوں کی طرح دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جو باہر سے آکر آباد ہوئے یا آباد کئے گئے اور یہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور بعد میں کشمیر کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ اس زمرے کے لوگ خاص طور سے مغل، افغان اور سکھ دور میں وارد کشمیر ہوئے۔ خانوں کا دوسرا گروہ وہ ہے جو مقامی ہے۔ یہ لوگ خان خطاب حاصل کرنے سے پہلے یا تو وانی، لون، ماگرے، تانترے، نائیک، ڈار یا بھٹ وغیرہ ذاتوں سے منسلک رہے ہیں۔ وجہ یہ کہ یہی وہ لوگ ہیں جو یا تو جنگی صلاحیتوں اور سپاہ گری میں ممتاز رہے ہیں یا بڑے زمیندار، رعب وادب والے لوگ تھے۔ جو خان دیگر ممالک خاص کر افغانستان سے آکر کشمیر وادی،

55۔ کلیات شیخ العالم، مرتب۔ موتی لال ساقی۔

وادئ چناب و پیر پنچال میں بسے یا بسائے گئے، ان کی بُنیادی ذات کیا تھی، ابھی تک معلوم نہیں ہوا ہے تاہم ان خانوں کے سماجی و سیاسی مطالعے سے سرسری طور پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے واقعی کشمیر کے تینوں خطوں کو دل و جان سے اپنا وطن قبول کرلیا۔ برصغیر کی طرح کشمیر کے مسلمانوں اور ہندو دونوں خان کو بطور ذات استعمال کرتے آئے ہیں۔ ہندو لوگ یا زیادہ بہتر لفظ کشمیری پنڈت جو خان بطور ذات استعمال کر رہے ہیں، کئی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں تاہم اننت ناگ اور پلوامہ میں ان کے رہنے کی مُصدقہ اطلاعات ہیں۔ مثلاً:

''خان کشمیری پنڈتوں کی بھی ذات ہے۔ ہمارے علاقے میں وہ ہال نامی گاؤں جو پلوامہ اور شوپیان کے درمیان میں واقع ہے، رہتے تھے وہ اب جموں میں کپڑوں کی کسی تجارت میں مصروف ہیں۔ علاوہ ازیں اس ذات کے کشمیری پنڈت اننت ناگ میں بھی رہتے تھے۔''[56]

بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ خان صرف مسلمانوں کی ذات ہے جو دردست مقالے کے گزشتہ صفحات میں دیئے گئے حوالہ جات سے بالکل واضح ہے کہ خان بلا مذہب وملت اور رنگ و نسل دنیا کے ہر خطے میں بطور ذات استعمال ہوا ہے جس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھلنی چاہئیں جو خان ذات کو صرف مسلمانوں کی ذات گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک غیر مسلم خان ہو ہی نہیں سکتا۔ حقیقت میں ذات نہ مسلمان ہے اور نہ ہی غیر مسلم۔ ڈاکٹر سیتا کام پُو خان لکھتے ہیں[57] کہ خان لفظ میں اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ اس لفظ کو مسلمانوں میں اس لئے متعارف کیا گیا تھا کہ وہ زمان و مکاں کے ماحول سے اپنے آپ کو علاحدہ نہ سمجھیں۔ اس لفظ کے ساتھ ایک خاص قسم کا کھنچاؤ دکھائی دے رہا تھا جس کی وجہ سے دنیا کے اکثر ملکوں سے بلا مذہب وملت و ذات عام لوگ بھی اس لفظ کو اپنانے لگے یا اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

56۔ یہ معلومات کشمیری زبان کے شاعر اور قلم کار رتن لال جوہر نے مورخہ ۱۵، جولائی ۲۰۱۸ء کو بذریعہ ای میل راقم کے نام ارسال کی تھیں۔

57.Web page of Dr.Satyakam Paukan

کشمیر میں خانوں کی آبادی

خان ذات کے لوگ جموں وکشمیر کے ہر خطے میں موجود ہیں۔ وادیٔ کشمیر، وادیٔ چناب اور پیر پنچال وادی کے ہر علاقے میں خانوں کی آبادی ہے۔ اس حوالے سے اگر چہ مفصل تفصیلات دستیاب نہیں لیکن چند اعداد وشمار کے مطابق کئی بستیوں میں رہنے والے خانوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:۔

نام بستی	نام تحصیل وضلع	تعداد گھرانہ خان	نام بستی	نام تحصیل وضلع	تعداد گھرانہ خان
ترال	ترال پلوامہ	۴۰ گھرانے	باغ مہتاب	چھانہ پورہ سرینگر	۲۰ گھرانے
بھٹ نور	ترال پلوامہ	۳۰ گھرانے	حضرت بل	حضرت بل سرینگر	۳۰ گھرانے
منڈرُ	ترال پلوامہ	۱۰ گھرانے	گلاب باغ	حضرت بل سرینگر	۴۰ گھرانے
مڈرُ[58]	ترال پلوامہ	۳۰ گھرانے	چھانہ پورہ	سری نگر	۶۵ گھرانے
سوگام[59]	چاڈورہ بڈگام	۲۳ گھرانے	راولپورہ	چھانہ پورہ سیرنگر	۵۰ گھرانے
مرلرم چندوسہ	واگورہ بارہمولہ	۵۰ گھرانے	بڈگام	بڈگام	۱۷ گھرانے
پچہ ہار	بارہمولہ	۳۰ گھرانے	خان پورہ	بڈگام	۱۵ گھرانے
چندوسہ	بارہمولہ	۲۰ گھرانے	برزلہ	سری نگر	۲۰ گھرانے
شملرن	بارہمولہ	۶۰ گھرانے	نگین	حضرت بل سرینگر	۱۵ گھرانے
کانٹہ باغ	بارہمولہ	۲۰ گھرانے	کھمر	حضرت بل سرینگر	۱۰ گھرانے
پلہالن	پٹن بارہمولہ	۶۵ گھرانے	شالیمار	سری نگر	۳۰ گھرانے
دیوباغ	کنزر بارہمولہ	۱۵ گھرانے			

اگر چہ تمام بستیوں میں خانوں کے اعداد وشمار دستیاب نہیں لیکن ریاست کے ہر ضلع میں خانوں کی اچھی خاصی آبادی موجود ہونے کی اطلاع ضرور ہے۔ سرینگر کے زالڈگر، نواب بازار، سیّد منصور، کرن نگر، صفا کدل، نور باغ، بٹہ مالو، سونہ وار، مہارج بازار، گاؤ کدل، گدود باغ، آلوچی باغ، نٹی پورہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ الٰہی باغ، احمد نگر، کوکر باغ، نوشہرہ اور زڈی بل کے گردونواح میں خان کافی تعداد میں رہتے ہیں۔ پونچھ، راجوری، کشتواڑ، بھدرواہ اور ڈوڈہ میں بھی خان ذات کے لوگ آباد ہیں۔

58۔ایک غیر رسمی ملاقات کے دوران ان باتوں کا اظہار گلاب باغ ترال کے منظور احمد رڑرے ولد بشیر احمد نے مورخہ ۲۲ مئی ۲۰۱۸ء راقم کے ساتھ بمقام حیات پورہ کیا۔

59۔ یہ معلومات بلال احمد ماگرے ولد خالق ماگرے ساکنہ بادی پورہ حال حیات پورہ نے ۵ جون ۲۰۱۸ء کو فراہم کیں۔

اہم شخصیات

برصغیر میں خان ذات کے کئی مشہور اشخاص گزرنے ہیں جنہوں نے ملک، قوم اور سماج کے لئے کافی کام کئے ہیں۔ جنگ وجدل، ملک گیری، حکومت، سیاست، مذہب، تعلیم وادب اور طب میں خانوں نے نا قابل فراموش کارنامے انجام دیئے ہیں۔ سرسید احمد خان، سر حمید اللہ خان، حکیم اجمل خان، خان عبدالغفار خان، اسداللہ خان غالب، فیض احمد فیض، لسہ خان فدا وغیرہ وغیرہ ایسی شخصیات گزری ہیں جنہیں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ ایک مشہور اور کہنہ مشق قلم کار جناب شہزادہ بسمل بھی خانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو افسانہ اور کالم نویسی میں ایک نام ہیں[60] اس کے علاوہ سینکڑوں ایسے نام ہیں جو کسی نہ کسی شعبے میں یکتائے روزگار رہے ہیں لیکن مقالے کی طوالت کی وجہ سے سب کا نام لینا ممکن نہیں ہے۔

پیشہ

پیشہ کے لحاظ سے خان ذات کے لوگ عام کشمیریوں سے مختلف نہیں۔ کاشت کاری، باغبانی، مختلف قسم کی تجارت اور سرکاری اور پرائیویٹ نوکری بھی کرتے ہیں۔ خانوں کے پاس حد سے زیادہ زمین تھی لیکن "لینڈ ٹوٹلر" نامی قانون کی وجہ سے انہیں بیشتر زمین سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس ذات میں تعلیم حاصل کرنے کا کافی اچھا رجحان ہے۔ یہ لوگ ذات پات کے زیادہ فائل نہیں ہیں۔

ماحصل

خان بہت پُرانا لفظ ہے۔ اس کی عمر تقریباً ۲۷۰۰ (ستائیس سو) سال ہے۔ یہ لفظ جاپان، چین اور خاص طور سے دشتِ منگولیا میں پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ درون و بیرون منگولیا میں بچپن کے دن گُزارے۔ رفتہ رفتہ جوان ہوکر گردونواح کے آباد وغیر آباد بستیوں میں اثر پذیر ہوئی۔
خانوں کا دورِ شباب اس قدر خونخوار تھا کہ ان کی ذُریت نے مغربی ممالک، وسطِ ایشیاء اور

60: شہزادہ بسمل اس وقت فکشن رائٹرس گلڈ کے روح رواں ہیں۔

برصغیر کے طول وعرض میں اپنا سکہ جما دیا۔اس وقت پورے عالم میں بہت کم ایسے علاقے ہوں گے، جہاں خان ذات کے لوگ یا خان لفظ موجود نہ ہوخان کا تجزیہ کرنے سے ثابت ہُوا ہے کہ یہ لفظ دنیا کے بیشتر لسانی خاندانوں میں موجود ہے جس کے معنی دنیا کی زبانوں میں یکسانیت کے ساتھ رائج ہیں۔لغات اور قدیم نوشتوں کے مطابق خان بادشاہ، امیر، حکمران، رئیس، فوجی آفیسر، سربراہ، عزت والا وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

............☆☆☆............

ڈار

واضح رہے کہ ''ڈار'' ذات اورنسب کے متعلق آج تک کوئی باضابطہ طور تحقیقی کام نہیں ہوا ہےاس لئے اس موضوع پر قلم اٹھانا خاصا مُشکل ہے۔ پھر بھی دُنیا کی معروف زبانوں جن میں عبرانی [1] انگریزی [2]، لاطینی [3] یونانی [4] اور آسٹرک [5] وغیرہ قابلِ ذکر ہیں [6]، میں سے کسی ایک کی بھی لغت دیکھیں تو ''ڈار'' لفظ مختلف معنی کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً عبرانی زبان میں ''ڈار'' لفظ موتی اور ''لعل و جواہرات کی ماں'' کے معنوں میں استعمال ہوتا آیا ہے۔ عبرانی بولنے والے یہودی اپنے بچوں خاص کرلڑکوں کا نام ''ڈار'' رکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی بولنے والے بھی اپنے نام کے ساتھ ''ڈار'' لفظ جوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً

---

[1]: عبرانی، سامی لسانی خاندان کی اہم زبان ہے جس کے ابتدائی نقوش ایک ہزار سال ق۔م سے ملتے ہیں۔ عبرانی زبان بولنے والوں کی تعداد اِس وقت تقریباً سات ملین ہے۔ یہ اسرائیل کی سرکاری زبان ہے۔

[2]: انگریزی آریائی زبانوں کی ایک شاخ ہے جو ہندیورپی لسانی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ خاص طور سے برطانیہ میں بولی جانے والی یہ زبان کچھ تفاوتوں کے ساتھ کئی یورپی ملکوں میں بھی رائج ہے۔

[3]: لاطینی زبان ہندیورپی خاندان سے تعلق رکھتی ہے جو روم میں بولی جاتی ہے۔

[4]: یونان میں بولی جانی والی زبان کو یونانی کہتے ہیں۔

[5]: آسٹرک درجنوں زبانوں پر مشتمل ایک لسانی نہ کہ نسلی خاندان ہے جو پیڑ شمت اور گریرسن کے بقول دو حصوں میں منقسم ہے۔ آسٹر وایشیٹک اور آسٹرونیشن۔ موخر الذکر خاندان کی زبانیں انڈونیشیا، مدوگاسکر اور پیسفک جزائر میں بولی جاتی ہیں۔ اس خاندان میں تقریباً ۲۵۰ زبانیں ہیں جبکہ اوّل الذکر خاندان کی چار بڑی شاخیں ہیں جس میں کھاسی، منڈاری (منڈاری زبانیں قدیم زمانے میں کول نام سے مشہور تھیں)، مون، کھمر، نکوباری اور ملا کا قابل ذکر ہیں۔ منڈاری کھاسی اور نکوباری ہندوستان میں بولی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں اس وقت آسٹرک زبانیں بولنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

[6]: آسٹریلیائی زبان میں ''ڈار'' کو ''ابھی'' کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے ہندی میں جانوروں کے جُھنڈ کو ''ڈار'' کہتے ہیں۔

1. Henry Dar, Texas 7

2. John. E. Dar, California. 8

لاطینی زبان میں ''ڈار'' ......''موتی'' جبکہ یونانی میں گوہرافشانی، موتی کی طرح چمکنا اور ذہانت'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے 9۔ جہاں تک آسٹرک لسانی خاندانی کا تعلق ہے اس کی کئی زبانیں زیادہ توجہ طلب ہیں۔ کیونکہ یہ زبانیں زمانہ قدیم میں بشمول کشمیر برصغیر کے بیشتر علاقوں میں بولی جاتی رہی ہیں 10۔ اس لسانی خاندان کی چند خاصیتیں کشمیری زبان میں آج بھی نمایاں ہیں 11۔ جس میں ترتیب لفظ کی مماثلت 12۔ کے علاوہ آسٹرک بُنیاد کے سینکڑوں الفاظ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ جیسے

	آسٹرک لفظ	کشمیری	اردو
ا۔	واتنگان	وانگن	بینگن
۲۔	تندولا	توٗمُل	چاول
۳۔	الابو	ال	کدو
۴۔	دادنیا	دأن	انار

7. www.Ancestry.com

8. www.Ancestry.com

9. Free encyclopedia.com

10. R.C.Jain, 1970, Ethnology of Ancient Bharta, Varanasi, pp.21,36,46

11. Dr. Afaq Aziz, Ancient Kashmir; An Anthropological .Linguistic Analysis, Unpublished Research Project, Submitted in CCAS, Unversity of Kashmir, Srinagar in 2000 AD, P.44

12. Ibid.55

	آسٹرک لفظ	کشمیری	اردو
۱۔	ماگھانہ	گہنہ	گہنے
۲۔	کاکا	کاکھ	بڑا بھائی
۳۔	گدرا	گئڈرِ	بچہ
۴۔	کالہ	کوٚل	گونگا
۵۔	لِوہ	لوٗن	لُونی
۶۔	کانجی [13]	کائنز	....

آسٹرک لسانی خاندان کی کھاسی زبان میں ''ڈار'' لفظ عارضی جھونپڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ اسی خاندان کی منڈاری [14] زبان میں ڈار کیاری یا کھیت کے معنی میں مستعمل ہے [15]۔ کشمیری زبان میں 'ڈار' نشیبی اراضی کو کہتے ہیں جس میں مکّی اور گندم جیسی فصلیں اُگائی جاتی ہیں [16]۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ منڈاری اور کشمیری زبان کے درمیان واقعی کبھی گہری'' قرابت داری رہی ہو جس کی وضاحت اس اقتباس سے بخوبی ہوتی ہے:

13۔ یہ سبھی الفاظ آسٹرک لسانی خاندان کی منڈاری اور کھاسی لغات کے علاوہ راقم کی ''قدیم کشمیر......ایک عمرانی لسانی مطالعہ'' نامی غیر مطبوعہ تحقیقی مقالے سے لئے گئے ہیں۔

14۔ منڈاری وسطی اور شمالی ہند کی زبان ہے۔ ہند کے قدیم باشندے ناگ، آسٹرک زبانیں بولتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر میں آسٹرک خاندان کی کوئی شاخ قدیم ایام میں مروج تھی جس کا علاقائی نام تا ایں دم پردہ اخفا میں ہے۔ کشمیری زبان میں ایسی کئی لسانی وضاحتیں موجود ہیں جن کا رشتہ آسٹرک خاص کر کھاسی، منڈاری، سنہالی، مونگ، تھائی اور کھمر زبان کی لفظیات، صرف ونحو، معنیات اور فعل وغیرہ سے ملتا جلتا ہے۔

15. Bhusan Bhaduri, 1929, A Mundari-English Dictionary, Calcutta,p.37

16۔ کأشر ڈکشنری، جلد، سوم، ص، ۳۰۸

"The conclusion of these linguistic interpretations and comparative study of the Austric and Kashmiri languages, proved that the Nagas of Kashmir were the descendants of the Australoids and their offshoots who were the speakers of the Austric language". 17

اگر یہ بات درست مان کر چلیں کہ کشمیر کے قدیم باشندے ناگ، آسٹرک لسانی خاندان کی کوئی زبان بولتے تھے تو پھر آسٹرک زبانوں کو کشمیری زبان کا ایک قدیم اور اہم ماخذ قرار دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

اس بحث سے قطع نظر جب راقم نے قدیم تحریروں سے ڈار لفظ کی وجہ تسمیہ جاننے کی کوشش کی تو کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ مگر دورِ جدید کی تحقیقی آراء کو جب زیر بحث لایا گیا تو متضاد نکتے سامنے آتے گئے۔ اول یہ کہ ڈار ہندو دور کے اختتام سے خطاب کے طور استعمال کیا جانے لگا تھا جو گاؤں کے سب سے طاقتور آدمی، جنگجو سردار یا جاگیردار کے لئے مخصوص تھا18۔ دوم یہ کہ بعض محققین نے اس موضوع کے حوالہ سے چند سطور اس طرح درج کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ڈار کوئی خطاب نہیں بلکہ ایک قبیلے کی ذات (کشمیری کرام) تھی۔ چنانچہ ڈی این دھر رقمطراز ہیں:

" In fact all the vassal Chiefs were given land and Jagir. Well Known families who were bestowed this favour were Magryes, Rainas, Bhatts, Dars and Chaks". 19

17. Dr. Afaq Aziz, p.44

18. Prof. Saligram Bhatt, 2009, Kashmiri Scholars Contribution to Knowledge and World Peace, New Delhi, p.134

19. D.N.Dhar, 1989, Socio.Economic History of Kashmir Peasantry, Srinagar,P.19

اسی طرح شیام لال دھر کی عبارت سے بھی اخذ ہوتا ہے کہ ڈار کوئی خطاب نہیں بلکہ ایک قبیلے کا نام تھا ۲۰۔ ادھر تاریخ حسن اور گلشن کشمیر کے علاوہ والٹر لارنس ۲۱ اور منشی محمد الدین فوق نے بھی ڈار کو خطاب کے بجائے کشمیر کی قدیم جنگجو قوم قرار دیا ہے۔ ۲۲

جہاں تک ڈار کے ارتقائی سفر کا تعلق ہے، منشی محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ اصل میں یہ...... ڈامر سے ڈانگر بن گیا ہے۔ ڈانگر سے اب ڈار عرفِ عام ہے'' ۲۳۔ اسی طرح ڈاکٹر کرشنا موہن ۲۴ اور وجے ولی کی تحریروں سے بھی یہی اِشارے واضح طور ملتے ہیں۔ وجے ولی رقمطراز ہیں:

''ذاتوں پر قلم اُٹھاتے ہی ڈار کی طرف ذہن جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈار اصل میں ڈامر نام کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کشمیر کا راج پاٹ چلانے اور یہاں کی سیاست میں کلیدی رول ادا کیا ہے''۔ ۲۵

ایسے ہی خیالات کا اظہار پریم ناتھ بزاز بھی کر چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''ڈار وادیٔ کشمیر کے قدیمی باشندوں کے ایک فرقے کی ذات ہے جن کو صدیوں قبل ڈامر کہا کرتے تھے اور جس کا کلہن پنڈت، جونراج، شری وراور پراجیہ بھٹ نے اپنی اپنی کتابوں میں کئی جگہ ذکر کیا ہے۔'' ۲۶

جہاں تک ڈامر کے بجائے ڈانگر سے ڈار بننے کا تعلق ہے کسی بھی صورت میں تحقیقی اور تنقیدی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا ہے۔ اس دعویٰ کے پس پردہ وہی زبانی روایت کارفرما نظر آتی ہے جس کی رُو سے بعض لوگ یہ تاثر دیتے آئے ہیں کہ ڈار ڈانگر قبیلے کے لوگ ہیں۔ لیکن اس کی کوئی

۲۰: کون جانے تیرا سوبھا، ۲۰۰۶ء ترتیب کار۔ شیام لال دھر اور ستیش دھر، الکا صاحبہ ٹرسٹ، جموں، ص، ۱۷

21. W.R.Lawarence,1967, The Valley of Kashmir, Srinagar,p.306

۲۲: منشی محمد الدین فوق، ۱۹۸۸ء، تاریخ اقوام کشمیر، سرینگر، ص، ۵۶۰ ۲۳ مذکورہ، ص، ۱۵۴

24. Dr. Krishna Mohan, The Damaras of Kashmir, Kashmir Bi-annual, P.N.Pushp(ed.), 1960, vol.I, No.I , Srinagar p-35.

۲۵ وجے ولی، کشیر ہنٔز کرامہ، ناگراد، نمبر، ۹، ۲۰۰۰ء، ناگراد ادبی سنگم، جموں، ص۔ ۲۷

۲۶ پریم ناتھ بزاز، ۱۹۵۲ء، شاعرِ انسانیت، دہلی، ص۔ ۱۸

تاریخی شہادت تادمِ تحریر بہم نہیں ہوسکی ہے۔ پھر بھی ڈاروں کو کیونکر ڈانگر یا بعض اوقات ڈنگر ۲۷ کہا گیا یا کہا جاتا ہے، ڈھونڈ نکالنا مشکل ہے۔ تاہم تاریخ کا عمیق مطالعہ کرنے سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاروں کو ڈانگر یا ڈنگر ۲۸ کہنے کے پیچھے کئی وجوہ تھے۔ اوّل یہ کہ ڈار اور اُن کے اسلاف بہت بڑے زمیندار، جاگیردار اور جنگجو تھے جن کا حکومت سازی میں کلیدی رول رہا ہے جو اُن کے دشمنوں، موقعہ پرستوں اور نوکر شاہی کو بالکل پسند نہیں تھا ۲۹۔ ڈامر لوگ اپنے اس سیاسی، اقتصادی اور سماجی رتبہ کی وجہ سے دوسروں کی نظروں میں کھٹکنے لگے تھے۔ دشمنی کی ایک خاص وجہ مذہبی تعصب قوم پرستی اور چھوت چھات بھی تھی ۳۰۔

نسلی رشتے کی بات کریں تو ڈامروں کو غیر آریا ٹھہرا گیا ہے۔ ڈاکٹر کرشنا موہن لکھتے ہیں:

"We have not been able to ascertain to which cast these Damaras belonged, but this much is sure that they were not Brahmanas.' 31

اگر ڈامر غیر آریا نہ ہوتے تو ان کی تباہی کے لئے برہمن فاقہ نہ رکھتے 32 اسی طرح اگر ڈامر مذہب کی بات کریں تو تاریخ کھنگالنے سے اس بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے۔ تاہم اِن کے اسلاف یعنی ایڈمبرا کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدھ مت کے پیروکار تھے۔ نول وِیوگی لکھتے ہیں:

"It is evident from the engravement of symbols of Buddhism on the coins of Audumbaras that they were followers of Buddhist faith in early periods.33

---

۲۷ ڈانگر بھارت کا ایک قدیم فرقہ ہے جو بنیادی طور چوپان تھے۔ ڈانگر کا اصلی معنی دولتی ہے۔

۲۸ ڈنگر پنجابی زبان کا لفظ ہے جو بے معنی باتوں اور حیوان کے طور استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی غیر مہذیب بھی ہے۔ ڈنگر اُس گاؤ فارم کو کہتے ہیں جہاں بھینس، بیل، گائے اور گدھے پالے جاتے ہیں۔

۲۹ ڈامروں میں اتحاد و اتفاق کی تعریفیں ہر کسی قلمکار بشمول کرشن موہن (P.30-40) نے کی ہیں۔ موہن کے بقول کلہن کی خاموشی سے پتہ چلتا ہے کہ ڈامروں کا آپسی اتحاد روزِ اوّل سے ہی قائم تھا جس میں کبھی کوئی دراڑ پڑنے کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس اتحاد کی وجہ سے دشمنوں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔ اس لئے وہ ڈامر کو بدنام کرنے کے درپے تھے۔

30. Dr. Krishna Mohan.The Damaras of Kashmir, Kashmir Biannual.P.N.Pushp(ed.), 1960, Vol. I. No.I, Srinagar, P.40e. 31. Ibid, P.35
32. Rajatrangni, VII, 1229, VIII, 658. Dr.Krishna Mohan, P.40e
33. Dr. Naval Viyogi , 2010, History of the Late Harappans and Shilpakara Movement, Vol.I, Delhi, P.257

ڈامروں کے خلاف آریائی برہمنوں کی منافرت، اُن کی ضرّ ررسانی کے لئے فاقہ کشی اور نول وِیوگی کے سطور بالا سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ ڈار نہ تو آریائی تھے اور نہ ہی برہمن مذہب کے پیروکار بلکہ وہ اپنے اسلاف کے مذہب پر ہی قائم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ برہمنوں خاص کر پروہتوں اور ڈامروں کے بیچ مذہبی تعصب کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دیکھا جائے تو ملک کشمیر قوم پرستی اور مذہبی چھوت چھات کی وباء سے پاک رہا ہے۔ البتہ حکمران طبقہ اور مذہبی طبقوں کی آپسی چپقلش کے اشارے ضرور ملتے ہیں۳۴ جس کے پھیلاؤ میں نہ صرف آریا قوم نے کلیدی کردار ادا کیا بلکہ اس میں اُن غیر مقامی لوگوں کا بھی بہت زیادہ رول رہا ہے جو وقتاً فوقتاً غیر ملکوں سے کشمیر میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ وی این درابو رقم طراز ہیں:

> "The caste system to have been gradually evolved with the immigration of people of various castes into Kashmir from Gandhara and the plains of India." 35

۳۴: کشمیر کی قدیم لوک کہانی ''ہی مال ناگرائے'' جو صدرالدین وفائی نے فارسی میں لکھی ہے، کے صفحہ ۱۵۴ پر چھوت چھات کا اشارہ ملتا ہے جب راجہ بلدیو کی شہزادی 'ہی مال' ناگ قوم کے شہزادے ناگرائے پر فریفتہ ہوئی۔ باتوں باتوں میں جب 'ہی مال' ناگرائے سے اُسکی ذات جاننا چاہی تو ہی مال اُس کے جواب سے مطمئن نہ ہو کر شک میں مبتلا ہوگئی کہ ناگرائے واتل ذات سے تعلق رکھتا ہے تو تنازعہ پیدا ہوا جس کے باعث وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوئے۔

35. V.N.Drabu,1986, Kashmir Polity, New Delhi, P.38

اِقتصادی، سیاسی اور مذہبی نابرابری کا یہ سلسلہ چودھویں صدی میں اسلام وارِدِ کشمیر ہونے کے بعد بھی جاری رہا اور اُنہی لوگوں کے ہاتھوں اِس برائی کی آبیاری ہوتی رہی جو ہندو دور میں مذہب، تعلیم اور رسومات وغیرہ کے ساتھ وابستہ تھے۔ مُشرف بہ اسلام ہونے کے باوجود اُن کے سماجی رُتبے اور رویّے میں کوئی تبدیلی نہ آئی 36۔ ممکن ہے کہ ڈاروں کو ڈانگر یا ڈنگر جیسی گھتیاں نکالنے میں یہی لوگ پیش پیش رہے ہوں۔ اس ماحول کو تقویت دینے میں اُن غیر ملکیوں کا بھی ہاتھ رہا ہوگا جو تیرہویں صدی عیسوی سے لے کر افغان دور کے اختتام تک وقفہ وقفہ سے وارِدِ کشمیر ہوتے رہے جس کا برملا اظہار راجہ نذر بونیاری نے بالواسطہ طور یوں کیا ہے:

''......دین کے جاننے والے لوگوں نے اپنے لئے اونچی اونچی کُرسیاں محفوظ کرلیں اور بات پھر وہیں پہنچی یعنی برہمن، کھشتری، ویش اور شودر تک۔ ''برہمن ازم'' نے قبول اسلام کے بعد ''ملاازم'' کی اصطلاح اپنائی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے......۳۷''

مُسلم وکی پیڈیا کے مطابق ڈاروں کی بدنامی کا ایک سبب کمینے اور نیچ ذات کے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی اصلی ذات چھوڑ کر ڈار بن گئے۔ یہ صورتِ حال اصلی ڈاروں کے لئے لمحہ فکریہ سے کم نہیں۔

بہرحال مورّخین اور سماجی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ڈار بنیادی طور، ڈامر سے نکلا لفظ ہے۔ مگر اصل سوال یہ ہے کہ یہ لفظ کیسے وجود میں آیا۔ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو یہ معاملہ تاریخ اور سماجیات کے بجائے لسانیات کے دائرے میں آتا ہے۔ جہاں ایسے کئی لسانی اصول موجود ہیں جو نہ صرف نئے اور پرانے الفاظ کے رشتے کھنگالنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں بلکہ نئے الفاظ کی ارتقائی ساخت ڈھونڈ نکالنے میں بھی معاونت کرتے ہیں۔ تاریخی لسانیات کی ایک ایسی ہی فارمولا

---

36. M.K.Kaw, 2004, Kashmir and its People: Studies in Evolution of Kashmiri Sociology, New Delhi,PP182-184

۳۷۔ راجہ نذر بونیاری، مسلمان اس زمرے سے باہر کیوں، روزنامہ کشمیر عظمیٰ، ۱۵ / مارچ ۲۰۰۷ء، سری نگر۔

کے مطابق قدیم لفظیات سے غیر سابقہ حرفی لاحقے (Non-Initials) گر نے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کون سا جدید لفظ کس قدیم لفظ سے مشتق ہے۔اس تاریخی اصول کے چلتے جو غیر سابقہ حرفی لاحقے قدیم لفظیات سے نکل آئے ہیں، اُن میں ک (K)، ج (J)، ٹ (t) اور م (m) وغیرہ بھی شامل ہیں۔ 38 جن سے مندرجہ ذیل نئے الفاظ وجود میں آئے ہیں:

قدیم لفظ	غیر سابقہ حرفی لاحقے حذف ہونا	جدید لفظ
کوشکی (Kausiki)	ک(K)	کوشی(Kausi)
بھوجپالہ (Bhojapala)	ج(J)	بھوپال(Bhopal)
کماری (Kumari)	ایم(m)	کواری(Kuari)
آرامنگرہ(Aramanagara)	ایم(m)	آرانگرہ(Arangra)

مذکورہ لفظوں سے بیچ کا ج (J.g)، ک (K) اور م (m) حرف گرنا ثابت کرتا ہے کہ ڈامر (Damar) سے ''میم'' حذف ہونے کے ساتھ ہی ڈار لفظ وجود میں آیا ہوگا۔البتہ حروف کا یہ تغیر کب شروع ہوا تھا، ابھی تک واضح نہیں ہے۔بعض زبان دانوں نے حروف کا تغیر یا اپ بھرنش ۳۹ دور سے جوڑ دیا ہے جو اگر چہ چھٹی صدی عیسوی کے آس پاس متعین ہوا ہے ۴۰، پر گیارہویں صدی عیسوی تک ارتقاء میں رہنے سے لفظوں کے تغیر میں حد سے زیادہ تبدیلی آچکی تھی جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ چار پانچ سو سال تک ارتقاء میں رہنے کے بعد ڈامر سے ایک نیا لفظ ڈار معرض وجود میں آیا ہو۔

38. Nundo Lal Dey, 1984, The Geographical Dictionary of Ancient and Medieval India, Delhi - PP.IX-X

۳۹ اپ بھرنش کے معنی بھرشٹ یا مسخ شدہ ہیں۔بطور زبان اس لفظ کا استعمال بھامہ کے'' کاویالنکار'' اور چنڈ کے ''پراکترت لکشنم''، میں چھٹی صدی عیسوی میں ملتا ہے۔اپ بھرنشی الفاظ پہلی بار بھرت کے ''ناٹیہ شاستر'' (۳۰۰ء) میں ملتے ہیں۔ اس کے بعد کالی داس کے ''وکرم اروشی'' میں نظر آتے ہیں۔لیکن اپ بھرنش نے بول چال میں پراکرت کی جگہ ۵۰۰ء کے قریب ہی حاصل کی ہے۔چھٹی صدی بلکہ ساتویں صدی سے اس کا استعمال شاعری میں ہونے لگا جو تقریباً پندرہویں صدی تک جاری رہا۔خیال کیا جاتا ہے کہ بول چال میں یہ دسویں گیارہویں صدی تک باقی رہی، جس کے بعد جدید زبانیں ابھرنے لگیں۔ ماخوذ از عام لسانیات از گیان چند جین)

۴۰ : پروفیسر گیان چند جین، ۱۹۸۵ء، عام لسانیات، نئی دہلی، ص۔۸۵۳

ایک اور رائے کے مطابق ڈار، دھرا سے نکلا ہوا لفظ ہے جس میں معنوی یکسانیت تو ہے، مگر ڈار کو دھرا کا مشتق ٹھہرانا تحقیقی اعتبار سے درست نہیں۔ ہاں، اتنا تو ضرور ہے کہ سنسکرت زبان کے بیشتر لفظوں کا آغاز ''الف'' اور ''ھ'' کشمیری زبان میں عمومی طور پر آیا ہے جس کی وجہ سے سنسکرت لفظ دھرا، کشمیری میں دھر یا دَر بن گیا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ حروف کی اس قطع و برید سے جہاں لفظوں کی اصلی ساخت اور شناخت مسخ ہوگئی وہیں اس عمل سے لفظوں کا اصلی خاندان طاق نسیاں کی نذر رہوا اور اس عملی تغیر کی ایک نمایاں مثال ڈار اور اس کے ہم شکل الفاظ ہیں۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ''ڈار'' لفظ سے جو کام لینا مقصود تھا، بعض زبانوں میں دار سے لیا جاتا ہے جو ڈار کا مترادف ٹھہرایا گیا ہے۔ ایسی زبانوں میں ترکی، پنجابی، عربی [۴۱] اور فارسی [۴۲] شامل ہیں۔ محمد حسین آزاد رقمطراز ہیں:

''ڈ'' حرف کو خاکِ فارس اور خاکِ عرب راس نہیں آئی ہے۔ اس لئے وہ ''ڈ'' کا کام ''د'' سے لیتے ہیں'' [۴۳]

عربی اور فارسی زبان کا یہ 'دار' لفظ یا تو کشمیری ڈار سے 'دار' کی صورت اختیار کر چکا ہے یا پھر کشمیری زبان نے اس لفظ کو اپنا لیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً کاردار، تحویل دار، ذیلدار، صوبیدار، دعویدار، جاگیردار وغیرہ

اس سلسلے میں ایک دلیل یہ پیش کی جارہی ہے کہ سکندر بت شکن نے جب کشمیریوں کو بالعموم اور ڈاروں کو بالخصوص اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا تو اُس وقت جو لوگ راہ فرار اختیار کر کے بنگال میں سکونت پذیر ہوئے اِن میں ڈاروں کی تعداد بہت زیادہ تھی جو پچاس سال تک جلاوطن رہنے کے بعد دورِ بڈ شاہی میں وطن واپس آ گئے۔ محمد الدین فوق لکھتے ہیں:

---

[۴۱] عربی میں ڈار کے بدلے دار استعمال ہوتا ہے جس کے معنی جگہ، محلّہ، مکان اور گھر ہیں۔

[۴۲] فارسی میں ڈار کے مقابلے میں دار لفظ موجود ہے جو پھانسی، سولی، چھت کی لکڑی، حصہ دار، قبضے میں ہونا، مالک اور شریک کے معنی استعمال ہوتا ہے۔

[۴۳] محمد حسین آزاد، ۱۹۸۶ء، سخن دانِ فارس، نئی دہلی، ص، ۶۸۰

''......جولوگ پہلے وقتوں میں مُلک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے بعض کوتو ''سلطان'' نے خود واپس بُلا لیا اور بعض خود بخود اُس کے جود واحسان کا شہرہ سُن کر وطنِ مالوف کولوٹ آئے......''[۴۴]

بنگال سے جو (کشمیری) ڈار واپس وطن آئے وہ اب اپنے آپ کو دار، در اور دھر کہنے لگے تھے تا کہ اسلام قبول کرنے اور نہ کرنے والوں میں تمیز کی جا سکے[۴۵] تاہم کشمیری پنڈتوں کی جانب سے لکھی گئی بعض کتابوں میں دھر کے بجائے ڈار ہی استعمال ہوا ہے۔ آنند رام پہلوان رقم طراز ہیں:

"Meanwhile, Pandit Kailas Dar and Babu Ram Dar left Kashmir and went to see Abdali who had then come to Lahore." 46

یہ تینوں یعنی دار، در اور دھر[۴۷] بطور ذات کشمیریوں میں آج بھی مروج ہیں۔ اگر گہرائی سے تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ کارُوار' امبار دار اور فوطے دار جیسی ذاتوں کا رشتہ بھی ڈاروں سے جڑا ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں دار، در اور دھر بعض بستی ناموں کا سابقہ یا لاحقہ بھی ہے۔ جس میں داموادار، دارم دار، چک مہانند جودھر، چک گووِیند جودھر، میمندر، اشمندر وغیرہ شامل ہیں۔ البتہ یہ جاننا باقی ہے کہ بستیوں کے یہ نام ڈار سے دار میں تبدیل ہو گئے ہیں یا ان پر عربی فارسی دار اثر انداز ہوا ہے۔

۴۴۔ محمد الدین فوق ۲۰۰۲ء، مکمل تاریخِ کشمیر، ص ۳۵۲

45. Prof. Saligram Bhat, P.134

46. Anand Ram Pahalwan, History of Kashmir, Cited in Jia Lal Kilm's Book, "History of Kashmir", 1955, Srinagar, p.162

۴۷۔ متحدہ پنجاب میں سکھوں اور مسلمانوں میں در اور دھر مشترکہ ذات ہے۔

ڈامروں کا زادو بوم

ڈارا گر ڈامر سے نکلا ہوا لفظ ہے تو ڈامر لفظ کی اپنی تاریخ کیا ہے۔ قدیم تحریروں کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈامر کا تذکرہ سب سے پہلے چھٹی صدی عیسوی کے نجومی، جیوگرافر، حساب دان، ماہرِ سماجیات وانسانیات شری ورامہر[48] نے اپنی مشہور کتاب برِہتھ سمیتھا[49] میں ایک ملک کے طور کیا ہے۔ پنڈت کلہن نے ڈامر لفظ کا ذکر اوّلاً چوتھی ترنگ کے شلوک تین سواڑتالیس میں کیا ہے[50] اور ساتھ ہی راجہ للتادتیہ (۷۰۰ء) کا وہ فرمان بھی درج کیا ہے جس میں اُنہوں نے گاؤں والوں کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین رکھنے پر پابندی عائد کی تھی[51]۔ اُن کے بقول اگر گاؤں میں رہنے والوں کے پاس گزارہ سے زیادہ زمین رہی تو وہ سال بھر میں بڑے خطرناک ڈامر بن کر اس قدر طاقتور بن جائیں گے کہ راجہ کی نافرمانی کریں گے[52]۔ کچھ مدت کے بعد راجہ کی یہ پیشن گوئی درست ثابت ہوئی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پنڈت کلہن آگے چل کر اِن ڈامروں کو فسادی، لُٹیرے اور نیچ ذات کے لوگ قرار دیتا ہے[53]۔ اسی طرح ابھینو گپت (۹۳۵ء) کی اہم تصنیف ''تنترلوکا'' پر بحث کرتے ہوئے مشہور اسکالر جیارتھ ڈامر لفظ کو شیوتنتر (مسٹِک فارمولا) کے طور استعمال کرتا ہے جبکہ

---

۴۸ وراہمِر ۴۹۹ء میں مالوہ کے مشہور شہر اوجین میں پیدا ہوئے اور ۵۸۷ء میں وفات پا گئے۔ وہ راجہ مالوہ بکرمادتیہ کے درباری نجومی تھے۔

۴۹ برہتھ سمیتما میں دیئے گئے میروکا، نستاراجیہ، پسوپالہ، کِرا، کسیمرا، ابھوساروا، دامرا، تانگانا، ترنتارا، کلوتا، برہمپورا اور دانی جیسی جگہوں اور قبائل کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کتاب میں بادل، بارش، فنِ تعمیر، فصل، عطر وغیرہ جیسے موضوعات کے علاوہ قدیم ہند کی جغرافیہ کا بھی ذکر ہے۔ کتاب کا گیارہواں باب کورکھشیتر اور کشمیر کے راجوں سے متعلق ہے۔ برہتھ سمیتھا کے علاوہ وراہمِر نے ''برہتھ جاتِکا''، ''یوکا یاترا''، ''پنچا سیدھا نتکا'' اور ''پرسناولابھا'' جیسی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

50. Kalhana's Rajtarangini, 1979, M.A. Stein(Tr.), Delhi,   P.154

۵۱ ڈی۔ این۔ دھر کے بقول للتادتیہ نے گاؤں والوں کے پاس زیادہ بیل رکھنے پر پابندی عاید کی تھی جبکہ وی۔ این۔ درابو نے للتادتیہ کے فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ للتادتیہ اس بات کے قائل تھے کہ جب گاؤں والے کپڑے، اون، کمبل، زیورات، گھوڑے، مکان اور کھانا وغیرہ چیزیں حاصل کریں گے تو وہ باغی ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کی ترقی پر قدغن لگانا ضروری تھا۔

52. Kalhana's Rajtarangini, p.154

۵۳ راج ترنگنی ۱۹۹۳ء، ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ (مترجم)، جلد۔۲، ص 97-91

گیارہویں صدی عیسوی میں شمیندرا۵۴ نے اپنی تصنیف ''لوک پرکاش'' میں ڈامر کو بطور قبیلہ پیش کیا ہے جس میں پرتاپ پور (موجودہ تاپر) کے طاقتور ڈامر سمر سنگھ (بمعنی شیر میدان) خاص طور سے قابل ذکر ہے ۵۵بعض لغت نویسوں اور راج ترنگنی کے ترجمہ کاروں جن میں ایم۔ اے۔ سٹائین، ایچ۔ ایچ۔ ولسن اور لیسن وغیرہ شامل ہیں، نے کلہن کے لفظوں کو ہی پھیر بدل کے ڈامروں کو ایک تُند اور نا قابلِ مطیع قبیلہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح سینٹ پیٹرس برگ ڈکشنری میں ڈامروں کو باغی اور مفسد قرار دیا گیا ہے۔56

کلہن نے ڈامروں کی تذلیل کیوں کی ہے اس کا جواب پروفیسر ایس۔ کے۔ کول یوں دیتے ہیں:

> ''کلہن کا زمانہ، جنگ، نمک حرامی اور بے وفائی کا تھا جس کے اثرات اُس کے من پر لازماً ثبت ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے اُس نے کشمیریوں کے چال وچلن کے متعلق غلط اور بیہودہ ریمارکس پاس کئے ہیں'' ۵۷

جب بارہویں صدی عیسوی میں اونتی پورہ اور پدمان پور (موجودہ پانپور) میں راجہ کی فوج ڈامروں کے ہاتھوں زبردست شکست کھا کر بھاگ گئی ۵۸تو فاتح قبیلے کے ہاتھ آنے والے مال غنیمت کو کلہن نے لوٹ مار کا نام دے کر ڈامروں کو رسوا کیا۔ مگر جب ڈامروں کو چُن چُن کر قتل کیا گیا تو کلہن نے اُف تک نہ کی۔ ۵۹

۵۴: شیمندر جسے کھیمندر بھی کہتے ہیں، نے راجہ اننت اور کلش (۱۰۱۱ء۔۱۰۸۰ء) کے زمانے میں مذہب، تاریخ اور سماجیات پر کئی کتابیں لکھیں۔ آپ ایک کہنہ مشق سنسکرت شاعر اور ڈراما نویس تھے۔ سنسکرت عروض اور صرف ونحو جاننے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ کھیمندر نے ''دیش اوپدیش''، ''نرمامالا''، ''درپہ ولن'' اور ''سمے ماترِکا'' نامی کتابوں میں کشمیری سماج کا مفصل حال درج کیا ہے۔

۵۵ راج ترنگنی، ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ (مترجم)، جلد۔۲، ضمیمہ نوٹ۔۸، ص۔۹۹

56.St. Petersburg Wartherbuch, Vol.111,P.185 Rajatarangini,Vol.II,P.304

۵۷: پروفیسر ایس کے کول، ۱۹۸۴ء، کشیرِ ہندی تواریخ دان، سرینگر، ص۔۴۴ ۵۸ راج ترنگنی، جلد۔۲، ص۔۲۰۰۔۲۱۴

۵۹ راجہ ہرش (۱۱۰۱ء۔۱۰۸۹ء) سے جب ڈامروں نے ٹیکس میں کمی کرنے کا مطالبہ کیا تو اُس نے اپنے گورنر آنند کو حکم دیا کہ تمام ڈامروں کو فوراً قتل کر دیا جائے تا کہ اُنہیں متحد ہونے کا کوئی موقع نہ ملے۔ چنانچہ گورنر نے پرگنہ ہولدا کے ڈامروں پر اچانک ہلہ بول دیا جس میں سینکڑوں ڈامر مارے گئے اور ہزاروں گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کلہن نے ڈامروں کے اس قتل و غارت پر افسوس کرتے ہوئے لکھا کہ ان لوگوں کو جانوروں کی طرح مارا گیا۔ ڈامروں کے اس قتل عام پر کے۔ ایس۔ سکسینہ نے اپنی کتاب ''پولٹکل ہسٹری آف کشمیر'' کے صفحہ ۲۱۷ پر راجہ ہرش کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اُس کو ناشائستہ اور نا اہل راجہ قرار دیا ہے۔

پروفیسر ایچ کرن نے ڈامروں کو نواب اور جاگیردار ٹھہرایا ہے[60] جس کی تائید میں کرشنا موہن کہتی ہیں کہ یہی ڈامر لفظ کی اصلی اور صحیح تشریح ہے[61] بہر حال اس ساری بحث کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ ڈامر واقعی ایک طاقتور قبیلہ رہا ہے جس کے پاس اپنے مضبوط قلعہ[62] اور اپنی مسلح فوج ہوا کرتی تھی یہاں تک کہ وقت کا راجہ ڈامروں کی مدد کا محتاج رہتا تھا۔[63]

ڈامروں کو ناراض کرنا کسی بھی حاکم کے لئے خطرے سے خالی نہ ہوتا۔ معمولی باتوں پر انتقام لینا ان کا مشغلہ تھا۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ ڈامر بڑے زمیندار اور جاگیردار تھے اور عیاش اور نااہل حکمرانوں کی کمزوریوں کا فائدہ اُٹھا کر اُنہوں نے وادیٔ کشمیر کی بہت سی زرخیز

60.Kalhana's Rajtarangini,Vol.II, P.304. 61.Dr. Krishna Mohan,P.2 3

۶۲ ڈامر سرداروں نے اپنے زیر اثر علاقوں میں کشادہ اور مضبوط قلعے تعمیر کئے تھے جن میں نہ صرف وہ خود بلکہ بوقت مجبوری پوری ڈامر آبادی محفوظ رہتی تھی۔ ڈامر قلعہ داروں میں پرگنہ لار کا دھنو اور گرگ چندر، علاقہ کمراز کا سنگرام راج اور جیک، دگدہ گھاٹ کا چندرا، وادیٔ کشن گنگا کا المکار کا کرسب سے زیادہ مشہور تھے۔ اس کے علاوہ پرگنہ ہمل (جھیل ولر کا شمالی علاقہ)، ہانگل (علاقہ سوناواری)، دیوسر (کولگام)، کھویہامہ (بانڈی پورہ)، ہولدا/کھدووی/کھرو (علاقہ ترال و پانپور)، ڈنتس (علاقہ کمراز) وغیرہ علاقوں میں بھی ڈامر قلعے واقع تھے جن میں رہنے والے ڈامر اس قدر طاقتور تھے کہ بادشاہِ وقت بھی مرعوب ہو جاتا ہے۔

۶۳ ڈامروں کی اکثریت دیہات میں رہتی تھی۔ زراعت اور تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے یہ زبردست محنتی تھے۔ شروع سے ہی مسلح رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ڈامر اس قدر بااثر ہوتے گئے کہ حکومتی معاملات میں اِن کا زبردست عمل دخل رہا۔ قریب ایک صدی تک (۱۰۰۳ء۔۱۰۸۹ء) کشمیر کی حکومتیں اِن کی مرضی سے بنتی بگڑتی رہیں۔ چکرا ورمن (۹۳۵ء) نے ڈامروں سے مدد طلب کی تو بہت سی مراعات کے عوض وہ راضی ہو گئے اور جب راجہ امداد حاصل کرنے کے بعد معاہدہ سے مکر گیا تو ڈامروں نے اس کا کام تمام کیا۔ شاہی خاندان پر اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے کے لئے ڈامروں نے راجہ اننت دیوا اور کلش میں خوب لڑائی جھگڑے کئے۔ کلش نے بھی ڈامروں میں پھوٹ ڈالنے کی کافی کوشش کی لیکن اتحاد کا مظاہرہ کر کے اُنہوں نے کلش کو پسپا کر دیا۔ پرگنہ لار کے گرگ چندر ڈامر کا قلعہ ''بادشاہ گر'' بن گیا۔ جہاں بادشاہوں کی قضا وقدر کا فیصلہ لیا جاتا تھا۔ راجہ ہرش نے ڈامر قبائل کو رام کرنے کا قصد کیا مگر جوابی یلغار میں نہ صرف وہ خود کام آیا بلکہ اُس کے راج کمار اوچل اور سسل بھی مارے گئے۔ اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت کلہن نے جذباتی ہو کر ڈامروں کے لئے ویسو (نیچ ذات) اور لٹیرے جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

زمینیں قبضہ میں لے رکھی تھیں 64 ڈامروں کا یہ رتبہ اور دبدبہ کم وبیش وسطی دور میں بھی جاری تھا۔کرنل تِکو رقمطراز ہیں:

"From 1286-1320 AD the feudal land-owning class, the Damars, had either ruled themselves or had a big factor as part of the ruling class "65

چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں جب ایک غیر کشمیری، رینچن نے ایک دوسرے غیر کشمیری، شاہ میر کی مدد سے کشمیر کی حکومت پر قبضہ کیا تو اُنہوں نے ایک نئی حکمت عملی کے تحت خُفیہ طور ڈامروں، جو اَب ڈار کہلانے لگے تھے، کا اثر ورسوخ کم کرنے کے لئے ماگرے، رینا، بھٹ اور چک قبائل کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر کے اپنا ہم نوا بنالیا 66 ڈاکٹر کے۔این۔پنڈتا کے مطابق شاہمیر نے اقتدار پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی ڈاروں کی حمایت حاصل کی تھی۔بقول اُن کے اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو شاہمیر کے لئے تخت کشمیر چھین لینا آسان نہ ہوتا 67۔شاہمیر کی اس حکمت عملی سے ڈاروں کا سماجی رتبہ کم نہ ہوا۔البتہ حکومتی معاملات میں اُن کا رول یقیناً محدود ہوگیا۔مگر وقتاً فوقتاً وہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہے۔۶۸

64.D.N.Dhar , 1989, Sociao-Economic History of Kashmir Peasantry, Srinagar,p.6

65.TeJ Tikoo, 2012, Kashmir: Its Aborigines, Their Exodus, New Delhi, PP.35-75

66. D.N. Dhar, P.19

67. K.N. Pandita, 2008, Mediaeval Kashmir Historiography.wikipeadia.

۶۸۔ ستیش دھر کے بقول ڈاروں کا ایک شخص میر و پنڈت ڈار سکندر شاہ کا فوجی کمانڈر تھا جبکہ رجنیش دھر اُس کو مغل فوج کا سربراہ ٹھہراتا ہے۔''کشمیر پیڈیا'' اور جان رچرڈس (مغل سلطنت، ۱۹۵۵ء لندن) کا کہنا ہے کہ مغل دور میں ڈاروں نے سیاسی اور سماجی خدمات کی وجہ سے زبردست نام کمایا۔اسی طرح ڈاروں کو افغان دور میں ذی عزت گردانا جاتا تھا۔بیربل ڈار اُس زمانے کے اہم کشمیری قائد تھے جنہوں نے افغانوں کے خلاف محاذ جنگ کھولا تھا۔یہ بات وثوق سے کہی جاتی ہے کہ ڈاروں کا دبدبہ کسی حد تک ۱۹۳۱ء تک برابر جاری وساری تھا۔

ڈامروں کے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ اُن کی بستیاں شمالی کشمیر سے باہر اور کسی جگہ موجود نہیں ہیں۔ لیکن فیلڈ سروے نے یہ رائے غلط ثابت کر دی۔ سچ تو یہ ہے کہ ڈامروں سے متعلق شواہد جموں و کشمیر کی سرحدوں سے باہر بھی ملتے ہیں [۶۹]

ڈامروں سے متعلق ایک اور سوال جو ذہن میں اُبھرتا ہے وہ یہ کہ اُن کا آبائی وطن کہاں تھا۔ ایچ۔ اے۔ روز، جے ہیچ سن اور ڈاکٹر نول وِیوگی جیسے ماہرین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ڈامر لفظ اُیڈمبرا ے یا اُڈمبرا سے ماخوذ ہے [71]

اُڈمبرا یا اُیڈمبرا کون تھے

اُڈمبرا یا اُیڈمبرا ایک قدیم قبیلے کا نام ہے جس کا اوّلین تذکرہ رگ وید میں ملتا ہے۔ [72] اسی طرح ''مارکنڈیا''، وایو اور برہمندا'' پرانوں میں بھی اس قبیلے کا مفصل حال درج ہے۔ [73] اُڈمبرا قبیلے کا تذکرہ پانِنی نے اپنی گنپتھا نامی کتاب میں بھی کیا ہے جو پانچویں صدی قبل مسیح میں لکھی گئی تھی [74] ایک مشہور محقق پرمانند گپتا کے مطابق ڈامر اور اُڈمبرا قبائل کے آپسی قریبی رشتے زمانہ قدیم سے رہے ہیں [75]

---

[۶۹] کشمیر کے علاوہ ڈامروں کی موجودگی کا پتہ بلوچستان کی قدیم آزاد ریاست قلات کی شال (کوئٹہ) وادی سے بھی ملتا ہے۔ افغانستان میں وہ زمانہ قدیم سے رہے ہیں جہاں ہنری والٹر بِلے کے بقول کل آبادی کا ۱۷ فیصد ڈامروں پر مشتمل تھا۔ براعظم افریقہ کے ملک نامبیا میں ڈامر قوم کی ۹ فیصد آبادی رہائش پذیر ہے۔ کئی اسکالروں کے بقول یہ ڈامر افریقی جنگجو بانتو قبیلے کے لوگ تھے اور کئی اُنہیں جنوب مغربی افریقہ کے حبشی گردانتے ہیں جن کی مادری زبان ''ناما'' ہے۔ اسی طرح ڈامر لفظ کی موجودگی مغربی ایشیاء اور مصر سے بھی ملتی ہے۔ افریقہ میں ڈامر ایک گاؤں جبکہ نامیبیا میں ایک شہر کا نام ہے۔ پاکستانی زیر انتظام میں بھی ڈامر نام کا ایک قصبہ آباد ہے اور جموں سے ۱۸۳ کلومیٹر دور ہے۔

[۷۰] اُیڈمبرا ایک درخت کا نام ہے۔ یہ پٹھانکوٹ اور کانگرہ کے بیچ والے علاقے میں پایا جاتا تھا جہاں اُڈمبرا قبیلے کا مرکز رہ چکا ہے۔ اس درخت کی شکل اُڈمبرا سکوں پر بھی ملتی ہے۔ ایم۔ کے۔ شرن کا خیال ہے کہ اس قبیلے نے اُڈمبرا درخت کی نسبت سے ہی اپنا نام پایا ہے اور یہ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اس لئے کہ زمانۂ قدیم سے ہی ملکوں اور قبیلوں کے نام درختوں، سبزیوں وغیرہ سے منسوب ہوتے چلے آتے ہیں۔

71. H.A. Rose, 1990, Glossary of the Tribes and castes of Punjab and NWFP.Vol.II, PP.237-257. Dr. Naval Viyogi, Vol.I, PP. 255, 257, 263
72. M.K. Sharan, 1972, Tribal Coins: A STUDY, Delhi,P.120
73. Parmanand Gupta, 1989, Geography from Ancient Indian Coins and Seals, New Delhi,P.142.
74. Ibid, P.19 . 75. Ibid, P.20 2.

اس موضوع پر جتنے بھی ماخذ آج تک سامنے آئے ہیں، وہ سب اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اُڈمبرا موجودہ پنجاب کے رہنے والے تھے،[76] جس میں گورداسپور، ہوشیار پور، جوالہ مکھی، پٹھانکوٹ اور ہماچل پردیش کے مغربی علاقے خاص طور قابل ذکر ہیں۔ کانگڑہ شہر کچھ عرصہ کے لئے اُڈمبرا قبیلے کا مرکز رہ چکا ہے۔[77] دوسری صدی قبل مسیح میں یونانیوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اُڈمبرا قبیلے نے اپنی خود مختار حکومت قائم کی اور اپنے نام کے سِکے جاری کئے تھے۔[78] جن کے نمونے محکمہ آثارِ قدیمہ کو پٹھانکوٹ اور جوالا مکھی علاقوں سے دریافت ہوئے ہیں۔[79] نیز وادیٔ چناب اور پیر پنچال کے دامن کوہ میں بھی اُڈمبروں کی بستیاں پائی جاتی تھیں۔ ایس۔ بی۔ چودھری مہابھارت اور بُدھ پرانوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس قبیلے کی بستیاں مگدھ سے لے کر کشمیر تک پھیلی ہوئی تھیں۔[80] آر۔ کے۔ کوشک کے بقول اُڈمبرا اپنے زمانے کے جانے مانے بیوپاری تھے جن کا بیشتر کاروبار وسط ایشیائی ممالک سے تھا۔[81] ان کے سماجی رشتوں کے بارے میں ہچ سن اور ووجل متفق ہیں کہ ''اُڈمبرا یا اُیڈمبرا'' ڈامرا یا ڈوم' بُنیادی طور بنجارا یا لوانا قبیلے کی شاخیں تھیں۔[82]

76. Dr. Naval Viyogi, Vol.I, p.231. 77. Ibid. P.231.

78. Parmanand Gupta, P.19

79. Sudhakar Chattopadhyaya, 1973, Racial Affinites of Early North Indian Tribes, New Delhi P.105

80. S.B.Chaudhuri, 1955, Ethnic Settelements in Ancient India.Delhi, p.57

81. R.K. Kaushal, 1988, Himachal Pradesh,Sociao-Economic, Geographical and Historical Survey, Delhi,P.17

82. J.Hutchison and Vogel, 1999, History of the Punjab Hill States, Vol.I, Delhi, p.17-

نول ویوگی کا کہنا ہے کہ بنجارا قبیلہ زمانۂ قدیم سے تاجر پیشہ تھا ۸۳ جو اشیائے خورد و نوش وغیرہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے 84 ویوگی مزید لکھتے ہیں کہ ''کشمیری ڈامر بھی اصل میں بنجارا طبقہ سے ہی تعلق رکھتے تھے''۔ 85

ڈامرا، اُیڈمبرا یا اُڈمبرا ''ڈم'' بنجارا یا لوانا کے آپسی نسلی، مذہبی اور لسانی رشتے کیا ہیں، اس سلسلے میں کوئی خاص تفصیلات دستیاب نہیں البتہ کچھ ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں جو حقائق سے پردہ اُٹھانے میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ڈی۔این۔ مجمدار نے بُلڈ گروپ سیمپلنگ کی بنیاد پر ''ڈم'' قبیلے کو دراوڑ نسلی خاندان سے منسوب کیا ہے۔ 86 وہی نول وِیوگی اُڈمبرا ''ڈم'' اور لُوانا قبائل کو لسانی اعتبار سے دراوڑ خاندان کے لوگ قرار دیتا ہے۔ 87 وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ اُڈمبرا، دراوڑ اور ناگ قوم کا دوغلا (Hybrid) طبقہ تھا۔ 88 کے۔ پی۔ جیسوال نے اُڈمبرا کو ناگ قوم سے وابستہ قرار دیا ہے 89 اسی طرح ایم۔کے۔شرن اُیڈمبرا قبیلے کے سِکّوں پر سانپ کی شکل موجود ہونے کی بِنا پر اُن کا ناگوں کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہیں 90۔

---

۸۳ بنجارا قبیلے کے لوگ آندھرا پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، ہماچل پردیش، گجرات، تامل ناڑو، مہاراشٹر، کرناٹک، اُڑیسہ اور مغربی بنگال میں رہتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قبائل ملک روم کے آدی واسی تھے جو ڈھائی ہزار سال پہلے افغانستان کے دشوار گزار پہاڑوں کے اوپر سے برصغیر میں داخل ہوئے تھے۔

84.Dr.Naval Viyogi and Prof. M. Anwar Ansari, 2010,
History of the Later Harappans and Shilpakara Movement,
Part.I, Delhi, P.14 , 85. Ibid, P.14

86. D.N.Mujumdar, 1961, Races and Culture of India, Delhi.P.11

87. Dr. Naval Viyogi, Vol.I, P.233

88. Ibid, P. 237

89. K.P. Jayaswal, 1933, History of India, Lahore, P.33

90. M.K.Sharan, 1972, Tribal Coins: A Study, Delhi, P.254

اِن آراء کو مدنظر رکھ کر بعض باتوں کی (تحقیقی اعتبار سے) وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ایک تو یہ کہ ''ڈم'' قبیلے کے بُلڈ گروپ سیمپلنگ کی بنیاد پراور ہم نام طبقوں خاص کرڈامرا، اُڈمبرا یا اُیڈمبرا کوایک ٹھہرانا سائنسی اعتبار سے درست نہیں ہے۔اسی طرح دوا لگ الگ نسلی طبقوں کو یکسان پیشے کی بنیاد پرایک ہی قوم تسلیم کرنا صریحاً غلط ہے۔اس لئے ڈامرا، اُڈمبرا یا اُیڈمبرا کو ڈُم سے جوڑنا بھی قطعاً ممکن نہیں۔تاہم مذہبی، تجارتی، سماجی اور لسانی ثقافت کی یک رنگی دُنیا کی کسی بھی قوم میں ممکن ہے جیسے کئی نسلی گروپوں کےایک ہونے کا صد فیصد گمان تو ہوتا ہے، لیکن علمِ عمرانیات کے مطابق اِن کے خصائل میں تفاوت کا عنصر خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔پھر بھی اپ بھرنش، ساختیات اور لفظی روٹ تھیوری کا سہارا لیتے ہوئے اِن آراء میں کافی وزن ہے کہ ڈُم، ڈامرا، اُڈمبرا یا اُیڈمبرا ایک ہی لسانی خاندان کے الفاظ ہیں جس سے ان لفظوں کا آپسی لسانی رشتہ ثابت ہوتا ہے جس کی کئی وجوہات ہیں، جن کی وضاحت یہاں ممکن نہیں ہے۔اسی طرح اگر حبشی، ناگ، دراوڑ اور آریا قوموں کے قدیم سماجی، سیاسی، مذہبی اور تجارتی رشتوں کو دیکھتے ہوئے اُیڈمبرا کو دراوڑ اور ناگ قوم کا دوغلا (Hybrid) ٹھہرایا جائے تو کوئی شُبہ نہیں۔کیونکہ مذکورہ بالا رشتوں کے ہوتے میل داری (Hybrid) نہ تب ناممکن تھی اور نہ ہی آج۔تاہم محققوں نے کچھ ایسا تحقیقی وتنقیدی مواد فراہم کیا ہے جس سے ان آراء کو تقویت ملتی ہے کہ اُیڈمبرا دراوڑ نہیں بلکہ آسٹرک تھے۔چنانچہ سِلوین لوی، جین پرزیلوسکی اور جولز بلوچ رقمطراز ہیں:

''اس بات کو قبول کرنا چاہیئے کہ اُیڈمبرا، اُڈمبرا اور کُڈمبرا جیسے نام شمالی ہند کی آسٹرو ایشیٹک زبان اور لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں'' 91

سِلوین لوی وغیرہ کے نظریہ کو تسلیم کیا جائے تو یہ اُیڈمبرا قبیلے کی اولاد خاص کر ڈامروں اور ڈاروں پر بھی صادق آتی ہے۔کے۔ پی۔جیسوال اور ایم۔کے۔شرن دونوں کا دعویٰ ٹھوس شواہد پر مبنی ہے۔موخر الذکر بجا طور پر کہتے ہیں کہ اُیڈمبرا سِکّوں پر سانپ کی تصویر موجود ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ (اُیڈمبرا) سانپ کو مُقدس جان کر پوجتے تھے۔

91. Sylvain Levi, 1929, Pre-Aryan and Pre-Dravidian in India, Calcutta, PP.150-160

پس ثابت ہوا کہ اُڈمبرا ایک غیر آریائی قوم تھی جو ناگوں سے نسبت رکھتی تھی۔ وِیوگی اس رائے کو مزید تقویت بخشتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُڈمبرا تاکشِکا ناگوں کی ایک شاخ تھی 92 جس کی زرُیت کشمیر میں پائی جاتی تھی ۹۳۔

اب یہ بات بالکل صاف ہوگئی ہے کہ اُڈمبرا کا رشتہ کشمیر کے قدیم باشندوں یعنی ناگوں سے جاملتا ہے اور بلاشبہ ڈامر اور ڈار کا تعلق بھی اُنہی سے رہا ہے۔

''ڈار'' اور کشمیری زبان

کشمیری زبان کا بغور جائزہ لیا جائے تو ایسے کئی مرکب الفاظ سامنے آتے ہیں جن کے ابتدائی لاحقوں سے ڈاروں کی معاشی صورت حال سامنے آتی ہے۔ مثلاً مکایہ ڈار (مکی والی زمین)، پیژ ڈار (پیژ ایک قسم کی گھاس کو کہتے ہیں جو دلدلی زمیں میں اُگتی ہے جس سے مقامی لوگ چٹایاں بناتے ہیں) ''بب سُند ڈار'' دادا کی زمین وغیرہ اسی طرح ڈاروں سے یہ لوک کتھا بھی وابستہ ہے جس سے ان کی رئیسانہ زندگی گزارنے کا عندیہ بھی ملتا ہے۔ مثلاً ڈار آباد، کشمیر آباد، ڈار بُر باد، کشمیر بُر باد۔ اِن لفظیات کو ٹوپونامی ۹۴ اور علم اللّسان کی ساختیاتی ترازو میں تولا جائے تو یہ دو الگ الگ خاندانوں کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں یعنی عامیانہ (Generic) اور خاصہ (Specific) ۹۵ جس سے یہ بات طے ہوتی ہے کہ بستی ناموں میں ''ڈار'' لفظ کو عامیانہ حیثیت حاصل ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ بستی ناموں کے ساتھ ڈار لفظ جڑا ہونا ثابت کرتا ہے کہ ڈار واقعی ایک قدیم ذات

92. Dr. Naval Viyogi, Prof. M. Anawar Ansari, P.258

۹۳ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے نیل مت پُران، راج ترنگنی اور ''ٹاک ذات'' پر لکھا ہوا راقم کا مضمون۔

۹۴ ٹوپونامی ایک ایسا علمی شعبہ ہے جس میں جگہوں کے نام زیرِ مطالعہ رہتے ہیں۔ جے۔ جے اِگلی کا کہنا ہے کہ جگہوں کے ناموں کا مطالعہ کرنے سے اسلاف کے رسم ورواج، مذہب اور زندگی کے حالات سامنے آتے ہیں۔ اس شعبہ کی بڑی خاصیت یہ ہے کہ یہ تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کو کھنگال کر جوڑ دیتا ہے۔

۹۵ عامیانہ الفاظ وہ ہیں جو ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں میں یکسان معنی میں مرّوج ہوں۔ مثلاً شب خون، شب بیدار اور شب وروز۔ ان لفظوں میں شب، عامیانہ جبکہ خوں، بیدار اور روز خاصہ کے دائرے میں آتا ہے۔ خاصہ لفظ کسی بھی جگہ کے نام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے جو بستی کے ناموں میں پہلے وجود میں آیا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ ڈار بہت پرانا لفظ ہے۔ اسی طرح اگر مندرجہ بالا لفظوں کو عامیانہ اور خاصہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو ڈار اول الذّکر اور مکایہ، کونگ اور بب موخرالذکر خاندان کے الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ معنیاتی لحاظ سے ان مرکب لفظوں کا مطلب وہ زمین ہے جس میں مکی، زعفران اور پیژ بڑے پیمانے پر کاشت کی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کے معنی وہ بڑے زمیندار ہیں جن کے یہاں مکی، زعفران اور پیژ والی زمین بہت موجود تھی۔ اسی طرح ان لفظیات کو مکی، زعفران اور پیژ کا ٹھیکدار، دادا کی زمیں، تاجر اور سوداگر کے طور بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ہوسکتی ہے کیونکہ:

" Where History is silent, place names speak." 96

آباد اور غیر آباد ''ڈار'' بستی ناموں میں گوگل ڈار، ٹنگہ ڈار، کلی ڈار، ژِوڈار، بنگہ ڈار، ماہ ڈار، ژیرِ گُج ڈار وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح محلّہ اور کریوہ ناموں کے ساتھ بھی ڈار لفظ جُڑا ہوا ہے جس میں ڈار محل، ڈار کول، ڈار وڑ ریا ڈار بال ۹۷ قابل ذکر ہیں۔ ڈار لفظ کشمیر سے باہر کی بعض بستیوں کے ناموں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ۹۸

موجودہ زمانے کی بات کریں تو ڈار ذات کے لوگ گریز اور ٹنگہ ڈار کے علاوہ کشمیر وادی کے نشیب و فراز میں پائے جاتے ہیں جس کا مفصل تذکرہ کرنا طوالت کا باعث بن سکتا ہے۔ پھر بھی قارئین کی دلچسپی کو ملحوظ نظر رکھ کر کچھ باتوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ شہر و دیہات اور قصبوں میں جا کر بعض ذمہ دار لوگوں سے بات کرنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کشمیر کی بیشتر بستیاں ایسی ہیں جہاں تیس سے اَسی فیصدی ڈار رہتے ہیں جس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً

96. Ramaswami Aiyar L.V,1929-30, " Dravidian Place Names in the Plateau of Persia," QJMS, VolXX, P.171

۹۷ ترال تحصیل میں ڈار نام کا ایک گاؤں ہے جو ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے جسے ''ڈار بال'' کہتے ہیں موجودہ ترال یا قدیم ہولدا میں یہ بات عام ہے کہ ''ڈار بال کی ڈائین جیسی ہو'' لوک روایت کے مطابق اِس بال (پہاڑ) سے کئی طرح کے عجیب و غریب واقعات منسلک ہیں۔ جس میں تصرفدار، پریوں کی کہانیاں خاص طور قابل ذکر ہیں۔

۹۸ ''ڈار داجو'' ملک چاڑ کی زبان، ''ڈار فر'' سوڈان کا صوبہ، ''ڈار سلا داجو'' سوڈان کی ایک بولی جبکہ ''ڈار حامد'' ایک پوپ آرٹسٹ ہے۔ امریکہ میں ڈار نو آباد لوگوں کی ایک تنظیم ہے جو عورتوں کے لئے کام کرتی ہے۔ یہ وہ نو آباد لوگ ہیں جنہوں نے تعلیم، رضا کارانہ کام اور تحفظِ تاریخ کے لئے کام کیا ہے۔ یہ تنظیم ۱۸۹۰ء میں چار عورتوں نے قائم کی تھی۔

نام محلّہ/گاؤں	ڈاروں کی آبادی	نام محلّہ/گاؤں	ڈاروں کی آبادی
گوشہ بُگ پٹن	60%	دودرہامہ گاندربل	47%
گاڈورہ گاندربل	70%	فتح پورہ گاندربل	60%
شالہ بُگ گاندربل	67%	آرہامہ گاندربل	39%
دَدہ محلّہ شالیمار	51%	تیل بل شالیمار	36%
گگربل وکوتر خان سرینگر	59%	آنچاروگردونواح سرینگر	43%
ڈوروشاہ آباد	36%	حیدرپورہ سرینگر	48%
چاڈورہ	61%	گُلترہ چاڈورہ	77%
ڈونی وارہ چاڈورہ	44%	بادی پورہ چاڈورہ	43%
چرارِشریف	31%	بارسو پلوامہ	81%
لدھو پانپور ۹۹	32%	تجن پلوامہ	80%
سانبورہ پلوامہ	35%	دربگام پُلوامہ	55%
چراونی چاڈورہ	75%	باغات کنی پورہ چاڈورہ	45%
برزلہ سرینگر	60%	نوبگ چاڈورہ	60%

اسی طرح اور بھی ہزاروں بستیاں ہیں جہاں ڈار کثرت سے پائے جاتے ہیں ۱۰۰۔ جموں کے کشتواڑ، بھدرواہ، ڈوڈہ، بانہال، رام بن، پونچھ، راجوری اور لداخ کے کرِگل یہاں خطہ

۹۹۔ لدھو پانپور میں ڈار قوم کا ایک بڑا زمیندار محمد سلطان ڈار رہتا تھا۔ جس کا خاندان اِس وقت تقریباً ساٹھ گھرانوں پر مشتمل ہے۔ اِس خاندان کے بعض لوگ لدھو سے ترک کے پاس پانچ سو کنال زمین تھی جو تقسیم در تقسیم ہوتی گئی۔ اِن ڈاروں میں اس وقت ستار ڈار ولد سلطان ڈار، ایک پڑھا لکھا شخص ہے جو سماجی کارکن ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر ہی ہیں اور گلشن تخلص کرتے ہیں۔

۱۰۰۔ اطلاع کے مطابق ان بستیوں میں بیس سے پچاسی فیصدی آبادی ڈاروں پر مشتمل ہے۔ کچھ نام بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں جس میں آبی کار پورہ سرینگر، تھید زونی مر، رعناواری، نگین، حبک، رام باغ، راجباغ، امداکدل، دھنہ ہامہ، گاسو، کوکر بازار، حضرت بل، نوہٹہ، بمنہ، پارم پورہ، اومپورہ، وڑون، سوئیبگ، ماگام، سنور، سمربگ، کانہامہ، کلی ڈار، پہرو، وڑی پورہ، پانزن، رانگر، زوہامہ، بوگام، برزلہ، وانہ بل، سوپور، ویری ناگ، ووترس، برنجن (چاڈورہ) اور کپوارہ و بانڈی پورہ کے سینکڑوں دیہات شامل ہیں۔

خطہ میں ڈاروں کی خاصی تعداد موجود ہے جو زمانۂ قدیم کی طرح آج بھی بڑے بڑے زمیندار ہیں۔

جموں وکشمیر سے باہر (ہندوستان کی ریاستوں میں) ڈاروں کی آبادی دہلی ۱۰۱۔لدھیانہ، امرتسر، جالندھر، لکھنو، گجرات، میزورم، ناگالینڈ، ہریانہ اور حیدرآباد میں رہ رہی ہے ۱۰۲۔پاکستان میں راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور، کراچی اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے میرپور، کوٹلی، اٹھمقام، لیپاوادی کے نشیب وفراز میں ڈار کافی تعداد میں موجود ہیں جو مختلف ادوار میں جموں وکشمیر کے بعض علاقوں سے ہجرت کر گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج کل ڈار لوگ یورپ میں بھی نظر آتے ہیں اور فخر سے ڈار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔مثلاً امریکہ میں مقیم مظہر ڈار کہتے ہیں کہ اُن کے اسلاف کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور پہنچے تھے جہاں آج ہزاروں کی تعداد میں ڈار ذات کے لوگ رہتے ہیں 103۔شجاعت مرتضیٰ ڈار کا کہنا ہے کہ اُن کے اجداد ۱۸۶۵ء میں ارض کشمیر چھوڑ کر راولپنڈی میں آ بسے تھے 104۔برطانیہ کے جیمز ہال کا کہنا ہے کہ اُس کی اصلی ذات ڈار ہے لیکن زندگی بھر رہال نام سے ہی مشہور رہا۔ اُس کے (بقول) باپ کا نام یوسف ڈار ہے جو رشید ڈار کا بیٹا تھا۔ اُن کے دادا بنیادی طور کشمیری ہیں جو ۱۹۴۷ء میں کراچی میں رہنے لگے تھے 105۔ کشمیر

۱۰۱۔ دہلی میں آج بھی ڈاروں کے نقوش پائے جاتے ہیں۔سُنیل دھر کے بقول سیتارام بازار، سیتارام ڈار سے منسوب ہے جو دہلی کا پہلا کوتوال تھا اور جس کے آباؤاجداد کشمیر سے تعلق رکھتے تھے (کشمیر پیڈیا: این آن لائن اینسائیکلوپیڈیا اباوٹ کشمیر)۔

۱۰۲۔ جب بھی کشمیر میں حالات خراب ہوئے تو بعض لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے جن میں ڈاروں کی اچھی خاصی تعداد شامل رہی ہے۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے، اپنا کاروبار شروع کرتے۔ بنگال، گجرات، جموں، کولکتہ، ہماچل پردیش اور دلی میں ڈاروں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ ہماچل کی تحصیل بیجناتھ کے گاؤں اُمیتھر امیں ڈاروں کی خاصی آبادی ہے۔

103.Ancestry.com-Dar-Surnames ,

104.Shujatmurtaza@yahoo.com U.K.

105.Message Board.Surnames-Dar Ancestry.Com

سے ہجرت کرنے والے ڈار ذات کے لوگ یورپ (امریکہ اور برطانیہ) کے علاوہ بنگلہ دیش کے کئی علاقوں میں سکونت پذیر ہیں اور بڑے بڑے عہدوں پر کام کرتے آئے ہیں۔[106]

ڈاروں کی نامور شخصیات

کشمیر کے ڈاروں میں بہت سے نامور لوگ گزرے ہیں جو اپنے کارناموں کی بدولت تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ وسطی دور میں سنگرام ڈار، سیف ڈار، بہرام ڈار، عثمان ڈار، ولی ڈار، علی ڈار، کیلاش ڈار اور بیربل ڈار جیسے ذی عزت سیاست دان، منتظم اور فوجی ماہروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ بڈ شاہ کے دورِ حکومت میں سنگرام ڈار سیاسی اور سماجی معاملات میں کافی اہم اور مؤثر رول ادا کرتے رہے۔ موضع چرار شریف کے ایک بڑے زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی خدا دوستی بھی بے مثال رہی ہے۔ یہی وہ خوش قسمت شخص تھے جن کے ہاں کشمیر کے مشہور ولی اور صوفی شاعر نُند ہ ریشیؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے۔ عبدالاحد آزاد کے بقول سنگرام ڈار کے پاس ''دچھ ہار''[107] نام کا مشہور ایک باغ تھا جو نند ہ ریشیؒ کی آخری آرام گاہ بن گیا[108] سنگرام ڈار نندہ ریشی کے چہیتے طالب بھی تھے۔ ڈاروں میں ایک اور باصلاحیت شخص سیف ڈار تھا جس نے شاہمیری خاندان کے فتح شاہ (دورِ حکومت ۱۵۴۶ بکرمی) کے دشمنوں کا قلع قمع کیا اور (بہ اتفاق رائے) فتح شاہ کو تختِ کشمیر پر بٹھایا[109] سو یہ بگ بڈ گام میں بہرام ڈار جیسا انسان دوست اور خدا ترس بھی ہو گزرا ہے جس نے سید محمد بیہقی کے ۳ رفرزندوں کو اپنے گھر میں پناہ دے کر قتل ہونے سے بچایا[110] عثمان ڈار، ولی ڈار اور علی ڈار میدانِ کارزار کے غازی تھے۔

۱۰۶۔ ''کشمیر پیڈیا'' پر ابوی شیخ دھر کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق بنگلہ دیش کے موموسنگ ضلع میں ڈار ذات کے کئی خاندان عرصہ دراز سے بود و باش کرتے آئے ہیں جو گزشتہ زمانے میں تجارت کی غرض سے کشمیر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

۱۰۷۔ عبدالاحد آزاد، ۱۹۹۳ء کشمیری زبان اور شاعری، مرتب: محمد یوسف ٹینگ، جلد سوم، کلچرل اکیڈیمی سرینگر، ص، ۲۰۷

۱۰۸۔ ایضاً ص، ۲۰۷

۱۰۹۔ تاریخ حسن، ۱۹۵۷ء، جلد۔ اوّل، سرینگر، ۱۹۶

۱۱۰۔ ایضاً، ص، ۲۰۰۔

اُنہوں نے ہمیشہ سیف ڈار اور بہرام ڈار کی جنگی مہمات کا ساتھ دیا۔ کیلاش ڈار افغان دور میں مالیہ جمع کرنے کا اہم عہدہ دار تھا۔ وقت کے حکمرانوں نے اُسے بڑی جاگیریں عطا کر کے عزت بخشی [۱۱۱] اسی طرح بیربل ڈار اور اس کا بیٹا راجہ کاک ڈار افغان اور سکھ دور میں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر تعینات تھے۔[112]

ڈانگر پورہ (نائل، اننت ناگ) کے عبدالاحد ڈار عرف احد ڈارِ نائل (بسا اوقات بقول لارنس احد جو نائل، ص،۳۰) ڈوگرہ دور کے مشہور ذیلدار تھے۔ غلام نبی آتش کے بقول ڈانگر پورہ میں ۱۰۰ فیصد ڈار رہتے تھے جو سچ مچ ''ذیلداروں کا محلّہ'' تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالاحد ڈار ذیلدار نہیں بلکہ اپنی دائرہ ذیلداری کا خود مختار بادشاہ تھا [۱۱۳] عبدالاحد ڈار کے بعد اُس کا بیٹا عبدالغنی ڈار ذیلدار بن گیا جو مہاراجہ ہری سنگھ کی معزولی تک اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔

سیاسی شخصیات میں وونپر (اومپورہ) بڈگام کے ڈار برادران یعنی غلام حسن ڈار، اسداللہ ڈار اور غلام محمد ڈار نے بیسویں صدی کے وسط میں کشمیر چھوڑ دو تحریک کے لئے کام کیا اور شیخ محمد عبداللہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ غلام حسن ڈار بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق کے دور

۱۱۱۔ قوی امکان ہے کہ یہ جاگیر باغات کنی پورہ (چاڈورہ) کے متصِل کلی ڈار نامی گاؤں میں واقع تھی۔ کلی ڈار لفظ کا لسانی اور کشمیر کی بستی ناموں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ کلی ڈار...... کیلاش ڈار کی بگڑی صورت ہوسکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کشمیری سماج میں رسول کو لسہ، غلام کو گلہ، عزیز کو عوز، امکار کو ووم کہنا ایک عام اور قدیم روایت ہے۔ اسی لئے بھی ممکن ہے کہ کیلاش کو کلشی، پھر کلی کہا گیا ہو۔

112.D.N.Dhar, 1989, Socio-Economic History of Kashmir peasantry Srinagar,p.62

۱۱۳۔ ۱۹۴۷ء میں جاگیردارانہ نظام کے خاتمے کے باوجود عبدالغنی کے بیٹے سیف الدین کو ذیلدار مقرر کیا گیا۔ جاگیرداری کا زمانہ ختم ہوا تو سیف الدین ڈار پہلے نیشنل کانفرنس اور پھر ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۷۲ء میں بجبہاڑہ سے اسمبلی کے لئے ممبر چُنے گئے۔ ایک عرصہ تک آپ اننت ناگ کواپریٹیو بینک کے چیئرمین بھی رہے۔ اُن کی اولاد میں مشتاق احمد ڈار بطور چیف انجینئر (آر اینڈ بی) سبکدوش ہوئے۔ نائل ڈانگر پورہ کے ہی عبدالعزیز ڈار نامی شخص کا بیٹا خواجہ نورالدین ڈار (ضلع صدر نیشنل کانفرنس) وزیر اعظم بخشی غلام محمد کا دستِ راست تھا۔ وہ عوام دوست شخص تھا۔ نورالدین ڈار کا بیٹا محمد ایوب ڈار ایک درویش تھا۔ جس کے مریدوں کی تعداد آج بھی سینکڑوں میں موجود ہے۔ ڈانگر پورہ میں غلام نبی ڈار عرائض نویس کے فرزند غلام محی الدین ڈار ایک ایماندار ہائی کورٹ جج تھے (یہ معلومات مشہور لوک ادب شناس جناب غلام نبی آتش نے ۲۴/مارچ ۲۰۱۴ء کو راقم کے نام ایک مکتوب میں قلم بند کی تھیں جس کا عنوان ''نائل کے ڈار اور ڈانگر پورہ'' تھا۔)

میں بڈ گام کے ممبر اسمبلی بھی رہے ہیں ۱۱۴ اسی طرح قصبہ یار (ضلع پلوامہ) کے تاریخی گاؤں دربگام میں محمد اکبر ڈار ڈوگرہ دور کے معروف ذیلدار تھے جو پلوامہ، اننت ناگ اور گاندربل سے پرجا سبھا کے لئے منتخب ہوئے تھے ۱۱۵ بادی پورہ (تحصیل چاڈورہ) کے غلام احمد ڈار ۱۱۶ چمڑہ صاف کرنے کے بہت بڑے بیوپاری تھے۔ بقول عبدالاحد ڈار گلشن ''موصوف'' کا کاروبار نہ صرف ہندوستان کے اہم شہروں میں پھیلا تھا بلکہ ہندوستان سے باہر بھی'' ۱۱۷ ۲۰۱۰ء میں ڈورو شاہ آباد کے مشتاق احمد ڈار نے اخروٹ توڑنے کی ایک مشین بنائی جس کی افادیت کو دیکھ کر مرکزی سرکار کی طرف سے انہیں انعام دیا گیا۔ 118

ڈاروں میں ایک اچھی خاصی تعداد اُدباء اور شعراء کی بھی رہی ہے جن کی ادبی کاوشوں کی بدولت کشمیر کے سیاسی، سماجی حتیٰ کہ مذہبی پہلوؤں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان میں خاص طور سے نُندہ ڈار (۱۸۳۰ء-۱۷۷ء کاٹھی ہول، بیروہ)، لسی ڈار (۱۹۱۰ء-۱۸۰۷ء، مانسو، مانسبل)، رحمان ڈار (۱۹۵۹ء-۱۸۹۷ء، چھتہ بل سرینگر)، خضر ڈار ۱۱۹ (۱۹۵۴ء-۱۸۸۵ء، تجن،

۱۱۴۔ ڈار برادران کے متعلق یہ اطلاع کشمیری زبان کے معروف شاعر و محقق جناب شاہد بڈگامی نے ۱۱/ مارچ ۲۰۱۴ء راقم الحروف کو فراہم کی۔

۱۱۵۔ پکھر پورہ کے ایک لیکچرار ڈاکٹر فاروق بخاری کے مطابق محمد اکبر ڈار نے پانپور اور شوپیاں کی جامع مسجد کے علاوہ سید بلخی کا آستان (واقع پکھر پورہ) بھی تعمیر کیا ہے۔ جب ۱۹۸۰ء میں مرزا محمد افضل بیگ نے انقلابی نیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی تو محمد اکبر ڈار کے بھتیجے محمد ابراہیم ڈار اس نئی تنظیم کے جنرل سیکرٹری بنے۔ (یہ اطلاع بخاری صاحب نے ۲۲/اپریل ۲۰۱۴ء کو فراہم کی)۔

۱۱۶۔ عبدالاحد ڈار گلشن کا کہنا ہے کہ غلام احمد ڈار اصل میں ڈانگر قوم سے تعلق رکھتا تھا اور بعد میں ڈار ذات اختیار کی۔

۱۱۷۔ راقم کے نام عبدالاحد ڈار کے ارسال کردہ مکتوب بعنوان ''غلام احمد ڈار بادی پورہ'' بتاریخ ۲۱ مارچ ۲۰۱۴ء میں لکھا گیا ہے کہ موخرالذکر زبردست غریب پرور تھا جس نے ہندوستان کے کئی شہروں میں کئی مساجد اور مندر بھی تعمیر کئے۔

118.en. Wikipedial.org wiki/Doru__ shahabad

۱۱۹۔ ٹنگہ ہار تجن (پلوامہ) میں سکونت پذیر ہیڈ کانسٹیبل عبدالغفار ڈار کے مطابق اُن کے دادا خضر ڈار ایک عالم تھے جن کے آٹھ بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا محمد اکبر ڈار شیر کشمیر زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے ریٹائر ہوا۔ دوسرا بیٹا احسن ڈار ایس ایچ او کے عہدہ تک پہنچ گیا۔ موخرالذکر کا بیٹا عبدالغنی ڈار ڈی سی کے عہدہ سے سبکدوش ہوا جبکہ اُن کا بیٹا منظور احمد ڈار ۲۰۱۴ء ایس ایچ او کے عہدہ پر براجمان تھا۔

پلوامہ)، احمد ڈار (۱۸۵۵ء۔۱۹۲۶ء، حیدر پورہ، سرینگر)، عبدالستار ڈار رنجور (۱۹۱۷ء۔۱۹۹۰ء، کیگام، شوپیان)، درویش محمد ڈار (۱۹۴۸ء۔، ڈینگ، بٹل، گلاب گڑھ)، امیر ڈار[120] (۱۸۷۱ء۔۱۹۳۵ء، صوند پورہ بچیارہ)، محمد الدین ڈار فوقؔ[121] (۱۸۷۷ء۔۱۹۴۵ء، سویہ بگ بڈگام)، عبدالاحد ڈار آزادؔ[122] (۱۹۰۳ء۔۱۹۴۸ء، رانگر، چاڑورہ)، مامہ ڈار[123] (اندرواری، نایدکدل سرینگر)، عبدالاحد ڈار گلشنؔ[124] (بادی پورہ، چاڈورہ)، محمد اکبر ڈار[125] (حیدر پورہ، سرینگر)،

۱۲۰۔ امیر ڈار کا بیشتر کلام ضائع ہوا ہے۔ تاہم غلام نبی آتشؔ کی انتھک کوششوں سے صرف ان کی ''لیتر'' نامی ''پد'' دستیاب ہوئی ہے۔

۱۲۱۔ محمد الدین ڈار فوق سویہ بگ بڈگام کے ڈار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہاں سے یہ خاندان ہردوشیوہ سوپور منتقل ہوا۔ بعدازاں آپ نے لاہور جا کر سکونت اختیار کی اور ''پیسہ'' نام کا اخبار جاری کیا۔ مکمل تاریخِ کشمیر کے علاوہ آپ نے تاریخ بڈشاہی اور شباب کشمیر نام کی کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔

۱۲۲۔ افغان دور میں رانگر کا ایک بہادر اور بارعب شخص محمد کاظم ڈار (عرف گاشہ بب) پٹھان حکومت کا ایک اہم اہلکار تھا جس کے دو بیٹے تھے محمد ہاشم ڈار اور محمد داوٗد ڈار۔ ہاشم افغان فوج میں افسر تھا جو کشمیر پر سکھ حملے کے دوران مارا گیا۔ اپنے بیٹے کا بدلہ لینے کے لئے کاظم ڈار نے چالیس سپاہیوں کے ہمراہ فاتح سکھ فوج کو کریوہ حیات پورہ (چاڈورہ) میں شب خون مارا۔ کچھ سپاہیوں کو ہلاک کر کے کاظم ڈار بھاگنے میں کامیاب ہوا۔ سکھ فوج چاڈورہ کے گردونواح کی بستیوں میں کاظم ڈار کی تلاش میں تھی۔ مگر کاظم ڈار اپنی (دوسری) بیوی اور ہاشم کے آٹھ سالہ بیٹے اشرف ڈار سمیت رانگر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور آخر کار اپنی جاگیر کیگام (شوپیان) میں جا بسا۔ سکھ حکومت کی مخالفت کی پاداش میں سکھوں نے رانگر میں اُس کا آبائی مکان نذرِ آتش کیا اور اُس کے بیٹے محمد داوٗد ڈار کو قتل کر دیا۔ مقتول (داوٗد ڈار) کے بیٹے حبہ ڈار کے دو بیٹے تھے۔ گاشہِ ڈار اور احمد ڈار۔ گاشہِ ڈار کے بیٹے محمد ڈار کا بیٹا سلطان ڈار تھا جس کے ہاں کشمیری زبان و ادب کا انقلابی شاعر عبدالاحد ڈار آزادؔ پیدا ہوا جو صرف پنتالیس سال کی عمر میں فوت ہوا۔ کاظم ڈار کے بیٹے کے پوتے اشرف ڈار کی اولاد سے ہی کشمیری زبان کے نامور شاعر، سکالر اور نقاد عبدالستار رنجورؔ بھی تھے (مزید تفاصیل کشمیری شیرازہ، جلد: ۲۵، نمبر ۳۔۴ اور سید رسول پونپر کے عبدالستار رنجورؔ پر لکھے مونوگراف، ۱۹۹۴ء میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں)

۱۲۳۔ مامہ ڈار یعنی غلام محمد ڈار کے دادا عبدالعزیز ڈار اعلیٰ پایہ کے قلندر تھے۔ مامہ ڈار نہ صرف شاعر ہے بلکہ ایک خدا دوست بھی ہے۔ اُن کا کلام گنج دریاو (۱۹۹۹ نامی کتاب میں چھپ چکا ہے۔

۱۲۴۔ عبدالاحد ڈار گلشنؔ شاعری کے علاوہ افسانے بھی لکھتے ہیں۔ اُن کی ایک کتاب ''قدم قدم چھ واولن'' چھپ چکی ہے۔ وہ ۲۰۱۳ء میں تحصیلدار کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ عبدالاحد ڈار کے جدِ اعلیٰ غلام رسول ڈار عرف لسی ڈار باشندہ قویل پلوامہ بادی پورہ کے ڈاروں کے ہاں بطور خانہ داماد آئے۔ شعر اور خاص کر داستان گوئی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ لسی ڈار کی اولاد میں اس وقت غلام محی الدین ڈار، عبدالغنی ڈار اور محمد سلطان ڈار (عبدالاحد ڈار گلشنؔ کے والد) بطور وارثان موجود ہیں۔

۱۲۵۔ محمد اکبر ڈار کے باپ کا نام اسد ڈار تھا۔ مرشد اوّل حیدر پورہ کے غلام محمد ڈار تھے۔ اس کے بعد چرار شریف کے مقبول بابا کی تربیت میں رہے اور آخر خانصاحب بڈگام کے غلام احمد شاہ کے مرید ہوئے۔

غلام احمد ڈار عرف عمہ لالہ [۱۲۶] (۱۹۳۷ء-۲۰۱۴ء، برزلہ، باغات، سرینگر) زوہام چاڈورہ میں رہنے والے خدادوست غلام محمد ڈار اور چھتہ بل کے شاعر حبیب اللہ ڈار وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ ڈاروں کے متعلق زیرِ بحث مقالے میں مختلف ماخذوں کا سنجیدہ مطالعہ کرنے کے بعد جو حقائق سامنے آئے ہیں اُن کے مطابق لفظ ڈار کشمیری زبان کے علاوہ عبرانی، انگریزی، یونانی اور آسٹرک (منڈاری اور کھاسی) زبانوں میں زمانۂ قدیم سے ہی موجود رہا ہے۔ عبرانی اور لاطینی میں ڈار موتی جبکہ یونانی میں ذہانت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کشمیری زبان میں ڈار اُن بڑے بڑے زمین کھاتوں، کھیوٹوں اور اِن کے مالکوں کو بھی کہا گیا ہے جن کی زمینوں میں زعفران، مکی، شالی اور ''پیڑ'' وغیرہ بڑے پیمانے پر کاشت کی جاتی تھی۔ ڈار، دادا کی زمین، تاجر، سوداگر یا زعفران اور ''پیڑ'' کا ٹھیکدار کے طور بھی استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ جنگجو، نواب اور جاگیردار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ڈار...... ڈامر سے بنا لفظ ہے جس کا تذکرہ شمیندرا، کلہن، سٹائن، ولسن، لیسن اور کرشنا موہن وغیرہ نے وادئ کشمیر کے قدیم باشندوں کے طور کیا ہے۔ ڈامر چھٹی صدع عیسوی سے کشمیر کی سیاست میں سرگرم رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ مسلح رہتے تھے اور بوقتِ مجبوری حکمرانوں کے خلاف صف آرا ہوتے تھے۔ ڈاروں کا یہ دبدبہ شاہ میر، چک، مغل، افغان، سکھ اور ڈوگرہ دور میں بھی جاری رہا۔ گیارہویں صدی عیسوی کو ڈامروں کی صدی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اُس زمانے میں یہ لوگ اس قدر طاقتور تھے کہ بادشاہوں کی قسمتوں کو سنوارنا یا بگاڑنا اِن کے ہاتھ میں تھا۔ ڈامر...... اُیڈمبرا یا اُڈمبرا سے نکلا لفظ ہے جس کا تذکرہ پانچویں صدی قبل مسیح سے ملتا ہے۔ یہ قبیلہ موجودہ پنجاب کے گورداسپور، ہوشیار پور، جوالہ مکھی، پٹھانکوٹ، ہماچل پردیش کے مغربی علاقے اور جموں و کشمیر میں بود و باش کرتا تھا۔

۱۲۶۔ عمہ لالہ کو فارسی و کشمیری زبان کے علم و ادب کی اچھی خاصی واقفیت تھی۔ صوفی ازم اور صوفی شاعری کے وہ زبردست دلدادہ تھے۔ جلال الدین رومی، مولانا جامی، شیخ سعدی شیرازی، فریدالدین عطار، لل دید، نند ریشی، وہاب کھار، شمس فقیر، احمد بٹواری، صمد میر وغیرہ شعراء کے اشعار عمہ لالہ کے یہاں اکثر و بیشتر زیرِ بحث رہتے تھے۔ راقم نے کئی باراُن سے ملاقات کی ہے۔ اُنہوں نے کچھ نعتیں بھی تخلیق کی ہیں۔

نسلی اعتبار سے اُیڈمبرا غیر آریائی قوم ناگوں کی ایک ذیلی شاخ تا کشکا سے تعلق رکھتی تھی۔ تا کشکا ناگ کشمیر کا قدیم راجہ گزرا ہے۔ مذہبی اور لسانی اعتبار سے بھی اُیڈمبرا، ناگ قوم کی شاخ تھی۔ ڈاروں کے اسلاف یعنی ڈامر اور اُیڈمبرا پہلے ناگ مت اور پھر بُدھ مت کے ماننے والے تھے اور اب مسلمان ہیں۔ بلاشُبہ اُیڈمبرا کا رشتہ کشمیر کے قدیم باشندوں یعنی ناگوں سے جاملتا ہے۔ اس لئے ڈامر اور ڈار کا تعلق بھی اِنہی ناگوں سے رہا ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ دار، در اور دھر......ڈار سے نکلے الفاظ ہیں جو ذات(Surname) کے علاوہ بستی ناموں کے طور بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ڈار ذات کے لوگ ریاست جموں وکشمیر سے باہر پنجاب، دلی، ہماچل، گجرات، ہریانہ، اسلام آباد، راولپنڈی، کراچی، لاہور، امریکہ، برطانیہ اور بنگلہ دیش میں بھی آباد ہیں جو سب کشمیر سے ہجرت کر گئے ہیں۔

ڈاروں نے مختلف ادوار میں اہم سیاسی، سماجی اور ادبی شخصیات کو بھی جنم دیا ہے جن میں سنگرام ڈار، سیف ڈار، بہرام ڈار، کیلاش ڈار، بیربل ڈار، رحمان ڈار، احمد ڈار، عبدالاحد ڈار آزاد، عبدالستار ڈار رنجور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔



راتھر

''راتھر'' ذات کے متعلق تفصیلات کا از حد فقدان ہے۔ عالمی سطح کی بات ہو یا برصغیر کی، اس ذات پر براہِ راست کسی باضابطہ تحقیقی کام کا کوئی عندیہ نہیں ملتا ہے۔ تاہم اوراقِ گزشتہ سے کچھ ایسے اشارے ملے ہیں جو راتھوروں یا راتھروں کا ذاد و بوم کھنگالنے میں کسی حد تک معاون ہو سکتے ہیں۔

راتھر کس زبان کا لفظ ہے، کہنا انتہائی مشکل ہے۔ بحث سے کس نوعیت کے نتائج سامنے آسکتے ہیں، مقالے کے اختتام پر ہی معلوم ہوگا۔ راتھر بظاہر دو لفظوں سے بنا ہے۔ را(Ra) اور تھر (Ther)۔ جس طرح پیڑ کی جڑوں سے کئی تازہ شاخیں سطحِ زمیں پر نمودار ہو جاتی ہیں اُسی طرح را(Ra) لفظ سے بھی کئی الفاظ نے جنم لیا ہوگا جس میں رام، راون، راج اور راجا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ گرائمر کے لحاظ سے ایسے الفاظ زیادہ تر اسم کے دائرے میں آتے ہیں۔ اگر چہ را(Ra) کی بنیاد پر راتھر لفظ معرضِ وجود میں آیا ہے لیکن معنوی اعتبار سے کسی محقق نے اس موضوع کو زیرِ بحث لانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اس لئے راتھر لفظ کی معنوی تہہ تک پہنچنا انتہائی مشکل ہے۔ البتہ اصولِ تحقیقِ لسان اس مسئلے کو سلجھانے میں معاون ہو سکتا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب راتھر لفظ کو توڑ کر یک لفظی اکائی کی دوربین سے پرکھا جائے۔ ایسی لفظی اکائی یا یہ الفاظِ دیگر سابقہ یا لاحقہ کو مدنظر رکھ کر ایک لسانی ماہر پال منان سالا لکھتے ہیں کہ بیشتر آسٹرونیشن زبانوں [1] میں را(Ra) لفظ سورج کی

[1] پیٹر شمت اور گریرسن نے آسٹرک زبانوں کو دو حصوں میں بانٹا ہے۔ آسٹروایشیٹک اور آسٹرونیشن۔ زبانوں کے دونوں گروپ بھارت اور جنوبی ایشیاء میں رائج ہیں۔ آسٹرونیشن زبانیں مداگاسکر اور انڈونیشیا اور پیسفِک جزائر میں بولی جاتی ہیں۔

روشنی اور چمکنا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۲] معنیاتی اعتبار سے را(Ra) ایک سنسکرت لفظ راج، جس کے معنی چمکنا ہے، سے ملتا جلتا ہے۔ راج کو راجہ اور سلطنت جیسے معنی بھی دیئے گئے ہیں۔ مؤخر الذکر لفظ یعنی راج کو رومی زبان کے ریکس(Rex) سے بھی جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ سبھی الفاظ روی یا کشمیری رو یعنی سورج کے مشابہ ٹھہرے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ الفاظ ہند یورپی لسانی خاندان سے ملتے جلتے ہیں۔ تاہم منان کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اس حوالے سے وہ یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"While there may certainly a relation between the European and Sanskrit terms, the correct etymology seems to be Austric." 3

جدید روٹ تھیوری کے مطابق منان کی اس رائے میں بڑا دم خم نظر آتا ہے کہ را(Ra) وغیرہ الفاظ کا سرچشمہ آسٹرک لسانی خاندان سے میل کھاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ را (Ra) سے شروع ہونے والے الفاظ پرائے نہیں بلکہ مقامی ہیں جس میں راتھر، راتھور، راتھوڑ اور راٹھور قابلِ ذکر ہیں۔ اس لئے یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کہ یہ الفاظ آسٹرک لسانی خاندان کی زبانوں سے ہی ماخوذ ہیں۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ آسٹرک زبانیں قدیم ہند میں کنیا کماری سے لے کر کشمیر تک پھیلی ہوئی تھیں۔[۴] اس خاندان کی دو بڑی شاخیں آسٹرو ایشیٹک اور آسٹرونیشن ہیں۔ آسٹرو ایشیٹک لسانی خاندان چار شاخوں پر مشتمل ہے جس میں منڈا (جو قدیم زمانے میں کول نام سے مشہور تھیں)، مون کھمبر، نکوباری اور ملا کا قابلِ ذکر ہیں۔ آسٹرو ایشیٹک کی ایک اور زبان کھاسی/کھسی جموں وکشمیر سمیت ریاستِ میگالیہ کے علاوہ شمالی ہندوستان کے بعض علاقوں میں رائج تھی۔[۵] خیال قوی ہے کہ بشمولِ کشمیر بھارت کے قدیم

2. Paul Manansala, Austric influence in the Brahamana and Rishi Traditions, International Journal of Dradivian Linguistics, Vol.xxiv, no.2, 1995, pp.90-117

3. Ibid, P. 107

4. R.C. Jain, 1970, Ethnology of Ancient Bharata, Varanasi, P.288

۵۔ ڈاکٹر آفاق عزیز ۳ ۲۰۰ء، ملکھاہ......اکھ تواریخی۔ لسانی جائزہ، سنٹر آف سنٹرل ایشین سٹیڈیز، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر، ص۔ ۳۹

باشندے ناگ آسٹرک زبان کو ہی استعمال کرتے تھے۔ کشمیر میں یہ زبان کس نام سے مشہور تھی، تا ایں دم معلوم نہیں ہے۔ البتہ راج ترنگنی سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ایام میں دریائے ویتستا یعنی جہلم کے دونوں کناروں پر کھاسی قوم آباد تھی۔ یہ لوگ راجوری اور اس کے گردونواح میں بھی بودوباش کرتے تھے۔ [۶]

رہی بات راتھر لفظ کے لاحقہ ''تھر (Ther) کی تو مختلف زبانوں میں اس کے کئی معنی ہیں۔ سنسکرت میں ''تھر'' کو ''پتر'' (Son) لفظ سے ماخوذ مانا گیا ہے جس کے معنی اولاد ہیں [۷]۔ بعض زبانوں میں اس کے معنی کانٹے دار پتے والی گھاس ٹھہرا ہے۔ کشمیری زبان میں یہ لفظ بطور بیٹا مروج ہے [۸]۔ اس بحث سے یہ خاص معنی سامنے آتے ہیں کہ را (Ra) کا معنیاتی پس منظر روشنی، چمکنا اور سورج جیسے الفاظ میں محفوظ ہے۔ جبکہ ''تھر'' کا سرچشمہ ''پتر'' یعنی اولاد یا بیٹا ٹھہرا ہے۔ جب لفظ کے دونوں حصے ملا کر استعمال کئے جائیں تو اس کا معنی چمکتا ہوا، روشن خیال یا سورج جیسا بیٹا یا اولاد بنتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی سچ ہے کہ معنیاتی اعتبار سے ''تھر'' لفظ کو عزت اور وقار کے جامے بھی پہنائے گئے ہیں [۹] کشمیری سماج میں ''تھر کھالن (یعنی عزت بخشنا) نامی اصطلاح عام طور استعمال کی جاتی ہے۔ غرض را (Ra) + ''تھر'' (Ther) کو ''را'' + ''پتر'' یعنی ''راز پتر'' یا راجہ کے معنی نکلتا ہیں۔

اِدھر ڈاکٹر نوول ویوگی اور پروفیسر ایم انور انصاری کا کہنا ہے کہ کشمیر میں بہت بڑے زمیندار اور جاگیردار کو ڈار جو ادمبرا اور ڈامرا سے ماخوذ ہیں، کہا گیا ہے ان کے بقول دوسری ریاستوں میں ایسا ہی یا یہی مرتبہ ٹھاکر، راتھی یا راتھا اور رینا کو حاصل ہے [۱۰] جہاں تک راتھی/راتھا

6. Dr. Afaq Aziz, 2001, Ancient Kashmir-An Anthropolinguistic Analysis, Unpublished Research Project of CCAS, University of Kashmir Srinagar, PP. 20-80

۷۔ کاشر ڈکشنری، ۱۹۷۳ء جلد ۲، سری نگر، ص، ۱۱۷

۸۔ ایضاً ، ص۔ ۳۷۵

۹۔ ایضاً ، ص۔ ۳۷۵

10. Dr. Naval Viyogi and Prof. M. Anwar Ansari, 2011, History of the latter Harapans and Shilpakara Movement, Vol.I, Delhi , P.263

لفظ کا تعلق ہے، ان سب سے راتھر کی بو آتی ہے۔ راتھی ایک مرکب لفظ ہے۔ ''را'' اور ''تھی''۔ ''را'' کی وضاحت ہو چکی ہے۔ ''تھی'' ایک لاحقہ ہے جس کے معنی ہیں قائم کرنا، تلاش کرنا، کھڑا ہونا اور گھومنا 11۔ اگر ''را'' + ''تھا'' کو ملا کر استعمال کیا جائے تو اس کے معنی میں کایا پلٹ ہو جائے گی۔ پالی لغت میں ''رتھا'' لفظ کو سلطنت اور مُلک کے معنی میں اپنایا گیا ہے 12۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لفظ راسٹرا یا راشٹرا جو ویدک زبان سے منسلک ہے، دور، حکومت اور سلطنت جیسے معنی رکھتا ہے۔ 13۔ اسی طرح راتھوراگاہ لفظ سے بھی راتھر کی بو آتی ہے۔ یہ قبیلہ بھارت کے شمال مغرب میں بود و باش کرتا تھا 14۔

راتھروں کا نسلی رشتہ

جموں و کشمیر سمیت برصغیر کے سبھی علاقوں میں جو راٹھور، راتھور یا راتھر رہتے ہیں، ماہرین سماجیات ان کا نسلی رشتہ صحیح معنوں میں ڈھونڈنے سے قاصر ہیں۔ مشہور ماہر سماجیات جیمز ٹاڈ رقمطراز ہے:

" A doubt hang on the origin of this genealogies trace their pedigree race. The Rathore, son of Rama; consequently they would be Sooryavansa" 15

راتھر شجرہ نویسوں کے اس دعویٰ کہ اُن کا نسلی رشتہ شری رام چندر جی کے فرزند ثانی مہاراجہ کشن سے جا ملتا ہے، قوی بھاٹ ۱۶ سرے سے اس کو رد کرتے ہیں ۱۷۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اِن کا مورث اعلیٰ مہاراجہ کشن نہیں بلکہ کشپ راکھسہ تھے ۱۸۔ راکھسہ کون تھا، اس حوالے سے بہت

11.T.W Rhys Davids, William Stede, 2003, Pali-English Dictionary, Delhi, PP.289-309-
12. Ibid, P.562-
13. Ibid, P.562
14. Dr.V.S.Agrawala, 1964, Bharata Savitri, Vol.II, Delhi, P.124
15.James Tod, 1983, Annals and Antiquitis of Rajasthan, Vol.I, New Delhi, P.74
۱۶۔ بھاٹ، سنسکرت بھاٹیا سے مشتق ہے۔ اس کے کئی معنی ہیں جس میں خوشامدی، گیت بنانے یا سنانے والا، وہ برہمن جن کا کام خاندانی شجرے یاد رکھنا اور شادی بیاہ وغیرہ کے موقعہ پر لوگوں کو سنانا ہوتا ہے، شامل ہیں۔
17.James Tod, 1983, Annals and Antiquitis of Rajasthan, Vol.I, New Delhi, P.74-
18. Ibid , P.74

کچھ لکھا گیا ہے جس پر آگے بحث ہوگی۔ فی الحال راکھسہ لفظ کی صورتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ لسانی اعتبار سے اس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً رکھ، راکھا، رکھیہ ،راکھا کا، رکھاتی، رکھایا، رکھانہ، رکھا نکا، رکھاسہ اور رکھس وغیرہ۔19 اِن لفظوں کے کئی معنی دیئے گئے ہیں۔ رکھس اور رکھاسہ کے بغیر مذکورہ بالالفظوں کو ملند پناہ میں نگہبان، پہرہ دینے والا، محافظ، نظر رکھنا اور سرپرست معنی دیئے گئے ہیں۔20 رکھسہ اور رکھاسہ کو لیجئے، ان لفظوں کے مختلف معنی ہیں۔ پالی زبان میں اِن لفظوں کو ضرر پہنچانا اور ضرب لگانا، کے معنی دیئے گئے ہیں 21 جبکہ ویدک میتھالوجی نامی کتاب میں ان لفظوں کو حفاظت کرنے اور نگہداشت کرنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے 22 ان ہی لفظوں سے شاید راکھس اور راکھش بھی ماخوذ ہیں جن میں ساختی اور معنوی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ کشمیری، منڈاری اور بنگالی زبان میں راکھش کو اجنبی، وحشی اور زیادہ کھانے والا کہا گیا ہے ۲۳۔ انڈونیشیائی زبانوں جو آسٹرونیشن لسانی خاندان سے منسلک ہیں، میں راکھش کو عفریت اور لالچی بتایا گیا ہے ۲۴۔ جیمز ٹاڈ اسے ایک قدم آگے بڑھا ہے۔ اُس نے راٹھوروں کو آسیب زدہ، بھوت اور بدرُوح قرار دیا ہے 25۔ تاہم تازہ ترین تحقیق میں وہ تمام الزامات غلط ٹھہرائے گئے ہیں جو مذکورہ بالالفظوں سے منسلک ہوئے تھے۔ سماجیات کے محقق شری راما شریہ تمام تحقیقی اصولوں کو بروئے کار لا کر دعویٰ کرتے ہیں کہ راکھش یا رکھس نہ بھوت اور نہ ہی آسیب زدہ مخلوق ہے بلکہ یہ ایک تہذیب یافتہ قوم تھی 26۔ رہی بات راکھہ کی۔ اس لفظ کو جہاں راکھسہ (Raksa) پڑھا جاتا ہے۔ وہیں اس کا ہم پلہ راچس (Rachas) اور راچھی لفظ (Rachi) بھی رائج ہے ۲۷۔ کہا جاتا ہے کہ یہی راچھی لفظ بگڑ کر راتھر اور پھر راٹھور شکل اختیار کر گیا ۲۸۔ مولانا حکیم عبدالشکور اوراق پارینہ کھنگالنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے

19,20; T.W Rhys Davids, William Stede, , 2003, Pali-English Dictionary, Dehi,Ibid, PP, 560-561-

21. Ibid,P.560

22. A.A.Macdonell 1897, Vedic Mythology , Strassburg, PP.162-164

۲۳۔ ڈاکٹر آفاق عزیز، بیتونسب نامہ......ایک تحقیقی مطالعہ، شیرازہ، جلد ۵۱، شمارہ ۶، ۲۰۱۵ء، کلچرل اکیڈیمی، سرینگر، ص ۳۲-۳۶

۲۴۔ مذکورہ، ص ۳۳

25. James Tod, 1983, Annals and Antiquitis of Rajasthan Vol-I, New Delhi, P.74

26. Why caste system was created in Hinduism.net

۲۷۔ مولانا حکیم عبدالشکور، ۱۹۷۴ء، تاریخ میوچھتری، گوڑگانوں، ہریانہ، ص ۲۲۴

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۲۶

ہیں کہ راٹھور راجپوت چھتریوں کا ایک قبیلہ ہے جو قدیم کال میں راتھر نام سے مشہور تھا۲۹۔ رگ وید کے حوالے سے ایک اور تھیوری یہ پیش کی جارہی ہے کہ چھتری لفظ از خود کھشتری سے ماخوذ ہے۔ ویدوں کے تجزیہ نگار میکس مولر اس بات کے قائل ہیں کہ کھشتریہ یا کھشتری ''طاقتور'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سنسکرت لغت نویسوں نے اس لفظ کو زخموں پر مرہم لگانے کے معنی دیئے ہیں جبکہ تاریخ راجوار میں چھتری کو شتری لکھا گیا ہے۔ مثلاً

> ''چھتری اصل میں شتری ہے جس کے معنی ہتھیار بند کے ہیں یا حسب لغت چھت بہ معنی زخم، دتری بہ معنی محافظ، یعنی چھتری وہ لوگ ہیں جو رعایا کو زخموں سے بچاتے ہیں۔ چھتری یا کھشتری لفظ کا اطلاق عمومیت رکھتا تھا۔ یعنی راجے ہوں یا افسر، یا فوج کے سپاہی، قومیت کے لحاظ سے چھتری یا کھشتری کہلاتے تھے......'' ۳۰

بغور اور گہرے مطالعے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ چھتر سایہ کرنے کی چیز ہے جس سے ہر چند حفاظت کے معنی جھلکتے ہیں۔ چودھری افضل خان اپنی کتاب ''راجپوت گوتیں'' میں چھتری کا دوسرا نام راج پوت لکھتے ہیں۔ اسی طرح کاکی چکرا بورتی بھی رتھ/ رتھی نامی مضمون میں راتھور کو راجپوت خاندان سے جوڑ دیتا ہے۔۳۱ مختصر یہ کہ راجپوت ہو، چھتری، کھتری ہو یا کھشتری، شتر ہو یا چھتر، راچس ہو یا راچھی، راکھی ہو یا راٹھی، راتھور ہو یا راٹھور، ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر و بیشتر اس قوم نے اپنوں کو غیر ملکی حملہ آور اور داخلی بغاوت سے بچایا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ ہتھیار بند رہتے تھے اور حفاظت کے لئے مامور ہوتے تھے۔

کشمیر میں راتھر

سر والٹر لارنس نے دی ویلی آف کشمیر میں کئی ذاتوں کا منبع برہمن، کئی کا شودر اور کئی کا کھتری قرار دیا ہے۔ ذاتوں کا اندراج کرتے وقت لارنس نے کول، پنڈت، یتو، رشی، منٹو اور گنائی کو برہمن اور ماگرے، تانترے، ڈار، ڈانگر، رینہ، ٹھاکر، نائیک اور راتھر کو کھتّری خاندان سے منسلک کیا ہے۔ اُنہوں نے ان سبھی ذاتوں کا تذکرہ ''شیخ'' عنوان کے تحت کیا ہے جس سے یہ

۲۹۔ ایضاً، ص، ۱۰۱، ۱۰۴   ۳۰۔ بحوالہ تاریخ میو چھتری، ص، ۲۲۹

۳۱۔ کے۔ایس۔سنگھ، ۱۹۹۸ء پیوپلز آف انڈیا: راجستھان، جلد۔۳۸، پارٹ۔۲، ممبئی۔ص، ۸۰۸

مطلب لیا گیا کہ راتھر سمیت مذکورہ بالا ساری ذاتیں شیخ ذات کی ذیلی شاخیں ہیں۔اس راستے پر اولاً محمد الدین فوق یوں رواں دواں نظر آتے ہیں۔

''راتھر بھی کشمیر کے ان شیوخ میں سے ہیں جو کھشتر یوں سے مسلمان ہو گئے تھے'' ۳۲۔

اسی طرح عبدالغنی بیگ اطہر، لارنس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''راتھر ذات کشمیر کے شیخوں میں ایک ہے۔'' ۳۳ حالانکہ لارنس نے ایسے بلا واسطہ لفظوں کا استعمال نہیں کیا ہے جن سے وہ معنی ومطلب نکلیں جو فوق اور اطہر نے نکالے ہیں ۳۴۔ یہ بھی سچ ہے کہ لارنس نے ''شیخ'' عنوان میں جن الفاظ کو لایا ہے اس سے فوق اور اطہر والا نچوڑ ہی نکالا جاسکتا ہے۔غور سے پڑھا جائے تو لارنس کا تذکرہ کافی حد تک مبہم لگتا ہے جسے شکوک وشبہات کا جنم یقینی ہے۔راتھروں پر مزید بات کرتے ہوئے والٹر لارنس لکھتے ہیں کہ یہ لوگ فوجی اور جنگجو تھے۔۳۵ اسی بات کو محمد الدین فوق اور عبدالغنی بیگ اطہر نے دہرایا ہے۔تاہم قاضی غلام نبی راتھر کو ذات نہیں بلکہ ایک خطاب کی عینک سے دیکھتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''قدیم زمانے میں راتھر ایک فوجی خطاب اور عہدہ تھا۔'' ۳۶۔

چودھویں صدی سے لے کر آج تک ایسی کوئی تاریخ سامنے نہیں آئی جس سے پتہ چلے کہ کس قبیلے اور ذات کے لوگوں نے کب، کیوں اور کیسے اپنے قدیم مذہب (بدھ مت، شیومت، ہندومت) کو خیر باد کہا اور ایک نئے مذہب ''اسلام'' کو گلے لگایا۔اس لئے یہ دلیل دینا کہ فلاں ذات کے لوگوں نے اسلام قبول کرتے وقت یہ ذات یا وہ ذات اپنائی، انتہائی گمراہ کن خیال ہے۔ہاں۔اتنا تو ضرور ہے، وہ بھی قیاس اور شبہات سے بھرا کہ بعض لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی پشتنی ذات چھوڑ دی اور ایک نئی ذات اپنائی جس میں

۳۲۔محمد الدین فوق، ۱۹۸۸ء، تاریخ اقوام کشمیر، سرینگر، ص، ۱۴۳

۳۳۔عبدالغنی بیگ اطہر، ۱۹۹۹ء، مقالاتِ اطہر، نئی دہلی، ص، ۱۰۲

34. Walter R. Lawrence,1967, The Valley of Kashmir, Srinagar, P.306

35. Ibid, P. 306

۳۶۔قاضی غلام نبی قاضی، ۱۹۹۲ء، تعارفِ کشمیر، سری نگر، ص۔۵۴

شیخ ذات قابل ذکر ہے۔اس رجحان پرفوری طورزیادہ تران لوگوں نے لبیک کہا جن کا تعلق لُورکاسٹ گروہ سے تھا۔جہاں تک راتھر یا کشمیر کی باقی پشتنی ذاتوں کا تعلق ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد مشکل سے کسی نے اپنے اجداد سے ملی ہوئی ذات بدلی ہو۔راتھر ویسے بھی عزت واحترام، بہادر اور رئیسانہ زندگی گزر بسر کرتے تھے۔اس لئے ان پر اپنی آبائی ذات تبدیل کرنے کی تہمت میں زیادہ وزن نہیں ہے۔

یہ بات پہلے ہی کہی جا چکی ہے کہ ابھی تک راتھر ذات پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔چند اشارے جو تاریخ سے کھنگالے گئے، دستیاب تو ہیں لیکن مقالے کو مزید وسعت دینے میں زیادہ تر سینہ بہ سینہ چلی آرہی روایات پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔تاہم یہ بات بالا فطری خیالات، مفروضوں اورفوک تصورات سے پاک ہے کہ راتھر کشمیر کی پرانی ذات ہے۔ایک مشہور محقق اور تجزیہ نگار نریندر سہگل لکھتے ہیں کہ:

''راتھر کشمیر کی ایک قدیم اورسب سے قدیم ذات ہے۔''37

مورّخ حسن کا کہنا ہے کہ راتھر ذات کے لوگ راجاؤں کے دور میں تیر وتلوار سے لیس ہوتے تھے۔اُنہوں نے دورِ سلاطین میں اسلام قبول کیا اور اپنی قدیم ذات راتھر برقرار رکھی ۳۸۔ راتھروں پر قلم آزمائی کرتے وقت مورّخ حسن شاہ کھویہامی نے یہ بھی درج کیا ہے کہ اُنہوں نے بار ہا فساد برپا کر کے کئی شہر بُرباد کئے ۳۹۔بعض لوگوں میں یہ تاثر بھی پایا جاتا ہے کہ راتھر ''لڑایہ گر'' (لڑاکو) ہیں۔جب الزام لگانے والوں سے اس کی جوازیت طلب کی جاتی ہے تو وہ جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں۔لڑاکو ہونے کا یہ الزام صرف راتھروں پر عائد نہیں ہے بلکہ کشمیر کی بیشتر قدیم ذاتوں کو اس تہمت سے نبرد آزما ہونا پڑا ہے جس میں ڈار،لون، نائیک، ماگرے، پرے اور تانترے قابل ذکر ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ راتھر قوم زمانۂ قدیم سے سرکاری فوج کا حصہ رہی ہے جو دشمنوں کے دانت

37.Narender Sehgel, 2011, Memorial of Mistakes, A Bitter Saga of Religious Conversion, ch.,3,Sub. title ," Why all Kashmiris are called Pandits, Para, II, Line, 5-13, PP.207 Delhi

۳۸۔تاریخِ حسن، ۱۹۹۸ء، کاشُر ترجمہ۔ڈاکٹر شمس الدین احمد، جلد اوّل، کلچرل اکیڈیمی سرینگر، ص، 51

۳۹۔ایضاً ص۔۵۱

کھٹے کرنے میں ماہر تھے۔ علاوہ ازیں کشمیری راتھر بڑے زمیندار تھے۔ ان کے قبضہ میں ہزاروں کنال زمین تھی۔ سرکاری عہدوں پر بھی فائز تھے۔ اس لئے اُنہیں بااثر اور بارسوخ لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔

رہی بات راتھروں پر لڑا کو ہونے کے الزام کی، اس کے کئی پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ جو قوم یا قبیلہ فوج میں کام کرتا ہو، کافی زمین و جائیداد کا مالک ہو، بہادری، دلیری اور جنگی صلاحیتوں سے مالا مال ہو، اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو اور رئیسانہ زندگی بسر کرتی ہو اس پر الزامات لگنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پھر بھی کشمیر میں الزام تراشی اور تہمت سازی کے پیچھے اُن غیر ملکی لوگوں کا کلیدی ہاتھ رہا ہے جن کی دال راتھروں سمیت کشمیر کے پشتنی باشندوں کے سامنے نہیں گلتی تھی۔ دوسرا یہ کہ بعض اقوام حسداً کسی خاص ذات کے لوگوں کو نیچا دکھانے کے لئے تہمت لگانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ پھر بھی راتھروں کو ہر الزام سے بری کرنا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔ حمید اللہ، جوانت ناگ کی ایک گجر بستی نو بگ کے مکین تھے اور جو حمید اللہ شاہ آبادی کے نام سے مشہور ہے، نے اپنے ''بے بوج نامہ'' میں سکھ دور کی نوکر شاہی کے خلاف مختلف اہلکاروں کو جو طنزیہ نام دیئے ہیں، اس سے ''بے بوج نامہ'' سے مختلف عہدہ داروں کا کردار سامنے آتا ہے جسے عوام پر جاری بربریت، تنگدستی اور مظالم کی داستان سے آشنائی ہوتی ہے۔ مثلاً پٹواری کو عداوت کول، شالی سٹور کے چیف کو دیوالیہ داس، ہر کارے کو فساد بھٹ وغیرہ وغیرہ ناموں سے جانا جاتا تھا ۴۰۔ اِن لفظوں کا لاحقہ کول، داس اور بھٹ ہے جو کشمیر کی قدیم ذاتیں ہیں۔ ان ذاتوں کے لوگوں کو سرکاری عہدوں پر تعینات رہنے کے باعث رائج الوقت قانون کو عملاً نافرضِ منصبی بھی تھا اور مجبوری بھی۔ اس بنا پر ذاتوں کو فسادی، ظالم یا اور کوئی نام دینا حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ ''بے بوج نامہ'' میں حمید اللہ شاہ آبادی ''قانون گو'' کو'' کاذب راتھر'' جیسی کھجّی سے نواز کر اپنا غصہ کم تو کرتا ہے لیکن قانون گو کو کاذب راتھر کہنے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی، اُن کا ازالہ ناممکن ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حمید اللہ نے جس زمانے کے ساتھ کاذب راتھر کو منسوب کیا ہے، وہ سکھ دور تھا۔ اس طنزیہ جملے کے مطابق راتھر ذات کے لوگ پڑھے لکھے

۴۰۔ ارجن دیو مجبور، ذاتیں اور قبیلے، ہمارا ادب (جموں و کشمیر نمبر۔۵)، ۱۹۸۳ء۔۱۹۸۴ء، کلچرل اکیڈیمی سرینگر، ص ۲۱۴

اور قانون جاننے والے بھی تھے اور قانون گو کے عہدے پر بھی فائز تھے۔ جب کاذب کے لفظی معنی کی جانچ کی جائے تو ذہن میں فوراً دروغ گو اور جھوٹے شخص کی تصویر سامنے آتی ہے جس سے راتھر لفظ بھی شک کے دائرے میں آتا ہے کہ وہ لوگ بھی ظلم و جبر یا لوگوں کو ستانے میں ملوث تھے، تاہم یہ واضح نہیں ہے کہ سکھ دور کے کشمیر میں ہر جگہ قانون گو کا عہدہ راتھروں کے ہاتھوں میں تھا۔ تب جا کر کاذب راتھر کو جنرل لائز کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے کہ قانون گو عہدوں پر ایک ہی ذات کے لوگ تعینات ہوں۔ بہر حال الزامات لگانا دنیا کا دستور رہا ہے۔

راتھروں کی بود و باش کا جائزہ لیا جائے تو ان لوگوں نے جہاں بھی سکونت کی ہے، ان میں روایتی ٹھاٹ باٹ کے آثار نمایاں رہے ہیں۔ جموں و کشمیر کا شاید ہی کوئی علاقہ ہو جہاں راتھر ذات کے لوگ موجود نہ ہوں۔ خطۂ چناب ہو یا کشمیر صغیر (بھدرواہ)، پونچھ ہو یا علاقہ راجوری، بسوہلی ہو یا خطہ رام بن، کٹھوعہ ہو یا گول گلاب گڑھ، منجا کوٹ ہو یا علاقہ پاڈر غرض بانہال سے لے کر حویلی (پونچھ) تک پورے صوبۂ جموں میں راتھر لوگوں کی بستیاں موجود ہیں۔

وادئ کشمیر میں راتھر بستیوں کے متعلق جاننا ہو تو مشاہدے کی بنیاد پر وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہر قریہ اور ہر گاؤں میں یہ لوگ کثیر تعداد میں رہتے ہیں۔ ڈکسم سے لورمنڈا، ویری ناگ، قاضی گنڈ سے اوڑی، کمان پوسٹ سے گریز، اور سونہ مرگ سے امرناتھ گپھا تک کے سارے علاقے میں راتھر ذات کے لوگ سکونت پذیر ہیں۔ اگر سو سال قبل کی بات کریں تو 1911ء کی مردم شماری کے مطابق ملکِ کشمیر میں راتھروں کی کل آبادی 33951 تھی جس میں 2545 افراد جموں، 126 گلگت اور 31280 وادئ کشمیر میں رہتے تھے41۔ 1931ء میں راتھروں کی آبادی کل ملا کر 39725 تک پہنچ گئی تھی جس میں 17940 عورتیں اور 21725 مرد تھے42۔ اس طرح بیس سال کے عرصہ میں راتھروں کی آبادی میں 5774 افراد کا اضافہ ہُوا۔

41.Census of India , Jammu and Kashmir Chapter,P.299,1911

42.Anant Ram Raina and Hira Nand, 1931, Censes of India , Vol.XXIV , Jammu and Kashmir State , Part.I,P.316

رہی بات دورِ حاضر کی تو آزادیٔ ہند کے بعد بالعموم اور گزشتہ چالیس سے بعد بالخصوص مردم شماری میں ان چیزوں کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اس لئے مصدقہ طور یہ کہنا انتہائی مشکل ہے کہ اس وقت راتھروں کی کل آبادی کیا ہوگی۔ لیکن سرسری اندازہ کے مطابق راتھروں کی آبادی 4 لاکھ کے آس پاس ہوسکتی ہے۔ راقم نے راتھر ذات کے حوالہ سے تمام اعداد و شمار جمع کرنے کی کافی کوشش کی لیکن ذاتی مصروفیات کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ تاہم بعض سماجی کارکنوں کی معاونت سے کچھ دیہات کے اعداد و شمار اس طرح سامنے آئے ہیں:۔

نمبرشمار	نام بستی	نام تحصیل	راتھر کی آبادی	نمبرشمار	نام بستی	نام تحصیل	راتھروں کی آبادی
۱	گوتہ پور	بیرو	۲۰ گھرانے	۱۸	مکہ ہوم	بیرو	۷ گھرانے
۲	وڑون	بیرو	۱۵ گھرانے	۱۹	بامبرود	بیرو	۲۰ گھرانے ۴۳؎
۳	آرتھ	بیرو	۶۰ گھرانے	۲۰	لدو	پانپور	۲ گھرانے
۴	کووُس	بیرو	۳ گھرانے	۲۱	مُنہ پور	پانپور	۳۰ گھرانے
۵	ژائرُ	بیرو	۴ گھرانے	۲۲	وُین	پانپور	۳۰ گھرانے
۶	رٹھسون	بیرو	۴ گھرانے	۲۳	بالہ ہوم	پانپور	۲۰ گھرانے
۷	وُہنگام	بیرو	۳ گھرانے	۲۴	کونہ بل	پانپور	۲۰ گھرانے
۸	ژیوڈر	بیرو	۴ گھرانے	۲۵	پانپور	پانپور	۳۰ گھرانے
۹	سونہ پاہ	بیرو	۱۲ گھرانے	۲۶	ژندہور	پانپور	۴۰ گھرانے
۱۰	سوزیٹھ	بیرو	۱۰ گھرانے	۲۷	بارُس	پانپور	۳۰ گھرانے
۱۱	ژکہ پور	بیرو	۳ گھرانے	۲۸	لیتہ پور	پانپور	۲۰ گھرانے
۱۲	کولہ ہوم	بیرو	۲ گھرانے	۲۹	سونبُر	پانپور	۲۲ گھرانے
۱۳	سورش	بیرو	۱۰ گھرانے	۳۰	زن تراگ	پانپور	۷ گھرانے
۱۴	ملہ پور	بیرو	۸ گھرانے	۳۱	ناگندر	پانپور	۱۸ گھرانے
۱۵	اسکندر پور	بیرو	۲۰ گھرانے	۳۲	کھریو	پانپور	۱۷ گھرانے ۴۴؎
۱۶	لٹنہ	بیرو	۱۵ گھرانے	۳۳	ڈلون	چرارشریف	۳۰ گھرانے
۱۷	پالہ پور	بیرو	۲۰ گھرانے	۳۴	پکھرپور	چرارِشریف	۱۵ گھرانے

۴۳؎۔ یہ اطلاعات محمد شفیع میر ساکنہ بیرو نے فراہم کی جس نے راقم کی نگرانی میں حال ہی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

۴۴؎۔ یہ اطلاعات علی محمد ڈار ساکنہ لدو پانپور نے راقم کو مورخہ ۹/اکتوبر ۲۰۱۷ء کو فراہم کیں۔

نمبرشمار	نام بستی	نام تحصیل	راتھر کی آبادی	نمبرشمار	نام بستی	نام تحصی	راتھر کی آبادی
۳۵	فطلی پور	چرارشریف	۱۰ گھرانے	۵۵	پاری گام	پلووم	۵ گھرانے
۳۶	کنہ دجن	چرارشریف	۱۲ گھرانے	۵۶	بیگم باغ	پلووم	۲ گھرانے
۳۷	پھریس ڈبن	چرارِشریف	۱۸ گھرانے	۵۷	نامن	پلووم	۳ گھرانے
۳۸	دارون	چرارِشریف	۸ گھرانے	۵۸	لرو	پلووم	۲ گھرانے
۳۹	چرارِشریف	چرارِشریف	۱۸ گھرانے	۵۹	مونگہوم	پلووم	ا گھر
۴۰	ژراونی	چرارِشریف	۸ گھرانے	۶۰	سرین	پلووم	۲ گھرانے
۴۱	زگی پور	چرارِشریف	۵ گھرانے	۶۱	مُرن	پلووم	۱۵ گھرانے
۴۲	ملہ پور	چرارِشریف	۵ گھرانے	۶۲	پنگلن	پلووم	۳ گھرانے
۴۳	دردپور	چرارشریف	۱۴ گھرانے	۶۳	ڈوڈر	پلووم	۲ گھرانے
۴۴	تنلہ سر	چرارِشریف	۸ گھرانے	۶۴	کنگن	پلووم	۸ گھرانے
۴۵	ہاپتھ نار	چرارِشریف	۵ گھرانے	۶۵	مترگام	پلووم	۶ گھرانے
۴۶	رہمو	پلووم	۵ گھرانے	۶۶	چھترپور	پلووم	۳ گھرانے
۴۷	گوس	پلووم	۲ گھرانے	۶۷	لاس پور	پلووم	۶ گھرانے
۴۸	اشمندر	پلووم	۲ گھرانے	۶۸	تلن گام	پلووم	۲ گھرانے
۴۹	وہنگ	پلووم	۲ گھرانے	۶۹	لوجُر	پلووم	۵ گھرانے
۵۰	لوسونی	پلووم	۲ گھرانے	۷۰	قویل	پلووم۴۵؎	ا گھر
۵۱	زوڈر	پلووم	۲ گھرانے	۷۱	بنڈزو	پلووم	۵ گھرانے
۵۲	کاکہ پور	پلووم	۵ گھرانے	۷۲	صوف شالی	کوکرناگ	۲ گھرانے
۵۳	نیو	پلووم	۶ گھرانے	۷۳	ناگم	کوکرناگ	۳ گھرانے
۵۴	ورون	پلووم	۲ گھرانے	۷۴	بڈرحیات پور	کوکرناگ	۳ گھرانے

۴۵؎۔ یہ اعداد وشمار غلام رسول ملک ولد ثناء اللہ ملک (عمر ۵۶ سال) ساکنہ پلووم، علی محمد راتھر ولد احد راتھر (عمر ۵۲) ساکنہ کاکہ پور اور ایاز محی الدین ولد غلام محی الدین راتھر (عمر ۴۷) ساکنہ گنڈ پور پلووم نے فراہم کیں۔ یہ اعداد وشمار راقم نے جولائی، اگست 2015ء میں جمع کئے۔

۷۵	ہانگل گنڈ	کوکرناگ	۵ گھرانے	۹۷	وڑی پور	ژوڈر	۳۰ گھرانے
۷۶	بندہ	کوکرناگ	۲ گھرانے	۹۸	حیات پور	ژوڈر	۷ گھرانے
۷۷	ذلنگام	کوکرناگ	۲ گھرانے	۹۹	بادی پور	ژوڈر	۳۰ گھرانے
۷۸	چھترگل	کوکرناگ	۴ گھرانے	۱۰۰	سوگام	ژوڈر	۵ گھرانے
۷۹	دیوسر	کولگام	۱۶ گھرانے	۱۰۱	زُوہوم	ژوڈر	۵ گھرانے
۸۰	ٹنگہ مرگ	کولگام	۲ گھرانے	۱۰۲	رانگر	ژوڈر	۲ گھرانے
۸۱	قیموہ	کولگام	۳ گھرانے	۱۰۳	کانز	ژوڈر	۵ گھرانے
۸۲	اہربل	کولگام	۵ گھرانے	۱۰۴	ہوشُر	ژوڈر	۵ گھرانے
۸۳	یارِپور	کولگام	۳ گھرانے	۱۰۵	کرالہ پور	ژوڈر	۱۵ گھرانے
۸۴	ژھوٹ پور	شوپیان	۸ گھرانے	۱۰۶	واہتھورہ	ژوڈر	۱۰ گھرانے
۸۵	سیدہ	شوپیان	۲ گھرانے	۱۰۷	چھانہ پور	چھانہ پور	۱۱ گھرانے
۸۶	شوپیان	شوپیان	۳ گھرانے	۱۰۸	میتھن لال نگر	چھانہ پور	۱۵ گھرانے
۸۷	کیگام	شوپیان	۵ گھرانے	۱۰۹	راولپور	چھانہ پور	۱۵ گھرانے
۸۸	وچی	شوپیان	۳ گھرانے	۱۱۰	صورہ	سری نگر	۲۱ گھرانے
۸۹	زینہ پور	شوپیان	۵ گھرانے	۱۱۱	بیچھ گام	بڈگام	۳۰ گھرانے
۹۰	ناڈپور	شوپیان	۳ گھرانے	۱۱۲	پاچھن	بنڈپور	۱۰ گھرانے
۹۱	بلہ پور	شوپیان	۳ گھرانے	۱۱۳	وزرکریر	کریری	۵ گھرانے
۹۲	دربگام	راجپور	۱ گھر	۱۱۴	لولاب	لولاب	۱۵ گھرانے
۹۳	یُو	راجپور	۵ گھرانے	۱۱۵	موژہ واڈ	خان صاحب	۱۱ گھرانے
۹۴	شاجہ مرگ	راجپور	۱ گھر	۱۱۶	کھل مُل	حضرت بل	۳ گھرانے
۹۵	کیلر	راجپور	۴ گھرانے	۱۱۷	کھمبر	حضرت بل	۵ گھرانے
۹۶	قاضی پور	ژوڈر	۵ گھرانے	۱۱۸	نیوتھید	سری نگر	۹ گھرانے

راتھر کی اہم شخصیات

ہر دور میں اہم شخصیات کا موجود ہونا ایک قدرتی امر ہے، لیکن تاریخِ کشمیر میں ایسا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ اس لئے گزشتہ زمانے میں راتھر ذات کی کن اہم شخصیات نے جنم لیا ہے، کہنا انتہائی مشکل ہے۔ تاہم تاریخ میں یہ بات گشت کر رہی ہے کہ جب خاندان لوہار کشمیر پر حکومت کرتا تھا تو اُن کے ایک وزیرِ اعظم اُتپل کی ذات راتھر تھی۔ اسی طرح تاریخِ کبیر کے صفحہ ۲۹۳ پر خواجہ حیدر راتھر نامی شخص کا تذکرہ ملتا ہے جو مُلا حبیب میر عادل کا طالب تھا۔ اندازہ لگانا آسان ہے کہ خواجہ حیدر راتھر اپنے زمانے کی ایک با کمال روحانی شخصیت رہی ہو۔ تبھی تو تاریخِ کبیر میں ان کا تذکرہ آیا ہے۔ مورّخ حسن نے اگر چہ راتھر شخصیات کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن اتنا تو درج کیا ہے کہ راتھر ذات کے لوگ قدیم ہندو راجاؤں کی فوج میں کافی تعداد میں نوکری کرتے تھے۔ دورِ حاضر کی بات کریں تو عبدالرحیم راتھر ساکنہ بادی پورہ تحصیل چاڈورہ کا نام سرفہرست آتا ہے جو کہنہ مشق سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ اہم قانون دان، منتظم، تعلیمی ماہر اور سماجی کارکن بھی ہے۔ چھ بار حلقہ انتخاب چرارِ شریف سے الیکشن، جیت لیا ہے اور اسمبلی کا سپیکر رہنے کے علاوہ کئی بار وزیر مالیات اور دیگر شعبوں کے وزیر بھی رہے ہیں۔

راتھروں کا پیشہ

زمانہ قدیم کی بات کریں تو راتھر زیادہ تر سرکاری نوکریاں کرتے تھے جس میں سب سے زیادہ اہمیت فوجی نوکری کو دی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کے پاس کافی زمین تھی۔ یہ لوگ بڑے جاگیردار تھے۔ آج بھی ان کے پاس کافی زمیں وجائیداد ہے۔ ان کے پاس مختلف قسم کے باغات ہیں جس میں بادام، سیب، ناشپاتی اور گلاس قابل ذکر ہیں۔ زمینداری کے علاوہ یہ لوگ چھوٹے بڑے کاروبار اور ٹھیکہ داری میں بھی مصروف ہیں۔

راتھروں کی ہجرت

کشمیر کے قدیم یا کہیے پشتنی باشندوں کو بعض وجوہات کی بنا پر بارہا اپنا وطن یا تو از خود چھوڑنا پڑا ہے یا وہ نکلنے کے لئے مجبور کئے گئے۔ کشمیر کی سب سے قدیم قوم ناگ کو پشاچ ذات

کے لوگوں نے انتہا کی حد تک ستایا اور یہ لوگ ہجرت کے لئے مجبور ہو گئے۔ ناگوں کو اُس وقت بھی ہجرت سے دوچار ہونا پڑا جب تیسری صدی قبل مسیح میں راجہ اشوک نے سرکاری مشینری اور بُدھ بھکشوؤں کی مدد سے ناگ مت کے پجاریوں کو کشمیر سے بھگایا۔ کم وبیش یہی صورت آٹھویں صدی کے آس پاس بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جب مذہبی تضاد کے باعث بعض لوگوں نے اپنے آبائی وطن کشمیر کو خیر باد کہہ دیا۔ چودہویں صدی عیسوی میں اسلام وارِدِ کشمیر ہوا تو ہجرت کا ایک اور سلسلہ چل پڑا۔ لوگوں کی اچھی خاصی تعداد سکندر شاہ کے دور میں ہجرت کر گئی۔ اسی طرح افغان دور میں کافی لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے جن میں زیادہ تر ڈار اور راتھر قابلِ ذکر ہیں۔ وکی پیڈیا کے مطابق راتھروں کو جن حالات نے کشمیر چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اُن کے پیچھے افغانوں اور سکھوں کے وہ مظالم تھے جنہوں نے کشمیریوں خصوصی طور راتھروں کی زندگی وبال جان بن گئی۔ ہجرت کرنے کے بعد جب یہ لوگ پنجاب کے لدھیانہ، جالندھر اور امرتسر، دہلی اور لکھنو کے شہر و دیہات میں رہنے لگے تو تعلیم اور تجارت پر اُن کی خاص توجہ مرکوز رہی۔ وکی پیڈیا میں درج ہے کہ:

" This tribe, along with other refugee Kashmiri tribes, thought it best to go with the times and search for best opportunities elsewhere(in exile), due to higher education, trade, and employment. Rathores occupy high positions and are well off." 46

ہجرت کا سلسلہ ڈوگرہ دور میں بھی کم وبیش جاری رہا۔ 1930ء میں راتھروں کا ایک خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب کے گوجرانوالہ علاقے میں جا بسا۔ یہاں اس خاندان نے کچھ زمین خریدی لیکن سرکار نے راتھروں کے نام زمین منتقل کرنے پر یہ کہہ کر پابندی عائد کی کہ پنجابی آئین کے مطابق کشمیر سے ہجرت کرنے والے لوگ کاشتکار نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگ زمین خریدنے کے حقدار نہیں ہیں۔ تاہم راتھر خاندان نے گیارہ شواہد سمیت کچھ کاغذی دستاویزات عدالت عدلیہ میں پیش کئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ مذکورہ راتھر

46. Talk Rathore . wikipedia. the free encyclopedia.mht.

خاندان، بُنیادی طور زمیندار اور کاشتکار ہی تھے ۔ تب جا کے عدالت نے متعلقہ زمین راتھروں کے حق میں منتقل کی 47 یہ بھی سچ ہے کہ کشمیر سے ہجرت کرنے والے بیشتر راتھر پنجاب میں کاشت کاری کا پیشہ اپنانے کے بعد چودھری کہلائے ۔ ہندوستانی پنجاب اور پاکستانی پنجاب میں چودھری کے پاس کافی زمین ہے جو بیشتر کشمیری راتھروں کی ذُریت سے ہیں۔

راتھروں کا جغرافیہ

ہندوستان میں موجود ساتویں صدی عیسوی کے روایتی بہی کھاتوں میں درج ہے کہ راتھور اور راٹھور بنیادی طور اُجین کے گُرجر ''پرتھی ہارا'' جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب یہ لوگ اپنے عروج کو پہنچے تو کئی علاقوں تک پھیل گئے جس میں قنوج بھی شامل تھا۔ جب ۱۰۱۹ء میں محمود غزنوی نے پرتھی ہارا خاندان کو اقتدار سے بے دخل کر دیا اور قنوج میں افراتفری مچ گئی۔ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ علاقہ گھڑوال نامی خاندان کے قبضہ میں آ گیا جنہوں نے یہاں سو سال تک حکومت کی۔ اس خاندان کا سب سے اہم راجہ ''جے چند'' گزرا ہے۔ تاہم اس خاندان کو ۱۱۹۴ء میں محمود غوری نے اقتدار سے الگ کر کے بہت دور بھگا یا۔ لیکن اس حکومت کا شیرازہ بھی بکھر گیا اور راتھر پھر سے اقتدار میں آ گئے۔ ہندوستان اور پاکستان میں رہنے والے راتھور کے متعلق اطلاع ہے کہ یہ مغربی راجستھان کے مارواڑ علاقے کے راجپوت خاندان سے منسلک ہیں۔ ۱۹۷۱ء تک یہ لوگ کئی ریاستوں میں حکمران رہے جس میں جودھپور، مارواڑ اور بیکانیر بھی شامل تھا۔ دورِ وسط میں راتھروں کی حکومت اتر پردیش اور ہماچل میں بھی رہی ہے۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ راتھر ذات کے لوگ پورے شمالی ہندوستان میں بود و باش کرتے ہیں۔

ماحصل

راتھر لفظ کے متعلق کئی آراء سامنے آئیں ہیں جن کا نچوڑ مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱. راتھر لفظ کی کئی صورتیں ہیں جس میں راتھر، راتھور اور راٹھور قابل ذکر ہیں۔

47. Ibid

۲. راتھر ذات چھتری یا کھتری ذات سے نکلی ہے جس کی کئی ذیلی شاخیں ہیں خاص کر کھشتری، شتر، چھتر، راچھی، راچھس، راکھس وغیرہ۔

۳. راتھر کے معنی ہیں چمکنے والا، رکھوالا، راجپوت، فوجی اور جنگجو۔

۴. راتھر کشمیر کے علاوہ، پنجاب، ہماچل، راجستھان، اتر پردیش اور پاکستان کے گوجرانوالہ اور راولپنڈی وغیرہ میں بودوباش کرتے آئے ہیں۔

۵. راتھر اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں خاص کر فوج میں۔ بڑے زمیندار ہونے کے علاوہ یہ لوگ تجارت پیشہ بھی تھے۔



کاندر

کانڈر کسے کہتے ہیں، اس کی وجہ تسمیہ اور کام کاج کے بارے میں کیا معلومات ہیں، ڈھونڈ نکالنا بعد کی بات ہے لیکن جس بات کی طرف توجہ دینا لازمی ہے وہ ''کاندر'' لفظ کی ساخت اور اس کی ہم شکل صورتیں جو تحقیقی پیش رفت کو نتیجہ خیز اور مؤثر بنانے میں کلیدی کردار ادا کر سکتی ہیں۔

کانڈر کے ہم شکل الفاظ

کاندر کے کئی ہم صورت الفاظ ہیں جن میں کاند (Kand)، کانو (Kanu) اور کاندو (Ka:ndu) خاص طور قابل ذکر ہیں۔ جس طرح ڈار، دار، در اور دھر لفظوں کے حروف اور ہجا میں تفاوت پائی جاتی ہے اور اس فرق کے چلتے اِن الفاظ کو ایک ہی خاندان سے منسلک کیا جاتا ہے یا جس طرح اِتو، اِیتو اور یتو جیسے الفاظ کا سرچشمہ ایک تسلیم کیا گیا ہے، اُسی طرح کاندو، کانو، کاند اور کان بھی ایک مخصوص لفظی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مطالعہ اور مشاہدہ میں آیا ہے کہ معنیاتی اعتبار سے کاند، کانو اور کاندو میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ لوگ خشک پھل بھیجنے والے قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور اس بنا پر اُنہیں بنیئے خاندان سے جوڑ دیا گیا ہے[1]۔ ماضی قریب سے یہ تینوں لفظ بطور ذات استعمال ہوتے آئے ہیں۔ اس ذات کی بستیاں ہندوستان کے علاوہ بنگلہ دیش اور نیپال میں پائی جاتی ہیں جہاں کاند اور کانو کے مقابلے

1.Monier Monier Williams, 1899,Sanskrit-English Dictionary, Oxford ,P 245

میں کاندو[۲] لفظ، ذات کے لئے زیادہ مروج ہے۔ روایتی طور کاندو ذات کی کئی ذیلی شاخیں ہیں مثلاً مدیشہ، مگھیا، بنتر یا، کنوجا، گور، کوریخ، لاونی اور کھترا۔ یہ لوگ گاؤں دیہات میں دکان داری کرتے تھے اور آج بھی اپنی خاندانی روایات جاری رکھے ہوئے ہیں۔ دورِ حاضر میں یہ لوگ شہری علاقوں میں کئی پیشوں سے وابستہ ہیں جیسے مدیشہ طبقہ کے لوگ زیادہ تر مٹھائی بنانے میں مصروف رہتے ہیں جو حلوائی بھی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح مگھیا اور بنتر یا ذات کے لوگ راجماش اور چاول وغیرہ کے بیوپاری ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہونا قدرتی بات ہے کہ ''کاندر'' ذات پر زیرِ تحریر مقالے میں کاندو کی بحث کیسے چھڑ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ کاند، کانو اور کاندر لفظوں میں نہ صرف تکرار جیسی صورتحال ہے بلکہ ان میں صدائے ساز کی ارتقائی یکسانیت بھی پائی جاتی ہے۔ گمان غالب ہے کہ لسانی نکتہ نظر سے اِن الفاظ کا کسی ایک لفظی خاندان سے تعلق ہو اور اس مطالعہ سے تحقیق کے کسی نہ کسی راز سے پردہ اُٹھے جس کا اندازہ آنے والے صفحات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

''کاندر'' لفظ کا سرچشمہ

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ''کاندر'' لفظ کا سرچشمہ تادمِ تحریر پردۂ خفا میں ہے۔ اس ضمن میں متضاد نظریات دستیاب ہیں جو مقالہ آگے لے جانے میں معاوِن ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کاند، کانو اور کاندو لفظیات پر مزید غور و خوض کیا جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ سنسکرت کے کافی قریب ہیں جن کا لہجہ معمولی تفاوت کے ساتھ دورِ حاضر میں بھی برقرار ہے۔ یہ الفاظ جب دوسری زبانوں میں استعمال ہونے لگے تو ان کے لب و لہجہ اور ساخت میں قدرے تبدیلی آ گئی۔ کاندو کے حوالے سے جو بھی تحقیق و جستجو ہوئی، اُس سے کئی آرأ سامنے آ گئیں۔ ایک اہم رائے یہ ہے کہ ''کاندر'' لفظ ''کندوٗ'' انگریزی اوون (Oven) نامی لفظ سے

۲۔ پرانوں میں کاندر ایک حکیمِ دانا اور یوگی ٹھہرا ہے جو پوتر، دیندار، خداترس اور متقی تھا۔ کاندر کی اس پارسائی سے دیوتاؤں میں حسد اور بدگمانی پیدا ہوگئی۔ دیوتاؤں کے حاکم اعلیٰ، کامدیو نے کاندرو کو اُکسانے یا پھنسانے کے لئے اپنے ایک ''معتبر'' پریملوچہ'' کو استعمال کیا۔ تاہم شکتی کے باعث وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

ماخوذ ہے[3]۔ غور سے دیکھا جائے تو اس دعویٰ میں لسانی اعتباریت جھلک رہی ہے اور اِسے ثقافتی وابستگی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اِدھر قدیم ادب کے مطالعہ سے بعض ایسے اشارے مل رہے ہیں جن سے کچھ مثبت نتائج سامنے آنے کی توقع ہے۔ مثلاً آتمنی پداہ میں کُند (Kund) لفظ کو جلانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جبکہ کُندا (Kunda) بطور گڑھا یا کاسہ نما گہرا برتن درج ہوا ہے۔[5] اسی طرح رگ وید میں کُند الفظ ''زمین میں بنایا گیا گول، سیدھا اور کشادہ سُراخ'' ٹھہرا ہے[6]۔ ویدک دور میں مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے جس گہرے برتن میں آگ جلا کر روشن کی جاتی تھی، اُسے بقول شا کیش سنگھ ''ہَون کند یا ہون کنڈ'' کہا جاتا تھا[7]۔ ان اشاروں سے پتہ چلتا ہے کہ کُند، کُنڈ، کُنڈا یا کُندا لفظوں میں نہ تو معنیاتی لحاظ سے کوئی تفاوت ہے اور نہ ہی ساختی اعتبار سے۔

ان آرا اور تجزیوں سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ متذکرہ الفاظ آریا تمدن کی جیتی جاگتی کڑی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آریا تمدن کے پھیلاؤ سے پہلے برصغیر میں مذکورہ بالا لفاظ متعارف نہیں ہوئے تھے۔ اگر یہ دلیل درست مان کر چلیں تو کہا جاسکتا ہے کہ آریا لوگ جو کام کاند، کاندو، کانڈ، کانڈو یا کُند، کُندا وغیرہ الفاظ سے لیتے تھے، وہ کام ان کیہند وستان پہنچنے سے پہلے بعض دوسرے لفظوں سے پائے تکمیل کو پہنچایا جاتا تھا[۸]۔ یا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ برصغیر میں آریا وارد ہونے تک اس کلچر کا فقدان تھا۔ حقیقت کیا ہے، وہ جاننے

3. Celest Charles Alfred Bougle, 1971, Essays on the Caste System, USA, P.204

۴۔ ویدک زبان میں آتمنی پدا اُن افعال کو کہتے ہیں جن کی حرکت خود مختار ہو یا جو کسی کی مداخلت یا مدد کے بغیر اپنے اور دوسروں کے لئے کام کرتے ہیں مثلاً پکانا، پڑھنا، چلنا وغیرہ۔ آتمنی پدا اُن رسوم کی عمل آوری کو بھی کہا گیا ہے جو ایک شخص کسی مدد کے بغیر انجام دیتا ہے۔ یہ الفاظ فعل کے علاوہ صفاتی فعل کے طور زیادہ تر کلاسیکل زبانوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ مزید جانکاری کے لئے ''ویدک رسومات کی ڈکشنری'' کا صفحہ ایک سو سے ایک سو دس تک دیکھئے۔

5. Monier Monier Willams ,1899, Sanskrit-English Dictionary,Oxfored ,P.289

6.Ibid, P.289

7.www.cuisneIndia.in

۸۔ تاریخی اور سماجی لسانیات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل ثابت ہے کہ گاند، گانڈو، گانو جیسے ہم صدا اور تکراری لفظوں سے بھی کاند رلفظ کی ساختی اور معنیاتی بھنک ملتی ہے۔

کے لئے مذکورہ موضوع پر مزید کئی زاویوں سے دیکھنا ضروری ہے۔ اگر کاند، کاندو، کُند یا کُندا لفظیات ڈھونڈ نکالنے کا دائرہ مطالعہ باقی تہذیبوں تک وسیع کیا جائے تو ممکن ہے کہ تحقیق کے کئی اور دروازے وا ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر برصغیر سے منسلک چھوٹی بڑی تہذیبوں کو کھنگالنے سے کوندھ (Konda) لفظ کا سُراغ ملا ہے جو کُند اور کندا جیسے الفاظ کا ہم لہجہ، ہم آواز اور ہم شکل ہے جو دراوڑ لسانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور جس کے معنی پہاڑ ہیں۔ مثلاً

"The term Kondh is most probably derived from the Dravidian word Konda,means hill" 9

علم بشریات کے مطابق کوندھ (Kondh) دراوڑ قوم کا ایک قدیم قبیلہ ہے10۔ جبکہ زبانِ تامل میں کُندا (Kunda) نہ صرف برتن کے معنی میں استعمال ہوا ہے بلکہ بطور خطاب یا اعزاز بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اولی کورنسٹروم لکھتے ہیں:

"In Tamil,Kunda means pot/vessel and is also used as a slang term for vagin."11

اسی طرح ملیالم اور کنٹر زبانوں میں کُندا (Kunda) لفظ کو تالاب، گول سُوراخ اور مقدس آگ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔[۱۲]

ان آرا سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح آریا تمدن میں کاند، کُند وغیرہ لفظوں کی کئی شکلیں مروج تھیں اُسی طرح یہ ہم شکل الفاظ دراوڑ تمدن میں پہلے ہی موجود تھے جو کئی معنوں میں استعمال میں رہے ہیں۔ دراوڑ زبانوں میں ان لفظوں کے معنی برتن، تالاب،

9.Rama Kanta Mahannda, 2015, Tribal Communication Technology:A Case Study of Kondhs of Kondhamala of Odisha Review, New Delhi, P.89 10.Ibid, PP.78-85

11.Olle Qvarnstrom, 2003, Jainism and Early Buddhism, Part,I, California,P.561

12.Ibid , PP.560-565

آگ ،قبیلہ اور بعض اوقات پہاڑ ٹھہرا ہے جبکہ آریا تہذیب میں یہ الفاظ ذات ،تندور جلانا، گڑھا، برتن اور پوتر آگ کے معنی میں استعمال ہوتے آئے ہیں۔تمدنی تجزیہ کے ساتھ ساتھ جب دراوڑ اور آریا لفظیات کا لسانی جائزہ لیا گیا تو ساختی ہم آہنگی کے ساتھ ان میں معنوی یکسانیت بھی پائی گئی ہے جس سے ثابت ہے کہ ان لفظوں کا خاندانی جھکاؤ ہر لحاظ سے دراوڑ لسانی خاندان کی طرف رہا ہے۔اس لئے یہ کہنا بہتر ہوگا کہ آریا قوم نے کاند، کاندور، کُند ، کُندا، کُندھ، کوندھ اور کوندا الفاظ یا تو دراوڑوں سے مستعار لئے ہیں یا یوں کہنا مناسب رہے گا کہ یہ دراوڑ الفاظ آریالوگوں نے وارِدِ ہند ہونے کے ساتھ ہی اپنانے شروع کئے تھے۔

اس تجزیہ سے یہ تحقیقی موضوع ایک ایسے موڑ پر آ کھڑا ہوا جہاں یہ سوال پیدا ہونا ایک قدرتی عمل ہے کہ آیا مذکورہ الفاظ کو دراوڑ لسانی خاندان نے جنم دیا ہے یا ان کا ثقافتی سرچشمہ کسی اور تہذیب سے جاملتا ہے۔

تسلیم شدہ حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے میں سہارا بیلٹ بشمول سُمیر ، وسطِ ایشیا اور برصغیر کے اطراف و اکناف میں ایک مشترکہ یا یہ کہیئے دراوڑی تہذیب پوری طرح پھیلی ہوئی تھی۔ونٹرس رقمطراز ہیں۔

> "It has long been recognized that the Dravidians in India, and the Surmerians of Mesopotamia, along with the Manding of West African,show similar physical and cultural features. The anthropological evidence and linguistic data suggest that these people are derived from a common ancestor that separated as early as 4000-2800 BC" 13

اس پسِ منظر میں اگر کاند، کاندو، کُند ، کُندا، کاندھ یا کوندھ لفظیات کو سہارا بیلٹ کی تہذیب و تمدن میں کھنگالنے کی کوشش کی جائے تو بعض مؤثر نتائج کی توقع کرنا بعید القیاس نہ ہوگا۔اگر ممکن ہوا تو آگے چل کر اس پر بالواسطہ یا بلا واسطہ بات ہوسکتی ہے۔پھر بھی جو دلائل اس

13.Clyde Ahmad Winters. 1983, The Ancient Manding Script, London ,PP. 14-15

وقت تک سامنے آئے ہیں اُن سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ ''کاندر'' لفظ کا قدیم رشتہ کُند، کوند، کوندھ، کانداور کاندو وغیرہ لفظوں سے جاملتا ہے۔

کانڈُر..... معنی ومطلب

گرائمر کے لحاظ سے کاندر ایک اسم ہے وہ بھی اسمِ خاص۔ یہ ایک پیشہ ور کا نام ہے جو روٹیاں بناتا ہے۔ روٹیاں بنانے کے لئے کاندر کو کئی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جس میں تندور خاص طور قابلِ ذکر ہے جسے کاندر کی دکان میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حقیقت میں کاندر اور تندور دو لازم وملزوم ثقافتی اکائیاں ہیں جن کا ایک دوسرے کے بغیر نہ کوئی وجود ہے اور نہ شناخت۔ تندور تبھی تندور ہے جب وہ دکان یا روٹی بنانے کے کارخانے میں موجود ہو۔ اسی طرح روٹی بنانے کی جگہ کو تب ہی دکانِ کاندر یا کارخانۂ کاندر کہا جائے گا جب وہاں تندور لگا ہو۔ تندور کیا چیز ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ اور تاریخ کیا ہے، یہ جاننے سے پہلے ایک بات طے ہے کہ تندور ایک گول لمبوترا برتن ہے جس کو زمین میں ایڈجسٹ کر کے اس میں روٹیاں بنائی جاتی ہیں۔

تندور کی تاریخ

وثوق سے کچھ کہنا انتہائی مشکل ہے کہ دنیا میں پہلا تندور کب اور کہاں معرضِ وجود میں آیا۔ اس ضمن میں کسی حتمی نتیجہ پر پہنچنے میں متضاد تحقیقی ماحصل بدستور حائل ہو رہے ہیں۔ کیونکہ آج تک جس نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا اُس نے تندور کو اپنے ہی ملک کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ براعظم ایشیا کے لوگ تندور کو اپنے کھاتے میں ڈال رہے ہیں اور افریقہ کے باسی اس تہذیب کو اپنی ایجاد کردہ مانتے ہیں۔ جبکہ یورپیوں نے تندور کے تمدن کو اپنے سر باندھا ہے۔ قدیم آثار کی بات کریں تو سب سے پہلے یورپ کی طرف نظریں اُٹھتی ہیں جہاں آثارِ قدیمہ کے مطابق تندور کی موجودگی کا پتہ 29000 سال سے ملتا ہے[۱۴]۔ جس میں کالے رنگ کے ہاتھیوں کا گوشت بُھنا جاتا تھا[۱۵]۔ اس قسم کے کلچر کی اطلاع وسطِ ایشیاء کے ملک یوکرین سے

۱۴۔ ابتدائی زمانے کا تندور گوشت بھننے اور کھانا پکانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ زمانہ ترقی کرتا گیا اور تندور میں روٹیاں بھی تیار ہونے لگیں۔ جہاں تک تندور میں گوشت بھننے کا تعلق ہے یہ کلچر قدیم دُنیا کے ہر علاقے میں موجود تھا۔

15. Jennifer Viegas, 2009, Mammoths Roasted in Prehistoric Barbecue Pit,"

بھی ملی ہے جس کی عمر کاربن ڈیٹنگ کے مطابق بیس ہزار سال مقرر ہوئی ہے16۔ مصر کی بات کریں تو ماہرینِ آثارِ قدیمہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہاں زائد از چھ ہزار سال پہلے ایک بہترین تندور استعمال میں تھا۔ رونالڈ شیفارڑ لکھتے ہیں:

"It was the Egyptians who first used a manufactured portable oven."17

اسی طرح قدیم تندور کی شہادت یہودیوں کے علاوہ روم اور افریقی ممالک سے بھی ملتی ہے۔18 اس تہذیب کے اولین آثار موجودہ عراق کے قدیم اور تاریخی شہر سمیر سے بھی ملے ہیں۔ مثلاً:

"The First evidence comes from early farming settlements of the time such as Umm Bubaghiyeh on the plains between the River Tigris and Euprates."19

بریڈلی پاریکر اِسی بات کی خامہ فرسائی یوں کرتے ہیں:

"The tradition of tandir-cooking has deep roots in Mesopotamian hisotory."20

ایک اور دلیل یہ پیش کی جارہی ہے کہ تندور کا استعمال سب سے پہلے ملکِ فارس کے شمال مشرقی علاقے میں ہوا۔۲۱ جہاں سے یہ فن لوگوں کی ہجرت کی وجہ سے ایشیا کے مزید کئی حصوں تک پھیل گیا۔۲۲ قدیم تندور کی شہادت وادیٔ سندھ کی تہذیب سے بھی فراہم ہوتی ہے۔ کے۔ ڈی۔ آچاریہ لکھتے ہیں:

"At the Indus valley site of Kalibagan,were found small,mudplastered ovens with a side opening, very strong resembling with the present day tandoor."23

16.Pater James, 1995, Ancient Invention, P.302, CF. Books. google.com
17.Ronald Sheppard and Edward Newton, 1957, The Story of Bread, London,P.107
18.Ibid, PP.107-109
19.www.menomagezine.co.UK/book/ta
21.Alan Davidson, 1999,Oxford Companion to food,Oxford,P.781
20.Bradley,J,Parker, 2011, BREAD Ovens, Social Network and Gendered space:An Ethnoarchaeological study of Tandir Ovens in South-eastern Antolia, Amrican Antiquity, USA, Vol.,76,No.4,P.603
22. Julie Sahni, 1980, Classic Indian Cooking,New York,PP.80-81
23. K.T. ACHARYA, 1998, A Historical Dictionary of Indian Food Delhi, PP.170, 247

وادیٔ سندھ اوراس کے گردنواح میں 3200(ق۔م) سے تندور کا استعمال ہو رہا تھا[۲۴]
ایسے اشارے بھی مل رہے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شمالی ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں 2600(ق م) کے آس پاس تندوری کلچر نے کافی ترقی کی تھی[۲۵] چونکہ کشمیر ہندوستان کے شمال بلکہ سندھ، موہن جوداڑو اور ہڑپا تہذیب کے بہت قریب واقع ہے، اس لئے تندور اور اس سے وابستہ تمدن کشمیر اوراس کے گردونواح میں بھی پھیل گیا تھا۔ جس کا بین اشارہ وادی کی بستیوں اور آلات کشاورزی کے کئی ناموں، قدیم آثار اور بعض لسانی باریکیوں سے ملتا ہے۔[۲۶] ہر چند کشمیر کے قدیم آثار کھوجنے اور کھودنے کا کام وسیع پیمانے پر نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے تندور میراث کی باقیات سرزمین کشمیر کے سینے میں ابھی تک دفن ہیں۔ اس معاملے میں کشمیر کی ایک قدیم سنسکرت تاریخ راج ترنگنی بھی شاید خاموش ہے۔ تاہم چوتھی پانچویں صدی عیسوی کی سنسکرت تاریخ ''نیل مت پُران'' سے یہ اشارے ملے ہیں کہ کشمیر کے قدیم باشندے دیوی دیوتاؤں، برہمنوں اور رشتہ داروں کو روٹی، قُلچے اور کیک جیسی روٹی بطور نذرانہ پیش کیا کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روٹی بنانے اور پکانے کا فن اقوامِ کشمیر میں قدیم زمانے سے موجود تھا[۲۷]۔

روٹی کی تاریخ

روٹی کی تاریخ اتنی پرانی نہیں جتنا پرانا ''تندور'' ہے جو تیس ہزار سال سے دنیائے تمدن

۲۴۔ خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں ڈھائی لاکھ سال سے انسان بود و باش کر رہا ہے۔ تاہم بلوچستان کو اوّلین تہذیبی جگہ کی حیثیت حاصل ہے جہاں تقریباً 4000 ق م کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ ایک دلیل یہ پیش کی جارہی ہے کہ سمیر اور سندھ وادی کے لوگ 3000 ق م میں ہندوکش سے آپسی تجارت میں مصروف تھے۔ خیال قوی ہے کہ سمیریوں نے ہی تندور کو سندھ وادی میں متعارف کرایا تھا۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سندھ وادی میں رہنے والے لوگ مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے تھے جس میں سمیریوں کے علاوہ مصری بھی شامل تھے۔

25. Steven Raichlen, A Tandoor Oven Brings India's Heat to the Backyard, New York Times, Mary 10, 2011

۲۶۔ ڈاکٹر آفاق عزیز، کشمیر اور ڈراوڑ کے قدیم رابطے، شیرازہ (جموں، کشمیر، لداخ نمبر) 2015، جلد۔۵۳، شمارہ ۱۔۳ ص، ۶۰۔۷۹

۲۷۔ نیل مت پران، 2007، ارجن دیو مجبور (ترجمہ کار)، کلچرل اکیڈیمی سرینگر، 161، 166، 171

میں کلیدی کردار ادا کرتا آیا ہے۔تندور میں بیس ہزار سال تک صرف گوشت اور اِسے بنے مختلف قسم کے سالن تیار کئے جاتے تھے۔روٹی کی بات کریں تو بحیرۂ روم،مصر،یونان،روم،اسرائیل، ایران اور عراق سے اس کے بارہ ہزار سال پرانے آثار ملے ہیں۔اس دور کی روٹی کُھردری تھی جس کی بناوٹ میں جنگلی پھل استعمال کئے جاتے تھے۔روٹی جو کئی لحاظ سے اچھی تھی،اُس وقت سے دستیاب ہے جب دس ہزار سال پہلے مصر،یونان،روم،ایران وعراق میں جو،مٹر اور گندم کی کاشت شروع ہوئی تھی۔زمانہ گزرتا گیا اور روٹی بنانے کا یہ کلچر تمام سرحدوں کو پھاندتے ہوئے ہڑپا اور سندھ سمیت افغانستان سے لے کر کنیا کماری تک پھیل گیا۔جوں ہی روٹی کا فن ترقی کے منازل طے کرنا لگا تو روٹیوں کے کئی اقسام تیار ہو گئیں جن میں سیدھی سادھی روٹی کے علاوہ گارلِک قُلچہ،قیمہ،روغنی،پشاوری،پنیری اور امرتسری روٹی قابلِ ذکر تھی،کشمیر میں بھی کئی قسم کی روٹیاں بنائی جاتی تھیں۔ژوٹ،ژوچہ وُرو،گردہ،لواسہ،شیرمال،کرپہ،کیک،باقرخانی،قُلچہ اور روٹھ خاص طور مشہور ہیں۔کاندر اعلیٰ اَلصبح لواسہ اور ژوٹ (کشمیری تندوری روٹی) تیار کرتا ہے جس کا استعمال عام لوگ صبح کی نمکین چائے کے ساتھ کرتے ہیں۔لواسہ اور ژوٹ بنانے کا سلسلہ تقریباً دن کے گیارہ بجے تک جاری رہتا ہے۔اس کے بعد ژوچہ ورو بنانا شروع ہو جاتا ہے جو بعد دوپہر کی نمکین چائے کا لازمی جُز ہے۔

تندور کی قسمیں

تاریخ گواہ ہے کہ قدیم دُور میں پوری دُنیا کے اطراف واکناف میں مختلف قسم کے تندور استعمال کئے جاتے تھے۔زمین دوز تندور اُس گول نما گھڑے کو کہتے تھے جو زمین کھود کر تیار کیا جاتا تھا۔جس میں قسم قسم کے پکوان پکائے جاتے تھے۔قدیم دنیا کے بیشتر حصوں میں ایسے تندور کا کافی چلن تھا جس سے انسانی تہذیب کے ابتدائی نشانات کی عکاسی ہوتی ہے۔مٹی اور کیچڑ سے بنا ہوا ایسا ہی گول تندور دنیا کے کئی علاقوں سے دریافت ہوا ہے جو دو حصوں میں بٹا تھا۔نچلے حصے کو گرمانے کے لئے یا تو لکڑی استعمال کی جاتی تھی یا پھر سوکھے گوبر سے یہ کام انجام دیا جاتا تھا۔

اس قسم کے تندور افریقہ، وسط ایشیا اور روم میں بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ مصری لوگ اس قسم کے تندور جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جاتے تھے، کو گرمانے کے لئے دریائے نیل سے لکڑی حاصل کرتے تھے [28]۔ اس قسم کے تندور برصغیر میں 3000 ق م سے دستیاب ہیں [29]۔ جبکہ وسطی اور مغربی ایشیاء کے ساتھ ساتھ ایسے تندور کوہ قاف کے علاقوں میں بھی مروج تھے [30]۔ ایک اور تندور، جو خام اینٹوں سے بنا تھا، روم اور اٹلی میں استعمال میں تھا [31]۔ اس کے بعد جدید قسم کے تندور رائج ہوئے جن میں پتھروں سے تراشا گیا، بجلی سے چلنے والا اور دیواری تندور قابلِ ذکر ہے [32]۔

تندور کا لسانی رشتہ

تندور لفظ کس زبان سے تعلق رکھتا ہے، حتمی طور کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ اس حوالے سے کئی نظریئے سامنے آ چکے ہیں۔ اول یہ کہ تندور دردی زبان [۳۳] کے تندر سے مشتق ہے [34]۔

دوسرا یہ کہ تندور فارسی اور عربی زبان کے تنور سے ماخوذ ہے۔ ایک اور رائے یہ ہے کہ تندور آرمینی [۳۵] تُونیر سے نکلا ہے۔ بعض لوگ تندور کا سرچشمہ ترکی [۳۶]، ازبک [۳۷] اور آذری [۳۸] تندر میں تلاش کرتے ہیں۔ چند لوگوں کا نظریہ ہے کہ تندور لفظ اصل میں کردی [۳۹] کے تندر اور اُیگوری [۴۰] زبان کے "تونور" سے نکلا ہے۔ جبکہ اوستا کے تنورا اور پہلوی کی تنور سے

28. Ronald Sheppard, 1957, The story of Bread , Boston,PP.107-109

29. K.T.Achaya, 1998, A Historical Dictorical of Indian food, Delhi, PP.170,247

30. Raichlen Steven, A Tandoor Oven Brings India's Heat to the Backyard, New york Times, May 9,2011

31. Peter James, 1995 , Ancient Inventions, U.S.A, P.302

32. Ibid, P.304

۳۳: دردی زبان فارسی کی شاخ ہے جو افغانستان میں بولی جاتی ہے۔ پشتو کے بعد دری افغانستان کی دوسری سرکاری زبان ہے۔

34. Raicheln Steven, A Tandoor Oven brings India's heat to the backyard, New York Times , May 10,2011

۳۵۔ آرمینی ہندیورپی لسانی خاندان کی ایک خودمختار شاخ ہے جو آرمینیا میں بولی جاتی ہے۔

۳۶۔ ترکی آلٹک لسانی خاندان کی یورالی گروپ سے تعلق رکھتی ہے جو ترکی، یورپ اور ایشیا میں بولی جاتی ہے۔

۳۷۔ ازبک ترکی زبانوں کے خاندان سے منسلک ہے۔ یہ ازبکستان کی سرکاری زبان ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد 17 ملین ہے۔ اس زبان نے کشمیری کی طرح کئی رسم الخط بدلے ہیں۔

۳۸۔ آذری آذربائیجان کی سرکاری زبان ہے۔ استنبول کی ترکی سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ داغستان اور کیسپین کے ساحلی علاقوں میں بھی مروج ہے۔

۳۹۔ کردی زیادہ تر کردستان میں بولی جاتی ہے۔ ہندیورپی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

۴۰۔ ایگوری پہلے مشرقی ترکی کے نام سے مشہور تھی۔ زبان ترکی سے کافی مماثلت رکھتی ہے ایگور بستی علاقہ چین کے قبضے میں ہے اور جس سے چینی ترکستان بھی کہتے ہیں جو اس زبان کے اصل بولنے والے ہیں۔

بھی تندور کا رشتہ جوڑا جاتا ہے۔ تاہم اہم اور معتبر دلیل یہ مانی جاتی ہے کہ تندور لفظ بنیادی طور اکادی زبان کے تنورو سے لیا گیا ہے جس کا اوّلین تذکرہ سمیری زبان میں لکھے گئے جلجلموس میں ملتا ہے جو دنیا کا سب سے پرانا اور پہلا جنگ نامہ مانا جاتا ہے [41] اکادی کے بارے میں اطلاع ہے کہ یہ زبان ڈھائی ہزار سال قبل مسیح میں ملک عراق کی سرکاری زبان تھی [42] جس کا تحریری ادب تین ہزار سال ق م سے دستیاب ہے [43] اکادی اور سمیری ایسی زبانیں تھیں جو کافی حد تک ملتی جلتی تھی [44] اسی طرح اگر سنسکرت زبان کی بات کریں تو تندور (Tandoor) کا کاندر (Kandoor) سے نکلا ہوا لفظ قرار دیا گیا مثلاً:

"The word Kand is used as Kandu in ordinary usage, and from Kandu, It became Kandoor,then"K"becomes"T"and ultimately,we have the word Tandoor." 45

جہاں تک 'ک' (K) کا 'ٹ' (T) میں بدلنے کا تعلق ہے، تاریخی لسانیات کو مدنظر رکھ کر بالکل درست ہے جو نظام حروف بدلنے کا ایک ارتقائی عمل ہے [46]۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر سنسکرت کاندو کا 'ک' (K) ٹ (T) یا ''ت'' میں بدل کر تندور بن سکتا ہے تو تندور کا 'ٹ' (T) 'ک' (K) میں بدل کر کاندر کیوں نہیں بن سکتا ہے جو تاریخی لسانیات کی باریک بینیوں کو مدنظر رکھ کر بالکل ممکن ہے۔

رہی بات کشمیری زبان کی، یہ وہ زبان ہے جس کی لسانی تہیں کشمیر کے قدیم قوم ناگوں سے پیوستہ ہیں جن کی زبان کے متعلق 'اندازہ ہے' آسٹرک کہلاتی تھی۔ کشمیری زبان پر وادیٔ

---

[41]: علی اکبر دھخدا، 1998ء، لغت نامہ دھخدا، جلد، 14، تہران، 215

42. Deutscher Guy, 2007, Syntactic Change in Akkadian: The Evolution of Sentential Complementation,U.S.A, PP.20-21
43. Caplice Richard , 1980, Introduction to Akkadian Rome, P.19
44. Ibid, PP,5-31
45. Articles of Shakesh Singh on wwwlcuisineindia.in
46. Gustav Oppert, 1978, On the Original Inhabitants of Bharata Versa, New York, PP.3-5

سندھ کی تہذیب اور ویدک کلچر کے اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں۔ یہ زبان اوستا، پہلوی، فارسی، سنسکرت، یونانی اور ترکی سے بھی متاثر ہوئی۔ نیز اس زبان میں اکادی، سمیری، بانتو، عبرانی، دراوڑ، دردی اور سندھی الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اس لئے کشمیری تندُر کو تب تک کسی خاص زبان کے ساتھ جوڑ دینا قبل از وقت ہوگا جب تک نہ اس موضوع پر مکمل تحقیق یا یہ الفاظِ دیگر کیس سٹیڈی (Case Study) کی جائے۔ پھر بھی یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کہ کشمیری تندِر لفظ دردی زبان کے تندر، کردی، ترکی، آذری اور اُزبِک کے تِندُر سے مشابہت رکھتا ہے جسے گمان ہوتا ہے کہ یہ زبانیں عہدِ پارینہ میں ایک دوسرے کے قریب رہیں ہوں گی یا اُن کے بیچ کوئی لسانی رشتہ ہو جو تادمِ تحریر کھنگالنے سے رہ گیا ہے۔ تسمیہ مقاماتِ کشمیر اور کشمیری ادب کے مطالعہ اور مشاہدے سے ایسے کئی اشارے ملتے ہیں جن سے ماخذ کاندر اور ماخذِ تندور کی بھنک آتی ہے جن میں کوندبل (مانسبل)، کوندبل (رعناواری)، کاندھوم (بیروہ)، کونہ بل (پانپور) جیسے بستی ناموں کو بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ لسانی اعتبار سے یہ نام کاندو، کند، گندا، کندھ، کونداور کوندا لفظوں سے کافی مشابہت رکھتے ہیں جس سے ان کے آپسی رشتے کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح کشمیری زبان کے کوند، کوندِ لاگن (کوندہٗ بنانا)، کوند کھسن (کوند پکنا)، کوندِ برُن (کوند میں بھرنا) وغیرہ الفاظ کو کاندر سے جوڑنے کی کوشش کی جائے تو مثبت نتائج سامنے آنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس بنا پر اگر کشمیر کے کاندر تمدن کو قبل از آریا ٹھہرایا جائے تو ہچکچاہٹ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی بلکہ یہ طے ہے کہ اس کلچر کی جڑیں دراوڑوں سے ہوتے ہوئے علاقہ سہارا کے اقوام تک جا پہنچتی ہیں۔

ایک اور بات یہ کہ کشمیری شعرا نے کاندر اور تندور لفظوں کو اپنی شاعری میں جا بہ جا جگہ دی ہے جس سے کاندر اور تندور کی افادیت اور اہمیت کا احساس ہوتا ہے اس کا بخوبی اندازہ محمود گامی کے ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے ع

موصوم زُومیون تھاران کاندروانے پراران
لاٗ جنس تندرنہ تاوے غم چھُم یار ماراوے

شعر میں استعمال شدہ لفظ معصوم، جس کے معنی ہیں سادہ لوح یا بے قصور ہے، سے متن

میں احساس ندامت اور بے بسی کا ماحول جھلکتا ہے جبکہ ''تھاران'' لفظ میں جلد بازی کا عنصر غالب نظر آرہا ہے۔شعر کا کردار،غم سے نڈھال تندور کے کارخانہ میں آس لگائے بیٹھا ہے کہ یہ محبوب کی گزرگاہ ہے جس کی جدائی میں، میں تندور کی دہکتی آگ میں بھسم ہورہا ہوں۔کاندر کی دکان یا کارخانۂ کاندر پر انتظار کرنے کے پیچھے،ممکن ہے کوئی تاریخی،ثقافتی یا مذہبی وابستگی ہو یا اس شعر میں اُسی روایت کی عکاسی ہوئی ہو جو صدیوں سے کشمیری سماج میں مروج ہے یعنی کاندر کی دکان کے اردگرد ہر صبح روٹی حاصل کرنے کا انتظار کرنا۔اگر تندور تہذیب وتمدن کا سرچشمہ وسط ایشیاء یا ایران مان کر چلا جائے تو مذکورہ بالا شعر کے پسِ منظر میں سامنے آئے اِس تہذیبی ماحول کا منبع بھی سینٹرل ایشیاء یا ایران میں تلاشا جاسکتا ہے۔پانچویں صدی ق م کے گرائمر دان پانِنی نے اشٹ دہائی میں لکھا ہے کہ شہر کے آخر پر واقع ''کانتھا'' بستی کا نام،مشرقی ایران کے ایک اور بستی نام کاندا سے مشابہت رکھتا ہے جس کے معنی ملنے کی جگہ تھی۔اگرچہ گزشتہ اوراق میں کاندا لفظ پر کئے گئے بحث کو مدنظر رکھ کر مذکورہ بالا شعر کے مفہوم کی بھنک ایران کی کاندا بستی سے آئے تو اسے خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ممکن ہے کہ کاندا کے مقام پر کاندر کی دکان لگا ہو جہاں لوگ روٹی کے انتظار میں دوستوں سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کرتے ہوں گے۔

تندور اور سماج

زمانۂ گزشتہ میں کارخانۂ تندور کو سماجی سطح پر قابلِ احترام اور مقدس مانا جاتا تھا۔کام کرنے والے ہر فرد کی یہ اولین ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ نہ صرف کارخانے کی صفائی کا خیال رکھے بلکہ خود بھی صاف ستھرا رہے۔کارخانے میں جوتے اور چپل سمیت داخل ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔تاہم دورِ حاضر میں ایسے خیالات تیزی سے ختم ہورہے ہیں۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ پارینہ میں ہر قبیلہ کے لئے اپنا ایک علاحدہ تندور ہوتا تھا جس میں بیشتر لوگ رسم وروایت کے مطابق گوشت بھنتے تھے۔جب انسان نے کھیتی باڑی اور اناج پیدا کرنے کا فن سیکھا تو تندور میں کھانا پکانے اور روٹی بنانے کا سلسلہ بھی چل پڑا۔ابتدائی دور میں تندور گھر کے بیچوں و بیچ زمین میں نصب کیا جاتا تھا اور پھر قبیلے کے سبھی لوگ اس کے

اردگرد جمع ہو کر نہ صرف کھانا وغیرہ کھاتے تھے بلکہ روزمرہ زندگی کے مسائل پر بھی بات ہوتی تھی۔ کھانا پکانے کے علاوہ تندور کو گھر میں گرمی پیدا کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ تندور کی گرمی سے گھر کو گرم رکھنا صحت کے لئے مفید قرار دیا گیا ہے۔ نیز سائنسی اعتبار سے بھی تندوری گرمی کو صحت کی خاطر انتہائی مفید مانا جاتا ہے۔

تندور تہذیب وتمدن کی یہ سماجی اہمیت اپنی جگہ لیکن بعض علاقوں، خاص کر وسطِ ایشیا میں اس کلچر کو مذہبی اعتباریت بھی حاصل رہی ہے جس کا ثبوت آرمینیائی تاریخ سے بخوبی ملتا ہے۔ مثلاً

> "Other nations have borrowed the Tonir from Armenians and are using it nowadays, but only Armenians are aware of the ritual meaning of the Tonir." 47

آرمینیائی لوگوں میں کئی ایسی رسوم زمانۂ قدیم سے مروج ہیں جن کو تندور کلچر کا لازمی حصہ مانا جاتا تھا۔ یہ لوگ ''دہکتے تندور کے منظر'' کو نہ صرف ''منظرِ غروبِ آفتاب'' کے مشابہ ٹھہرا کر اس کی پوجا کرتے آئے ہیں بلکہ تندور کو ''سورج دیوتا'' کا رتبہ دے کر اس کے ساتھ اُنہوں نے بعض رسوم بھی وابستہ کئے ہیں جن کی انجام دہی کے لئے تندور کو گھر کے وسط میں نصب کرنے کا رواج چل پڑا تھا تا کہ تندور کی گرمی گھر کے کونے کونے تک پہنچے اور قبیلے کے لوگ اس کے اردگرد بیٹھ کر رسوم بغیر کسی رُکاوٹ کے ادا کر سکیں ۴۸۔ تندور کو زمین پر سورج کی نشانی مان کر یہ لوگ روٹی بنانے اور کھانا تیار کرنے کے موقع پر خاص طور سے تندور کے سامنے ہمیشہ کمر خم کئے رہتے تھے جسے سورج دیوتا کی پوجا سے تعبیر کیا جاتا تھا جو زیادہ تر آرمینیائی عورتیں انجام دیتی تھیں۔

بالواسطہ یا بلاواسطہ سورج کو دیوتا ماننا اور اس کی پوجا کرنے کا تمدن دنیا کے ہر حصے

---

47. Wikipedia.

۴۸۔ پورے گھر کو تندور کی گرمی سے گرمانے کے پیچھے سورج دیوتا کا آشیرواد حاصل کرنا بھی مقصود تھا اور باعثِ افتخار و برکت بھی مانا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں تندور کی گرمی سے بعض بیماریاں دور ہونے کا عقیدہ بھی مشہور ہے۔ جوڑوں، ٹانگوں اور سر درد کے لئے تندور کی گرمی خاص طور سے مفید مانی جاتی تھی۔

میں موجود تھا۔ چین میں رسوئی دیوتا اور مصر میں ہورُس کی پوجا کرنا سورج پرستش کی خاص نشانیاں تھیں۔ تاہم آرمینیا کے زمین دوز دہکتے تندور کی پوجا لاثانی تھی جس سے زرتشتی تہذیب کی بھنک آتی ہے میری بوسی لکھتی ہیں:

"Zoroastrianism had a major influence on the Armenians and their mythology. Until the late Parthian period,the Armenian lands were without a doubt predominanitly Zoroastrian adhering." 49

اس تہذیب کے دُھندلے اشارے قدیم سمیر، ایران، ہندوستان اور یونان میں ملے ہیں۔ تاہم تاریخِ تمدن کی دھارا ایک ہی سنگ نہیں چلتی بلکہ ہمیشہ بدلتی ہے جس سے روایتی تہذیب کے کچھ عنصر متروک ہو جاتے ہیں اور کچھ نئے عناصر اس پر غالب آ جاتے ہیں۔ ممکن ہے تندور سے وابستہ مذکورہ بالا قدیم کلچر تاریخ کے اسی تغیر وتبدل کا شکار رہا ہو۔

کاندر سے صوفی

کاندر نے صوفی کا استھان کب اور کیسے لیا، جاننا انتہائی کٹھن ہے۔ کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے پہلے کاندر اور صوفی کا الگ الگ مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ اور پھر یہ کہ کاندر کیوں کر صوفی بنا، زیرِ بحث آئے گا۔ چونکہ کاندر کے متعلق اوراقِ گزشتہ میں مفصل بات ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں ''صوفی'' عنوان پر ہی توجہ مرکوز رہے گی۔

''صوف'' لفظ اون کے معنی میں استعمال ہوتا آیا ہے جس کی تاریخ غالباً آٹھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے۵۰۔ صوفی لفظ کے متعلق کئی نظریات ہیں۔ علماء کی ایک جماعت صوفی لفظ کو مسجدِ نبویؐ کے شمال میں واقع صُفہ (چبوترہ) نام کی جگہ سے منسلک کرتے ہیں۔ جہاں اصحابِ صفہ کی ایک ٹکڑی رہتی تھی۔ ایک اور رائے کے مطابق زمانۂ جاہلیت میں صوفہ نام کی ایک جماعت خانہ کعبہ کی مجاور تھی۔ جن لوگوں نے اِن لوگوں سے مشابہت اختیار کی، صوفہ کہلائے۵۱۔ کشف المحجوب کے مطابق صوفی وہ ہے جو اپنی ذات میں فنا ہوتا ہے اور خدا کی ذات میں زندہ رہتا ہے۵۲۔ اس لحاظ

49. Mary Boyce, 2001, Zoroastrians: Their Religious Beliefs and Practice, London, P.84

۵۰۔ قدیر زمان، ۲۰۰۶ء، ایضاً تصوف بہ یک نظر، حیدرآباد، ص۔ ۳۲-۳۵

۵۱۔ ایضاً، ص، ۳۲-۴۸،

۵۲۔ ایضاً، ص، ۳۲

سے روٹی بنانے والے صوفی اور تصوف کے حامی صوفی کے درمیان نام کے سوا کوئی عملی مشابہت نہیں ہے۔ البتہ اگر ابو ریحان البیرونی کے اس بیان کا بغور جائزہ لیا جائے کہ یونانی زبان میں صوف، حکمت و دانائی کو کہتے ہیں۵۳ تو کاندر کے بدلے صوفی نام اختیار کرنے میں کچھ استدلال مل سکتا ہے۔ کیونکہ کاندر کے کارخانہ میں جس طریقۂ عمل کا دخل ہے، لگتا ہے کہ اس کی انجام دہی ایک صوفی کے بغیر ناممکن ہے۔ دہکتے تندور جس کا درجہ حرارت ۵۰۰ ڈگری سیلیسس کے آس پاس ہوتا ہے، میں روٹی چپکانے، پکانے اور پھر باہر نکالنے کے لئے بار بار اپنا پورا بازو ڈالنا، بظاہر ایک صوفی کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ یہ مسئلہ اشوک پرتاپ سنگھ کی نظروں میں بھی مشکل اور مبہم ہے۔ اس حوالے سے اُن کی خامہ فرسائی یوں ہے:

"For reasons which are not known, all the Muslim bakers in the Valley are called Sofi. The presumption is that some of their ancestors were closely associated with the religious preachers and had adopted this name"54

اس تمدنی صورتِ حال پر ہلال میر یوں رقمطراز ہیں:

''میں ہمیشہ حیرانی کی حد تک عجیب محسوس کرتا ہوں کہ کشمیر کے بیشتر لوگ جو روٹی بنانے کے پیشہ سے وابستہ ہیں، کیونکر صوفی کہلاتے ہیں۔ اگرچہ میں نے اس سوال کا جواب ڈھونڈ نکالنے کی کافی کوشش کی، پر تاریخ سے مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ میں نے اپنے دماغ سے اس سوال کا جواب یوں کھنگالنے کی کوشش کی کہ روٹی بنانے کے ساتھ صوفی ہونے کا کوئی نہ کوئی واسطہ ضرور ہے۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ سالہا سال سے ایک کاندر پو پھوٹنے سے پہلے اپنا کام شروع کر کے اس میں دن بھر مصروف رہے۔ وہ بھی دھوئیں سے بھرے پڑے کارخانہ کاندر میں جہاں وہ دہکتے تندور میں روٹیاں پکانے کے دوران اپنے ہاتھ جلانے سے بھی نہیں رہ جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ کام ایک صوفی ہی انجام دے سکتا ہے55۔

۵۳۔ ابو ریحان البیرونی، 1993، البیرونی کا ہندوستان، نئی دلی، ص، 17

54. Ashok Pratap Singh and Patiraj Kumar, 2007, Psychological Implications in Industrial Performance, New Delhi, P.783

55. Hilal Mir, in Kashmir there's bread for every season, Hindustan Times, June 15, 2014, New Delhi

مذکورہ بالا روش کے چلتے اگر پرانوں کی اس کتّھا، کہ کاندو (جو کاندر کا سرچشمہ مانا جاتا ہے) ایک حکیم دانا یوگی تھا جس کے ساتھ پوتر، دیندار، خدا ترس اور متقی جیسے اوصاف منسلک ہیں، میں صوفیت کی خاصیتیں تلاش کی جائیں یا اس میں اسلاف کی صدائے بازگشت سُنائی دے، شاید کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اِدھر طبقہ کاندر خاص کر بیکری بنانے والوں میں ایک مشہور کتّھا کے مطابق اُن کے اجداد صوفی منش تھے جس کا انکشاف جی۔آر۔صوفی نے ۵۶ راقم کے نام ارسال کردہ خط میں کچھ اس طرح کیا ہے:

''کشمیر کے بیکر عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کے اسلاف درویش گزرے ہیں۔اس لئے صوفی کہلائے۔ یہ لوگ اپنی نسبت حضرت ملاحسین آخون، جن کو تاریخ حسن میں خُباز (عربی میں روٹی) لکھا گیا ہے، ملاتے ہیں۔ملاحسین جب وسطِ ایشیاء سے واردِ کشمیر ہوئے تو اُنہوں نے میر محلّہ ملارٹہ (نوہٹہ سرینگر) میں رہنے والے ایک نانوائی کے ہاں کئی شب گزارے اور اُنہیں کارِ کاندر کی فنی خوبیوں سے آگاہ کیا'' ۵۷۔

مندرجہ بالا روایتی اور اساطیری خیالات سے اس عقیدے کی مضبوطی نہیں بلکہ توسیع ہوجاتی ہے کہ پیشہ کاندر کے اجداد واقعی یا تو صوفی گزرے ہیں یا انہیں صوفیوں سے قربت تھی۔ نیز اگر جی۔آر۔صوفی کے ان خیالات سے اتفاق کیا جائے کہ کاندر لوگ، ملاحسین آخون کا سالانہ عرس بڑے احترام کے ساتھ منا کر دن بھر وعظ و مواعظ کی محفلیں آراستہ کرنے میں بسر کرتے ہیں ۵۸ تو یہ تقویت خیال کی دلالت سے کم نہیں ہے۔

کاندر سے صوفی بننے کی سب سے اہم وجہ وہ سماجی اور مذہبی ماحول ہوسکتا ہے جس نے دورِ وسط میں کشمیر کے پسماندہ طبقوں بشمولِ پیشہ وروں کی زندگی اجیرن بنائی تھی۔فلسفۂ اسلام نے جب اپنی جڑیں مضبوط کیں تو نیچ ذات اور پیشہ ور کشمیریوں کو نہ صرف جائے پناہ مل گئی بلکہ

۵۶۔جی۔آر۔صوفی راج باغ سرینگر کے باشندے ہیں۔علی گڈھ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریاستی سرکار کی نوکری شروع کی۔کئی بڑے عہدوں پر فائز رہنے کے بعد 2015ء میں انفارمیشن کمشنر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

۵۷۔جی۔آر۔صوفی کا راقم کے نام خط، ۲۱/اپریل ۲۰۱۵ء، سرینگر

۵۸۔ان باتوں کا اظہار جی۔آر۔صوفی نے راقم کے ساتھ ایک رسمی ملاقات کے دوران کیا۔ یہ بات چیت ۱۵/دسمبر ۲۰۱۵ء کو چشمہ شاہی کے کورس میں ہوئی۔

عزت، احترام اور شناخت بھی۔ اونچ نیچ اور ذات پات کے ماحول سے نجات دلانے کے لئے داعئ اسلام عبدالرحمان بلبل اور رینچن شاہ سمیت بعض حکمرانوں نے کئی قدم اُٹھائے جس میں اُن لوگوں کی ذاتیں بدلنا بھی شامل تھا جو یا تو نیچ کام کرتے تھے یا اُن کا تعلق پیشہ ور طبقوں سے تھا۔ مثال کے طور واتل، چوہڑہ اور موچ کے لئے ایک نئی ذات ''شیخ'' تجویز کی گئی[۵۹] نایِد (نائی) کو خلیفہ، پیج کو قصائی اور ڈومب کو ایک اعلیٰ ذات گنائی میں بدل دیا گیا۔ اسی طرح کرال کو کُلال اور کمار، چھان کو نجار، وازہ کو آشپاز، کھار اور لوہار کو آہنگر جبکہ کئی روایتی ذاتیں قریشی نامی ذات میں بدل دی گئیں۔ اس حوالے سے راجہ نذر بونیاری لکھتے ہیں:۔

> ''مسلمانوں میں ذات پات کے تصور کو ختم کرنے اور ہاتھوں سے 'نیچ کام' کرنے والوں کو احساسِ کمتری سے باہر نکالنے کے لئے شہاب الدین شاہ نے انتہائی دانائی اور حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے چند ذاتوں کے نام بدل دیئے تا کہ اُنہیں حقیر یا کمتر نہ سمجھا جائے۔ ان میں خصوصاً وہ پیشہ ور تھے جو ایسے کام کرتے تھے جو ''بڑی ذات'' والے، کرنا، اپنی توہین سمجھتے ہیں......''[۶۰]

اس تمدنی ماحول کے چلتے کاندر سے صوفی بننا حیران کن نہیں بلکہ تقاضۂ وقت تھا جس سے سماج میں کئی تبدیلیاں تو آ گئیں مگر روایتی ڈھانچہ تہس نہس ہونے کے بعد۔ پھر بھی راقم کے ذہن میں یہ خلش باقی ہے کہ اگر وازہ کو آشپاز، کھار کو آہنگر یا اسی طرح بھکاری کے لئے ''شریف'' اور پہل کے لئے چوپان ذات کا انتخاب کیا گیا تو کاندر کے لئے صوفی کے بجائے نانوائی کیوں نہیں۔ کافی غور و خوض کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو کتھائیں اور عقائد کاندر کے ساتھ منسلک کئے گئے ہیں، شاید اُن کے اثرات کاندر کو صوفی بنانے والوں کے ذہنوں پر حاوی ہوئے ہوں گے۔ نیز کاندر اور مُلا حسین آخون سے منسلک باتوں نے بھی کاندر کو صوفی بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہوگا۔ ویسے بھی یہ تمدنی عقیدے اپنی جگہ۔ پس یہ اندازہ لگانا بھی درست ہوگا کہ کاندر کو نانوائی

۵۹۔ شیخ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب بڑا، بزرگ، خدا کا نیک بندہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ، عالم فاضل، شریعت کا پابند اور اسلام کی تعلیم دینے والا یا مدرس ہے۔ تصوف میں شیخ کے معنی امام اور راستہ دکھانے والا بھی ہے۔

۶۰۔ راجہ نذر بونیاری، شیڈول کاسٹ: مسلمان اس زمرے سے باہر کیوں، قسط۔2، کشمیر عظمیٰ، ۱۵/ مارچ 2007، سری نگر کشمیر۔

کے بجائے صوفی نام دینے کے پیچھے ضرور کسی ایسے صوفی بزرگ کا ہی ہاتھ ہوسکتا ہے جو نہ صرف شاہی دربار سے قربت رکھتا ہو بلکہ اُس میں حکام کو اپنی بات منوانے اور اُس پر عمل کروانے کی صلاحیت بھی ہو۔ ممکن ہے ایسا صوفی بزرگ ملا حسین آخون ہی ہوں۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ دورِ وسط میں جب کشمیر سیاسی اور مذہبی بدلاؤ کی راہ پر گامزن تھا تو اس کا زیادہ اثر یہاں کے سماجی ڈھانچے پر مرتب ہوا۔ سوسائٹی کی بنیادیں ہل گئیں۔ رسم ورواج اور عادات واطوار میں پھیر بدل ہوا۔ آدابِ زندگی بدل گئے۔ لباس میں تبدیلی آگئی۔ زبان بدل گئی۔ ذاتوں میں بدلاؤ آیا۔ کنجر، بھانڈ، ہانجی، موچی، واتل، نایداور پج وغیرہ پیشہ وروں نے اپنے لئے من پسند اعلیٰ ذاتوں کا انتخاب کیا۔ اس تنزلی صورتحال اور تناؤ کے ماحول میں کاندر طبقہ کے بزرگوں جو اتفاقاً صاحب جاہ صوفی ہوسکتے تھے، نے روٹی بنانے والوں کے لئے صوفی ذات کا انتخاب کیا ہو۔ بہرحال حقیقت کچھ بھی ہو۔ اتنا تو طے ہے کہ کاندر طبقہ کے لوگ دیوی دیوتاؤں، ریشی منیوں اور صوفیوں کی قربت میں رہے ہیں جس کے آثار اُن کی روزمرہ زندگی سے آج بھی جھلک رہے ہیں۔ تاہم اس عقیدتی ماحول میں روز بہ روز کمی آرہی ہے۔ روایتی کاندر اپنی ذمہ داریوں سے دستبردار ہور ہے ہیں۔ دوسرے طبقوں سے وابستہ لوگ اس پیشہ کو اپنانے میں لگے ہیں جسے اس طبقہ کا روایتی کلچر تہس نہس ہورہا ہے۔ اسی طرح اصلی نانوائی بھی دوسرے کاموں کی طرف راغب ہوئے اور روٹی بنانے کے روایتی ہنر میں کمی واقع ہوئی جس کا خمیازہ عام لوگوں کو اُٹھانا پڑ رہا ہے۔ اگرچہ کاندر کارخانوں میں روز بہ روز اضافہ ہورہا ہے لیکن روٹی بنانے کا وہ ہُنر زوال پذیر ہوا جس کے باعث کشمیر کے ژوچہ وُرو (کشمیری تندوری روٹی) کو قومی روٹی کا درجہ حاصل تھا[١٦]۔ روٹی بنانے والے یہ کاندر کشمیر کے نشیب وفراز میں رہ رہے ہیں یا بقول ناگندر سنگھ

١٦۔ روٹی بنانے والوں نے آج تک کئی عالمی ریکارڈ قائم کئے ہیں جن کا تذکرہ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز میں ہو چکا ہے۔ 2004ء میں لندن کے ''ہونیٹا پ سپیشلٹی فوڑس'' نے آج تک کی سب سے بڑی روٹی، جس کی لمبائی دس اور چوڑائی چار فٹ تھی، بنائی ہے۔ یہ روٹی پانچ گھنٹوں میں تیار ہوئی اور پانچ آدمیوں نے اٹھائی۔ اسی طرح برطانیہ کے انڈین اوشن ریسٹورنٹ نے ایک گھنٹے میں 640 روٹیاں بنانے کا ایک عالمی ریکارڈ قائم کیا ہے۔

جموں وکشمیر کے ہر ضلع میں'' 62۔روٹی بنانے کے علاوہ صوفی ذات کے لوگ اور بھی کئی کام کرتے ہیں جو مہنگائی کے اس دور میں لازمی ہے۔ان لوگوں کے پاس زمین اور چھوٹے بڑے کارخانے بھی ہیں۔بعض صوفی بڑے بڑے تاجر اور اعلیٰ عہدوں پر تعینات ہیں۔اِن کی بیشتر آبادی پڑھی لکھی ہے۔

سب سے بڑی بات یہ جس کا قائل ہر چھوٹا، بڑا اور بزرگ ہے کہ پیشہ کاندر کافی برکت والا ہے جس کے یہاں نہ کبھی پیسے کی قلت ہوتی ہے اور نہ ہی غذائی اجناس کی۔شاید یہ بھی وجہ ہے کہ اس پیشہ کی طرف زیادہ سے زیادہ لوگ راغب ہو رہے ہیں۔

اہم شخصیات

کسی بھی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے، پتہ چلے گا کہ ہر کسی طبقہ میں بعض ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں ہیں جو شعر و ادب، تعلیم، سیاست اور صحافت سمیت کسی نہ کسی شعبۂ میں اپنی صلاحیتوں کے جو ہر دکھاتے آئے ہیں۔کانڈُر یا صوفی ذات میں بھی بعض ایسی شخصیات نے جنم لیا ہوگا جنہوں نے زندگی کے بعض شعبوں میں نمایاں کام کئے ہوں گے۔تاہم اس کے متعلق تفصیلات کی کمی درپیش ہے۔پھر بھی کچھ شخصیات کا تذکرہ لازمی ہے۔سب سے پہلے کشمیری زبان کے ایک اہم صوفی شاعر احد کاندر کا تذکرہ لازمی ہے۔1890 میں کدل بل پانپور میں پیدا ہونے والے یہ شاعر ۶۴ سال کی عمر میں 1954 کو فوت ہوئے۔آپ کا بیشتر کلام گردشِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔آج تک اُن کا ایک ہی کلام ہاتھ آیا ہے جس کے بول ہیں:

فلا فانِ زُ ومیٚہ وللہ کوٚ رمےٚ تس پتھ

وَللہ چھُس کران تَس پتے، پوٚنپر ینہ گژھ ۶۳

اس ذات سے تعلق رکھنے والی ایک اور شخصیت صوفی غلام محمد 1930 میں بچھوارہ ڈلگیٹ میں پیدا ہوئی۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے مضامین لکھے۔رفتہ رفتہ خاکہ،

62.Nagendra Kr Singh,Abdul Mabud Khan, 2001, Encyclopaedia of the World Muslim: Tribes,Castes and Communities, New Delhi, Vol.4,P.1330

۶۳: ڈاکٹر آفاق عزیز، 2000، مقبول عام ہاتھ، دہلی، ص،۳۲

انشایئے اورافسانہ لکھنے کی طرف مائل ہوئے۔آپ کے دوافسانوی مجموعہ ''شیشہِ اورسنگستان'' اور ''لَو تہ پرو'' ہے۔صوفی صاحب بنیادی طور ایک ادیب تھے تاہم صحافت میں بے حد دلچسپی تھی۔ ابتداً کئی اردواخبارات میں کام کیا اور آخر پر ''روزنامہ سرینگر ٹائمز'' نام کا اخبار نکالا۔ پچاس سال تک اردوصحافت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر اس دنیا سے رُخصت ہوئے۔صوفی صاحب جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔آپ برصغیر کے ممتاز صحافیوں میں شمار ہوتے رہے۔صوفی صاحب کے بعد ان کے دو برادران بشیر احمد بشیر اور صوفی یوسف نے روزنامہ ''سرینگر ٹائمز'' کا کام کاج سنبھالا اوراسے بڑی تن دہی سے انجام دے رہے ہیں۔ایک اور صحافی، کالم نویس، مضمون نگار اور موّرخ جناب صوفی محی الدین بھی بچھوارہ کے اسی صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جہاں صوفی غلام محمد نے جنم لیا تھا۔صوفی محی الدین نے ایک درجن کتابیں لکھی ہیں جو بیشتر تاریخِ کشمیر پرمبنی ہیں۔صوفی ذات کے ایک اور بزرگ صوفی محمد اکبر گزرے ہیں جو سوپور کے باسی تھے۔اُن کا شمار مرحوم شیخ محمد عبداللہ کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ 1975 ہیں اندرا عبداللہ ایکارڈ پر اختلاف کے باعث شیخ صاحب سے الگ ہوئے اور ''محاذِ آزادی'' نام کی ایک نئی تنظیم بنائی۔1988 میں اس دارِفانی سے رخصت ہوئے اور سوپور میں دفن کئے گئے۔صوفی ذات کی ایک اور شخصیت علاقہ ترال کے گیرو (موجودہ نام نور پور) میں رہتی تھی جن کا نام محمد شعبان صوفی تھا۔آپ کا کلام بہت ہی شیرین مگر نایاب ہے۔ایک کشمیری مثنوی ''گل و صنوبر'' موجود ہے۔نمونۂ کلام یہ ہے۔

خدایا تورُکن کینْہہ چھمنہ سامان   امیدبارٕ رحمتس چُھے صوفِ شعبان
ژہ نے یاری کرکھ کوت واتہِ انسان   ژہ کُن عرضی کرانی صوفِ شعبان ۶۴

علاوہ ازیں اس ذات کے کئی موسیقار بھی مشہور ہیں جن میں صوفی غلام احمد عرف عمہ صوف (جوگی لنکر رعناواری) اور غلام حسن صوفی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ان نغمہ خوانوں کی سریلی اور مؤثر آواز آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔

ماحصل

مذکورہ بالا تحقیق وتنقید اور تجزیہ سے مختصراً یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ روٹی بنانے کے پیشہ سے

۶۴۔ محمد شعبان صوفی، 1970، گل وصنوبر کلان، سرینگر، ص، 29، 48۔

وابستہ لوگ مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں جن میں کاندر، صوفی اور نانوائی بھی شامل ہے۔ ہنر، صفائی اور درویشانہ اوصاف کے باعث اس طبقہ سے وابستہ لوگ دنیا کے اطراف واکناف میں رہتے ہیں۔ کاندر لفظ کا منبع دراوڑ زبانوں سے جاملتا ہے جب کہ تندور لفظ کا مسکن سرزمینِ عراق کی اکادی زبان سے منسلک ہے۔ اس طبقے کے لوگ جموں وکشمیر کے شہر و دیہات، کنڈی علاقوں اور قصبوں میں بود باش کرتے ہیں۔ یہ لوگ پڑھے لکھے ہونے کے علاوہ نوکری اور مختلف پیشوں سے بھی وابستہ ہیں۔ شالہ کاندر، مغل دربار، جین بیکری، پانپور کی شیرمال اور شوپیان کے قلچے پوری وادی میں لطافت کے اعتبار سے بہت مشہور ہیں۔



کھار

فنِ آہن گری دُنیا کا ایک قدیم پیشہ ہے جس کے ساتھ لوگوں کی اچھی خاصی تعداد وابستہ رہی ہے ۔ یہ لوگ تقریباً ہر مُلک میں پائے جاتے ہیں اور مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔اُن کے بارے میں کچھ جاننے سے قبل یہ جاننا اشد ضروری ہے کہ دُنیا میں اوزار بنانے کی صنعت کس قدر پُرانی ہے اور اس کی ابتدا کب اور کہاں ہوئی ہے ۔مزید برآں ، دھات سے متعلق ابتدائی معلومات بھی فراہم ہونی چاہیئے تب جا کے فنِ آہن گری اور اس سے وابستہ لوگوں کی ذات کا تاریخی پسِ منظر سامنے آ سکتا ہے۔

انسانی تہذیب کی قدیم تاریخ ابھی اس حد تک کھنگالی نہیں جاسکی ہے کہ ضروریات زندگی کے اوزار بنانے کا صحیح زمانہ معلوم ہو۔تاہم سماجیات ،لسانیات اور آثار شناسی سے جو کچھ اخذ کیا گیا ہے، اُس کے مطابق انسان نے ابتدا سے ہی شکار کرنے کے لئے پتھر کے نوک دار اوزار بنانے شروع کئے تھے۔سوئزر لینڈ کے نیدر تھل شہر سے انسانی ہڈیوں کے جو ڈھانچے دریافت ہوئے اُن کے ساتھ پتھر کے بنے نوک دار اوزار بھی ملے تھے جن سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ سنگ تراشی کا فن آغازِ تمدن کی ایک بنیادی اکائی تھی[۱]۔جب زراعت کاری[۲] کے دور میں

۱۔ مرتضیٰ احمد خان، ۱۹۵۰ء، تاریخ اقوامِ عالم، بمبئی، ص، ۴۹۔

۲۔ زراعت کاری کے متعلق اطلاع ہے کہ اس کی ابتدا کوئی بیس ہزار سال ق م میں ہوچکی تھی جس کے نمونے دجلہ اور فرات کی وادیوں سے ملے ہیں۔اس خطے میں زراعت پیشہ انسان نے دس ہزار سال ق م میں کافی ترقی کی تھی۔ یہاں تک کہ پتھر سے اوزار بنانے والے لوگ ہڈیوں اور سینگوں سے بھی اوزار گڑھنے لگے تھے جس میں مچھلی کا شکار کرنے والے دنداں دار نیزے قابلِ ذکر تھے۔

نئے نئے اوزاروں کی ضرورت محسوس کی گئی تو مذکورہ پیشے سے وابستہ لوگوں نے حسبِ ضرورت پتھر کے جدید اوزار بنائے جن میں زمین کھودنے کے لئے کدال اور فصل کاٹنے کے لئے درانتی جیسی چیزیں شامل تھیں[۳]۔ دُنیا کے بیشتر ملکوں سے جو اوزار دریافت ہوئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ پتھر کے بنے اوزاروں کی صنعت قدیم زمانے میں جگہ جگہ موجود تھی۔

پتھروں سے بنائے جانے والے اوزاروں کی صنعت جب عروج پر تھی تو وقفہ وقفہ سے دھات کی گئی قسمیں دریافت ہوئیں جن میں سونا، تانبا اور چاندی قابلِ ذکر ہیں۔ اُن دھاتوں کی دریافت کے متعلق ماہرین میں اختلاف رائے ہے تاہم وہ اس بات پر متفق ہیں کہ دھات کی یہ تینوں قسمیں جن سے ضروریات زندگی کی چیزیں بنائی جاتی تھیں، سات ہزار سال ق م سے لے کر چار ہزار ق م کے درمیانی زمانے میں دریافتیں ہوئیں ہیں[۴]۔ دھات سے متعلق تازہ تحقیق بتاتی ہے کہ عہدِ پارینہ میں تانبے کے کم تیز اور کم نوک دار اوزار بنائے جاتے تھے جن کے باقیات انتولے سے دریافت ہوئے ہیں[5]۔ غرض ''شکاری دور'' سے لے کے کم وبیش تین ہزار سال ق م کے آس پاس تک پتھر، ہڈی، پیتل، سونے اور تانبے کے اوزار استعمال ہو ہی رہے تھے کہ ماہرین کو آہن یعنی لوہا جیسی چیزیں ہاتھ آ گئیں۔

لوہا کب سے استعمال میں آنے لگا، اس کے متعلق کئی آرا سامنے آئیں ہیں۔ اگر برصغیر کی بات کریں تو افغانستان سے لے کر کنیا کماری تک ایسے درجنوں مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے، جہاں دو ہزار سال ق م سے پہلے لوہا استعمال کیا جاتا تھا جس میں بلوچستان، گنگا وادی، مالوہ، برار، مشرقی وجنوبی ہند کے علاقے قابلِ ذکر ہیں[6]۔ اس طرح اُتر پردیش کے ملہار اور

---

[۳]۔ مرتضٰی احمد کان، ۱۹۵۰ء، تاریخ اقوام عالم، بمبئی، ص، ۶۸۔

[۴]۔ ایک رائے کے مطابق سونا ۶۰۰۰ ق م اور چاندی ۴۰۰۰ ق م میں دریافت ہوا۔ ایک اور اندازہ یہ ہے کہ تانبا ۷۰۰۰ اور سونا ۳۰۰۰ ق م میں دریافت ہوا۔ حقیقت جو بھی ہو۔ اتنا طے ہے کہ مذکورہ دھات مختلف علاقوں میں مختلف وقتوں میں مروج تھے۔ مثلا ۷۰۰۰ ق م میں بنی تانبے کی چیزیں انتولے، ۴۰۰۰ ق م میں بلقان ۳۸۰۰ ق م ایران اور ۲۴۰۰ ق م میں ہندوستان سے دریافت ہوئے ہیں۔ اسی طرح مصر سے ۳۰۰۰ ق م میں سونے کے زیورات ملے ہیں۔

5: www.historyofmetallurgy.com

6:D.K.Chakrabarti, 1992,the Early use of Iron in India,New Delhi,P.37

دودھپور میں بھی ۱۸۰۰ ق م سے لے کے ۱۲۰۰ ق م کے بیچ لوہے کے اوزار استعمال ہونے کی شہادت ملتی ہے۔ اس دور میں لوہا کیسے پگھلایا جاتا رہا اس کا کوئی سراغ اب تک نہیں مِلا ہے۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ پگھلانے، نرم کرنے اور پھر مختلف قسم کے اوزار بنانے کا آغاز بہر حال تیرہویں صدی ق م کے آس پاس ہوا تھا[7]۔ لوہے کی یہ صنعت اس قدر تیزی سے پھیل گئی کہ ایک ہزار سال ق م تک تقریباً پوری دُنیا میں لوہے کا استعمال ہونے لگا ثبوت کے طور پر وہ خنجر پیش کیا جا سکتا ہے جو مصر کے فرعون ''طوطخ آمن'' کے مقبرے سے ملا ہے۔ اس خنجر کا پھل لوہے اور دستہ سونے کا تھا[۸]۔ یہودیوں کے عہد نامۂ عتیق کے مطابق حضرت موسیٰ کے جانشین یشوع، لوہے کے اوزار استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح رامائن میں درج ہے کہ لنکا کے راجا، راون کے بھائی کے پاس لوہے کا گُرز تھا[۹]۔ لوہے کے اوزار خاص کر آلاتِ کشاورزی اور آلاتِ حرب وضرب جو چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان میں تیار کئے جاتے تھے وہ مغرب میں بنے اوزاروں کے مقابلے میں زیادہ بہتر مانے جاتے تھے۔[10]

کشمیر میں لوہے کے اوزار

مفصل معلومات کی عدم دستیابی کے باعث یہ کہنا انتہائی مشکل ہے کہ کشمیر میں لوہے کی تاریخ کتنی پُرانی ہے۔ دراصل اس موضوع کو آج تک زیرِ بحث لانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی ہے۔ تاریخ میں چند اشاروں کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشمیر میں لوہا شاید قدیم زمانے سے ہی موجود تھا[11]۔ جس کی شہادت بُرزہامہ تہذیب کے آخری دور میں قلعہ پری ہاسپورا اور دورِ وسط میں تعمیر شُدہ مندروں سے بھی ملی ہے[۱۲]۔

7.M.D.N.Sahi, 1979 Iron at Ahar, Essays in Indian, Prohohistory(D.P,Agarwal and D.K.Chakrabarti), Delhi,P.361

۸۔ مرتضیٰ احمد خان، ۱۹۵۰ء، تاریخ اقوام عالم، بمبئی، ص، ۲۱۹۔

۹۔ مرتضیٰ احمد خان، ۱۹۵۰ء، تاریخ اقوام عالم، بمبئی، ص، ۲۲۰

10.N.R.Banerjee, 1965, The Iron Age in India, Delhi P.175-190

11.D.K.Chakrabarti,1996,Copper Alloys in Ancient India Delhi.P.161

۱۲۔ کاشر انسائکلوپیڈیا، جلد، ۳، کلچرل اکیڈیمی، ۱۹۹۷ء، ص، ۲۸۸۔۲۸۹۔

''نیل مت پرُان'' میں لوہے کے جنگی ہتھیاروں کا تذکرہ ملنے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ کشمیر میں اُن کی تاریخ پُرانی ہے 13۔ اس سلسلے میں پیر غلام حسن شاہ کا یہ بیان بھی کافی حوصلہ افزا ہے کہ پُشر (کاٹھا رانت ناگی) ژوہن (شاہ آباد ڈورو) صوف ۱۴ (برنگ انت ناگ) شار شالی (پانپور) اور ہرون (زینہ گیر سوپور) نامی گاؤں میں لوہے کی صنعت موجود تھی ۱۵۔

''کشمیریوں کی رائے میں صوف سے حاصل ہونے والا لوہا ہندوستان سے درآمد کئے جانے والے لوہے کی نسبت زیادہ بہتر ہے'' ۱۶۔

صوف گاؤں کے علاوہ مذکورہ بالا مقامات سے نکلنے والے لوہے کے بارے میں اب تک کوئی تحقیق نہیں ہوئی ہے۔ تاہم جب راقم اپنے اسکالر اور محقق دوست ڈاکٹر شیخ طلال کے ہمراہ صوف ۱۷، گاؤں میں واقع لوہے کی کان دیکھنے گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں سے 1947 تک لوہا نکالا جاتا تھا۔ ایک مقامی تاجر محمد اشرف شاہ ولد غلام نبی شاہ جنھوں نے ''کان'' تک ہماری رہنمائی کی، نے ہمیں اطلاع دی کہ گاؤں میں ایک سو پندرہ سالہ غلام محمد وانی اب تک بقیدِ حیات ہے اور تندرست ہے۔ وہ کچھ اس کان کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔ چنانچہ موصوف سے ملنے کے لئے ہمیں کئی کلومیٹر چلنا پڑا۔ وہ اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے۔ اُنھوں نے کان کے بارے میں بتایا:

13.Dr.Ved Kumari 1969,The Nilmat Purana,Vol-1. Srinagar,P 115

۱۴۔ تاریخِ حسن جلد اوّل، ص، ۱۶۱۔

۱۵۔ والٹر لارنس، ویلی آف کشمیر، مترجم۔ جوتیشور پتھک، جموں، ص، ۸۴

۱۶۔ ایضاً، ص، ۸۴

۱۷۔ صوف، کوکرناگ تحصیل کا ایک گنجان آبادی والا گاؤں ہے۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق صوف کی کل آبادی تقریباً ۶ ہزار ہے۔ یہاں کی شرح خواندگی 54% ہے۔ یہ گاؤں ہانگل گُنڈ سے ۲ اور کوکرناگ سے ۴ کلومیٹر دور ہے۔ گاؤں کئی محلوں پر مشتمل ہے جس میں دیوان محلّہ، وانی محلّہ، بیگ محلّہ، شیری محلّہ، ماتک محلّہ، بھٹ محلّہ، شاہ محلّہ، کھار محلّہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں ڈار، وانی، شیری، ماتک، پیر، شاہ اور آہنگر ذات کے لوگ کافی تعداد میں رہتے ہیں۔ 1990 تک یہاں کشمیری پنڈت بھی رہتے تھے جن میں کشمیری زبان کے مشہور شاعر سروانند کول پریمی قابل ذکر ہیں۔

''میری عمر ایک سو پندرہ سال ہے، میں نے پوری بیسویں صدی دیکھی ہے۔ مہاراجوں کے زمانے میں میرے والد اور میں امرناتھ بیگار پر جاتے تھے، جواہر ٹنل کی تعمیر جب ہو رہی تھی تو میں نے شروع سے آخر تک یہاں مزدوری کی۔ میں جوانی میں انبالہ، امرتسر اور پنجاب کے دوسرے علاقوں میں مزدوری کے لئے جاتا تھا۔ 1947 کے بعد یہ سلسلہ جاری نہ رہا۔ جہاں تک اس گاؤں کے لوہے کا سوال ہے تو صوف خاص کر پانکھن وڈر (کریوہ) میں بہت اچھا لوہا نکلتا تھا۔ میں نے یہاں بھی مزدوری کی ہے۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ ایک بڑا کشادہ اور لمبا لوپُن ۱۸؎، جو فولاد کا ہوتا تھا، میں خام لوہا ڈالنے کے بعد اس کے نیچے ایندھن جلایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لوہا پگھل کر بہنے لگتا۔ اس کے بعد اس کو چھانا جاتا تھا۔ کھرا اور کھوٹا الگ کیا جاتا تھا۔ اس طرح لوہے کے بڑے بڑے تختے تیار ہو کے باہر بھیجے جاتے تھے''۔ ۱۹؎

اس کان کے بارے میں صوف گاؤں کے ایک اور پشتنی باشندے رویندر روی جو نامساعد حالات کے چلتے 1990 میں یہاں سے ہجرت کر گئے اور آکاش وانی دلّی میں بطورِ نیوز ریڈر تعینات ہیں، نے راقم سے ایک غیر رسمی بات چیت کے دوران انکشاف کیا کہ:

''پنڈت ٹھوکر کول میرے پردادا تھے جو صوف کی پانکھن کریوہ سے لوہا نکالنے کا کام ٹھیکے پر لیا کرتے تھے۔ میرے والد سروانند کول پریمی بتاتے تھے کہ مہاراجہ کی حکومت میں لوہا نکالنے کے لئے ٹینڈر طلب کئے جاتے تھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری عشرے اور انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس کان سے لوہا نکالنے کا ٹھیکہ پنڈت ٹھوکر کول کو ہی ملا تھا۔'' ۲۰؎

رویندر روی کا یہ بھی کہنا ہے کہ پانکھن کریوہ کے علاوہ صوف کی گوتہ ناڑ' کا ونہ اور ہاپت ناڑ کریوہ سے بھی لوہا نکالا جاتا تھا۔ تاہم راقم نے مذکورہ کریوہ کے متعلق حقائق جاننے کی کافی کوشش کی مگر تادمِ تحریر کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ شری روی جی نے یہ بھی کہا کہ 1988 میں جیالوجی اینڈ مائننگ کی ایک ٹیم نے صوف کی پانکھن کریوہ میں کام شروع کیا، لیکن بعد میں یہ کام بند ہوا۔

۱۹؎۔ غلام محمد وانی ولد عبدالغنی وانی ولد حبیب وانی ولد قدوس وانی صوف نامی گاؤں کی بزرگ ترین شخصیت ہے جس نے راقم کے ساتھ ملاقات کے دوران اہم باتیں بتائیں۔ ملاقات میں اور لوگوں کے علاوہ کشمیر یونیورسٹی کے ڈاکٹر شیخ طلال، جاوید اقبال ڈار (لدھو پانپور) مقامی تاجر محمد اشرف شاہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ یہ ملاقات 5/ جولائی 2015 کو پانکھن کریوہ کے دامن کوہ ہوئی۔

۲۰؎۔ یہ باتیں رویندر روی نے 25/ جون 2015 کو ٹیلی فون پر بتائیں اور ای میل کر کے بھی بھیج دیں۔

بہرحال، یہ ثابت ہے کہ کشمیر سمیت دُنیا کے اطراف و اکناف میں لوہے کی دریافت سے پہلے ہی گھڑائی کا پیشہ پتھر کے زمانے سے ہی موجود تھا جس کا اعتراف ماہر آثارِ قدیمہ کے ایچ۔ ڈی۔ سنکالیہ نے بھی کیا ہے۔ وہ ثابت کر چکے ہیں کہ وادیٔ لیدر (پہلگام) اور پریگ (سونہ مرگ) کی کھدائی کے دوران پتھروں سے تیار کئے گئے جو اوزار دریافت ہوئے ہیں، وہ ایشیاء کے قدیم ترین اوزار ہیں 21۔

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہی وہ لوگ رہے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دھات کی مختلف قسموں سے نئے اوزار بناتے رہے۔ یہاں تک کہ پیشہ گھڑائی سے وابستہ لوگ مختلف پیشوں میں بٹ گئے۔ مثلاً سنگتراش، مسگر، زرگر وغیرہ اور جب لوہا دریافت ہوا تو بعض لوگوں نے فنِ آہنگری کو دوسرے فنون پر ترجیح دی۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ کشمیر میں فنِ آہن گری کا آغاز آریا قوم کے واردِ ہند ہونے سے بہت پہلے ہوا ہے کہ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اس فن نے آریوں کی آمد کے بعد ہی ترقی کے منازل طے کئے۔

زیرِ بحث مقالہ کا بنیادی مقصد ''کھار'' ذات کی تاریخ ڈھونڈ نکالنے سے متعلق ہے۔ اس سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ لوہے کا کام کرنے والے لوگ کہاں اور کس نام سے جانے جاتے ہیں۔

فنِ آہن گری کے مختلف نام

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ لوہے کا کام کرنے والے لوگ مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں۔ سنسکرت زبان میں آہنی اوزار بنانے والے کو ''لوہارکارا'' کہا جاتا ہے۔ 22 پالی زبان ۲۳ میں اس طبقے کو ''لوہار'' کہا گیا ہے۔ 24 جولسانی ماہرین کے بقول

21.H.D. Sankalia,"New Evidence for Early Man in Kashmir."Current Anthropology, University of Chicago,Vol-12,No.4-5 1971, pp, 558-562

22. Alice C. Linsley, 2011, Afro-Asiatic Metal Workers CFwww.ofroasiatic metal workers.net

۲۳۔ پالی بھارت کی ایک قدیم زبان ہے جس میں مہاتما بدھ اور مہاویر سوامی نے اپنی تعلیمات کا پرچار کیا۔ اس زبان میں جاٹک، دھم پد (یہی لفظ کشمیری میں چھُم پد بن گیا جس میں شتی کنٹھ نے شاعری کی ہے) تری پاٹک، اٹھ کتھا اور مہاوِنش وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ پالی ادب کو بُدھ پران بھی کہا جاتا ہے اس زبان کے آثار پانچویں صدی ق م سے ملتے ہیں۔ پالی زبان میں 34 کانسونٹ اور 8 واویل ہیں۔

24.www.Ofroasiatic.metal workers.net

سنسکرت لفظ ''لوہا کارا'' کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ انگریز محقق ایچ۔ جی۔ والٹن دعویٰ کرتے ہیں کہ لوہار ''شلپا کارا'' ذات کی ایک ذیلی شاخ ہے۔25 اس رائے سے بہ آسانی یہ مطلب نکالا جاسکتا ہے کہ ''لوہار'' اور ''شِلپا کارا'' زمانۂ قدیم میں یا تو ایک ہی لفظی خاندان سے تعلق رکھتے تھے یا یہ کہ ''لوہار'' ''شلپا کارا'' سے نکلا ہوا لفظ ہے۔ برصغیر میں ''لوہار'' کو اور بھی کئی ناموں سے جانا جاتا ہے جس میں ''وشیوا کرما'' ۲۶ لوہانہ ۲۷ اور ''پانچالہ'' قابلِ ذکر ہیں۔ ''وشیوا کرما'' طبقہ کے لوگ خود کو وشیوا برہمن ٹھہراتے ہیں جس سے بعض اوقات ذات کا گمان ہوتا ہے۔ فرانس کے ماہرِ عمرانیات لوئیس ڈُمنٹھ کا کہنا ہے کہ پانچالہ لفظ معنیاتی اعتبار سے پانچ سے منسلک ہے جو پانچ طبقوں کی دلالت کرتا ہے جس میں لوہار، ترکھان، زرگر، سنگ تراشی اور لوہے کو صاف کرنے والا مستری شامل ہیں۔ بعض ذرائع کے مطابق پانچالہ قبیلے سے وابستہ بعض لوگوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مندرجہ بالا پانچ پیشوں کی مہارت رکھتے ہیں۔ اس قبیلے سے وابستہ لوگوں کی اچھی خاصی تعداد جنوبی ہندوستان میں رہتی ہے 28۔ لوہار ذات کے لوگ برصغیر ہندو پاک، بنگلہ دیش، نیپال 29 اور افغانستان 30 کے علاوہ کشمیر میں قدیم زمانے سے ہی بود باشی کرتے

25.M.G.Waltton, Almore Gazetteer, Govt.Press Allahabad CF Naval Viyogi, 2010 History of the Late Harappans and Shilpakara Movement,Vol:2 Delhi p.420

۲۶۔ وشواکرما ایک ہندو دیوتا ہے، اس طبقہ کے لوگ کئی طریقوں سے دیوتا کو پوجتے ہیں۔ یہ لوگ ویدوں کے ساتھ ساتھ پُرانوں کو بھی مقدس سمجھتے ہیں۔ ہندو عقیدہ کے مطابق وشواکرما دیوتا کی تخلیق ہے۔ جانو، مایا، توستار، شلپی اور وشیوا جینا اس کی پانچ اولاد تصور کئے جاتے ہیں۔ ویشواکرما طبقہ کو یقین ہے کہ پانچ گورتر جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اُنہی سے منسلک ہیں۔ یہ لوگ ابتدائی زمانے سے ہی انجینئرنگ، آرٹ اور فنِ تعمیر سے آشنا تھے۔

۲۷۔ کہا جاتا ہے کہ لوہانہ بنیادی طور کھشتری ذات کے لوگ ہیں جو برِصغیر کے سورج بنسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر گجرات اور ممبئی میں رہتے ہیں۔ جیمز ٹاڈ کے بقول لوہانہ اصل میں راجپوت تھے لیکن پیشہ تجارت اپنانے کی وجہ سے کھتری زُمرے میں شمار ہونے لگے ہیں۔

28.Perez Rosa Maria, 2004, Kings and Untouchables:A Study of the caste system in western India, Delhi, p.80

29.Krishna: B, Bhattacharia,2008, Bhattachara Including the Lohara among the Medhesi Dalit in his report on minorities in Nepal, New Delhi, p.207

30.H W Bellew,1969,An Inquiry into the Ethnography Afgranistan, pp, 139-184

آئے ہیں۔ کشمیری لوہار۳۱ محنتی، قابل اور باصلاحیت ہوتے تھے جس کی وجہ سے حکمران طبقہ لوہار قبائل کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم رکھتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوہار اس قدر طاقت ور ہوئے کہ دسویں صدی عیسوی میں کشمیر کا شاہی تخت لوہار خاندان کے قبضے میں چلا گیا اور کافی مدت تک اس کے قبضے میں رہا۔ لوہار حکمرانوں میں نرا، نارا، ستوہانہ، چندرا، سہا، وگرہ، ابھیمنو اور نندی گپت وغیرہ مشہور راجے گزرے ہیں۔ لوہار خاندان کی بنیاد راجہ نرا نے ڈالی تھی جو وجل کے بقول کھاسی ۳۲ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا33۔ لوہار، لوہرکوٹ۳۴ اور وادیٔ چھمب، جواب ہماچل پردیش میں شامل ہے، میں رہتے تھے۔ ماہرین کے بقول یہ غیر آریا لوگ تھے35 جو ناگ قوم میں سے تھے۔ ابتدائی تحقیق اور تجزیہ کے بعد یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں لوہار، وشیوکرما یا پانچالہ ذات کا ہر آدمی ایک سے زیادہ ہنر جانتا تھا۔ ٹھیک اُسی طرح کشمیر کے شہر و دیہات میں ''کھار'' ذات کے بعض لوگ نہ صرف لوہے کے اوزار بناتے تھے بلکہ ترکھان، مستری اور سنگتراشی کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ راقم الحروف نے بچپن میں ایسے لوگ دیکھے ہیں جو ایک ساتھ کئی کام جانتے تھے۔ کشمیر میں ایسے درجنوں گاؤں ہیں جہاں ماضی قریب تک اس قسم کے کاریگر موجود تھے۔ تاہم دورِ حاضر میں زندگی کے ہر شعبہ میں Specialization کی جو رَو چل پڑی ہے اس کی وجہ سے لوہار صرف لوہار رہا۔ ترکھان، مستری وغیرہ بھی اپنے ہی کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

۳۱۔ لوہار، لوہارا، لوہار یہ ذاتیں جاٹ گوتر (جاٹ لوہار ذاتوں میں لال، سہائے، بلہار، برنگ، ٹھاکر، دھونچک، سامل اور کلار قابلِ ذکر ہیں) سے تعلق رکھتی ہیں جو بی۔ ایس۔ دھایہ (از حوالہ: جاٹ قدیم حکمران ص:۹) کے بقول کشمیر کے لوہار بادشاہوں کی نسل سے ہیں۔ یہ ذاتیں آج کل متھرا اتر پردیش کے چھ دیہات میں رہ رہی ہیں جنھوں نے بعض وجوہات کی بنا پر چودھویں صدی عیسوی میں یہاں سے ہجرت کی تھی۔ مہندر سنگھ آریہ اپنی کتاب ''ادھونک جات اتہاس'' کے صفحہ 280 پر لکھتے ہیں کہ لوہار ذات کا آغاز کیلاش لوہار نامی شخص سے ہوتا ہے تاہم وہ یہ کہنے سے گریزاں ہے کہ وہ کون لوگ تھے۔

۳۲۔ کھاسی زبان کے لسانی ماہر روبرٹ آر۔ ای۔ بی۔ ایچ کا کہنا ہے کہ کھاسی لفظ عبرانی نکھا سا سے نکلا ہے جس کا بنیادی معنی مفہوم ناگ ہے۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ناگ میگالیتھک تہذیب نے تین سے چار ہزار ق م میں اسرائیل میں جنم لیا تھا۔ جہاں سے یہ تہذیب پہلے ایران اور کوہِ قاف کے علاقوں تک جا پہنچی اور اُس کے بعد یہ تہذیب وارد ہندوستان ہوئی تھی۔

33.J.Ph. Vogel, 1972 Indian Serpent Lore, Delhi,P:36

۳۴۔ لوہرکوٹ یعنی قلعہ لوہار، پونچھ کے لوہاران میں واقع تھا۔

35. Hatchison and Vogel, Vol.1,P.271 of Dr. Naval Viyagi. Vol.1 P.199

دنیا کی ہر تہذیب میں لوہے سے وابستہ طبقے ''کھار'' کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے جس کا اعتراف تمدن شناس ہمیشہ کرتے آئے ہیں۔ ''کھار'' مختلف زبانوں میں الگ الگ ناموں سے مشہور ہیں۔ دنیا میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں کھار طبقے سے وابستہ لوگوں کو ایک ہی نام سے یاد کیا جاتا ہے36 یا ایسے ناموں سے مشہور ہیں جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں جیسے لوہار، لوہارا، کھار، کھاری، لُہارو غیرہ وغیرہ۔ ایک خیال کے مطابق لوہار کی قدیم صورت لُہاری ہی ہوسکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم ایام میں کھار کو لُہاری کہا جاتا ہو، جس کا عندیہ اس لفظ کے لہجہ اور ادا ہونے میں مضمر ہوسکتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہی بات ''کھار'' لفظ پر بھی صادق آتی ہے۔ منگولیا کی زبان میں ''کھار'' لفظ کو کالا کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے ان الفاظ کے بیچ کوئی ایسا رشتہ رہا ہو جو اب تک پردۂ خفا میں ہے اور محققین کی کاوشوں کا منتظر ہے۔ میسوپوٹیمیا کی قدیم زبان اکادی ۳۷ میں کھار کے لئے لفظ ''گز'' موجود ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ ''گز'' سے ''کھر'' اور پھر ''کھار'' میں بدل گیا ہوگا۔ ۳۸ دوسری طرف کئی افریقی زبانوں میں کھار لفظ سے ملتی جلتی شکلیں موجود ہیں۔ مثلاً مصر میں دریا نیل کے بالائی خطے جس میں افریقہ کا مرکزی اور مشرقی علاقہ قابلِ ذکر ہے، میں بولی جانی والی زبان (Luo)39 میں کارا (Kara) لفظ مروّج ہے جس کے معنی ہیں ''جگہ جہاں سے سراخ کیا جاتا ہے۔'' ۴۰ معمولی تفاوت کے ساتھ یہی لفظ کارُو (Kaaru) کی صورت میں عبرانی زبان

36.E.T.Atxinson, 2002 The Himalyan Gazetter, Vol-11, Delhi,p:379

۳۷۔ کئی مغربی زبانوں میں کھار کے لئے سمتھ اور بلیک سمتھ لفظ رائج جبکہ بعض زبانوں کے لئے حمداد (عربی) اور وسط ایشیائی زبانوں کے لئے آہنگر استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۸۔ اکادی سامیم لسانی خاندان کی ایک قدیم زبان ہے جو میسوپوٹیمیا یعنی موجودہ عراق وشام میں آج سے پانچ ہزار سال پہلے بولی جاتی تھی۔ یہ زبان سب سے پہلے اکدشہر میں مروج تھی۔ آٹھویں صدی ق۔م میں اس کی جگہ آرمینی زبان نے لے لی۔

39.Alice C Linsley.2011, The Genesis Record of Horite Role P.15 Cf www.net

۴۰۔ لو (LUO) ایک قدیم قوم ہے جو نسلی اور لسانی اعتبار سے افریقہ کے نلوئی قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ لوگ سوڈان، ایتھوپیا، یوگنڈا، کانگو، کینیا اور تنزانیا میں بود باش کرتے ہیں اُن کی زبان مشرقی سوڈان کے نلوئی لسانی، خاندان سے زیادہ قریب ہے۔

میں رائج ہے جو یہاں سوراخ کے ساتھ ساتھ دھات کارُکن (Karkun) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض اوقات اس کارکن کو کارمارا (Karmara) نام سے بھی جانا جاتا ہے اس کا رشتہ تِلوئی لسانی خاندان سے جاملتا ہے۔41 جو صوتی اور معنیاتی اعتبار سے تقریباً سنسکرت کے لوہاکارا (Lohakara) کے برابر ہے۔ اگر لسانی باریکیوں کو نظر انداز نہ کیا جائے تو یہ کہنا ہر گز غلط نہ ہوگا کہ ان زبانوں کے آپسی قدیم رشتوں کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔ بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ افریقہ کی وُلف نامی زبان، جو سینگال، گامبیا اور مورٹینا کی زبان ہے، میں کھار لفظ کا کام کمارا (Kamara) سے لیا جاتا ہے42 جبکہ لسانی تاریخ سے پتہ چلتا ہے43 کہ دراوڑ زبانوں خاص کر تیلگو میں کھار لفظ کے لئے کمارا (Kamara) ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی حال کھاسی اور بنگالی زبان کا ہے جہاں کھار کے لئے کمارا لفظ ہی رائج ہے44۔ جہاں تک کھاسی اور بنگالی زبانوں کا تعلق ہے، لگتا ہے کہ اُن پر دراوڑ لسانی خاندان کا گہرا اثر رہا ہے۔45 جس پر الگ سے بحث ہوسکتی ہے۔ وُلف اور تیلگوں زبانوں سے وابستہ خطوں کے تمدنی رشتے زمانۂ قدیم سے ہی مضبوط رہے ہیں افریقی اور دراوڑی اقوام ساتھ ساتھ زندگی گزارتے تھے جس کا ثبوت ان قوموں کے تمدنی، سماجی، مذہبی اور لسانی رشتوں کو کھنگالنے سے بخوبی ملتا ہے۔46 یہاں یہ کہنا بے حد ضروری ہے کہ لفظوں سے حروف کا گرآنا، جُڑ جانا اور لفظوں کا حُلیہ بگڑ نا یا مسخ ہونا ایک قدیم لسانی مشق ہے جو تاریخی لسانیات کا ایک اِنتہائی اہم اصول ہے جس کا اطلاق لفظ کے تمام اچھروں پر ہوتا ہے چاہے حرف لفظ کے کسی بھی مقام پر ہو47 مطالعہ سے ثابت ہے

41.Alice C Linsley, 2014 Bibical Anthropology, CF www.Bibical Anthropology. com
42.Ibid
43.Andreee Sjoborg, 2009, Dravidian Languages and Culture Dravidian University, Kuppam, P.163
44.U. Nissor Singh, 1904, Khasi-English Dictionary,Delhi P:21
45.Andree Sjoborg, P.163
46.Uliyar Padmahabha Upathyaya 1983, Dravidian and Negro Africans, Karnatica, PP 25-58
47.Nundo Lal Day 1984 the Geographical Dictionary of Ancient and Medival India, Delhi, PP ix-x

کہ ب(B) پ(P)و(w) اورم(M) حروف آپس میں تبدیل ہوتے آئے ہیں۔ تاہم م(M) کانسونٹ اکثر وبیشتر ب، پی اور(W) آوازوں میں بدلتا رہتا ہے۔48اس لسانی ارتقاء کا تاریخی پسِ منظر مدِ نظر رکھ کر یہ کہنا زیادہ مشکل نہیں کہ یہ تمام الفاظ ایک ہی لسانی خاندان کے ہوسکتے ہیں جو زمانہ گزرنے کے ساتھ تبدیل ہوتے گئے۔ ان الفاظ میں ساختی تبدیلی تو آ گئی لیکن معنیاتی اعتبار سے اُن میں کوئی تبدیلی وقوع پذیر نہ ہوسکی ہے۔ اِدھر حروف کے گرنے اور ردو بدل کا نتیجہ یہ نکلا کہ کمارا(Kamara) کارا(Kaara) لفظ میں تبدیل ہوا۔ کچھ مدت کے(K) کھ(Kh) میں تبدیل ہوا جسے کھستن (Kustan)، ختن(Khutan) میں بدل گیا49۔

اسی طرح جب کمارا(Kamara) اور کارا(Kaara) لفظوں کو تاریخی لسانیات کے مندرجہ بالا اصولوں کے تحت جانچا جائے تو کمارا یا کارا سے کھارا لفظ معرض وجود میں آنا بالکل طے ہے جس کا آخری الف (a) ایک ہزار سال عیسوی کے آس پاس پھر گھر آیا ہوگا، جب زبانیں پراکت اوراپ بھرنش دور سے گزر رہی تھیں۔ اس لئے یہ کہنا شاید درست ہوگا کہ کھار لفظ کی تاریخ افریقہ سے لے کر مصر، میسوپوٹمیا اور برصغیر کی قدیم تہذیب وتمدن (وادیٔ سند) میں یکساں طور پیوستہ ہے جو انقلاب زمانہ سے پنجۂ آزمائی کرتے کرتے ہر جگہ اپنا سکہ جمانے میں کامیاب ہوا ہے جس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر کنیا کماری میں کھاروں کی تار چھیڑ دی جائے تو افریقہ کے کلہاری صحرا تک اس کی تھرتھراہٹ محسوس کی جائے گی۔

کھاروں کی ٹوپونامی

ٹوپونامی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ''کھار'' کئی بستی کے ناموں اور جگہوں سے منسلک ہے۔ ممبئی میں ایک وسیع علاقہ کھار نام سے جانا جاتا ہے۔ جبکہ پاکستان، پنجاب اور باجوڑ ایجنسی میں کئی گاؤں اور قصبے کھار نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح نیپال میں کھار ایک گاؤں ہے جب کہ امریکہ میں ایک ریڈیو سٹیشن کا نام کھار ہے۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوا

48.Gustov Oppert, 1893, On the Original Inhabitants of Bharatavarsha, London P.3
49.Ibid P.x

ہے کہ منگولیا میں ایک تالاب کو کھار نام سے جانا جاتا ہے۔50 کشمیری کھاروں کی بات کریں تو یہاں درجنوں بستیاں ایسی ہیں جن کا لاحقہ کھار ہے، جس میں کھار پورہ بارہمولہ، کھار پورہ کو کر ناگ، کھار پورہ خانصاحب، بڈگام، کھار پورہ بانڈی پورہ، کھار باغ گاندربل، کھار گنڈ کولگام اور کھار گنڈ اننت ناگ قابل ذکر ہیں۔اسی طرح کشمیر کے سینکڑوں دیہات میں درجنوں محلے کھار سے مشہور ہیں۔

کھار ذات کی اہم شخصیات

کھار قبیلے میں کئی اہم شخصیات نے جنم لے کر قوم کے لئے نمایاں کام انجام دیئے ہیں ایسے لوگوں میں روم کے وُلکن بھی شامل ہے جو فنِ آہن گری میں ممتاز مقام تو رکھتے ہی تھے، مگر وہ اتنے مشہور ہوئے کہ لوگ انہیں ''آتش خدا'' جان کر باضابطہ پوجتے تھے51۔اس سے بڑھ کر ایک اور شخص کاویہ بھی ہوگزرا ہے جو ایران کے شہر اصفہان کا ایک ہنرمند کھار تھا52۔وہ دلیر تھا اور مرد آہن کہلاتا تھا۔کاویہ نے ایک ظالم اور سفاک غیر ملکی حکمران ضحاک کے خلاف علم بغاوت بلند کی۔عوام کی پُشت پناہی اور خون ریز لڑائی کے بعد کاویہ نے ضحاک کو تخت سے بے دخل کر کے فریدون کو ایران کا بادشاہ بنایا۔اس بغاوت کو تاریخِ ایران میں انقلاب کاوآہنگر یا بغاوت کاو آہنگر سے جانا جاتا ہے۔اس انقلاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ کاویہ نے اپنی پیش بند کو نیزے کی اَنی پر لہرا کر اِسے جھنڈہ بغاوت کا نام دیا جو بعد میں ''درفِش کاویانی''،یعنی'' کاویہ کا جھنڈا'' کے نام سے مشہور ہوا۔ساسانی دور میں یہ جھنڈا اکثر و بیشتر لہرایا جاتا تھا۔اس جھنڈے کو ''درفِش جمشید'' بھی کہا گیا ہے۔کاویہ نے ہخامنشی دور میں جو بغاوت غیر ملکی بادشاہ کے خلاف کی تھی اُس کا حال احوال شاہنامہ فردوسی میں مفصل طور درج ہے۔

جہاں تک کشمیری کھاروں کا تعلق ہے اُن میں بھی بعض نامور لوگ ہوگزرے ہیں۔

50.www.placesonkhar.com.in

51.Georges Dumezil,1996, Archaic Roman Religion, Vol-1, Tr. Philp Krappr, Baltimore PP. 320-321

52.Sir John Malcolm,1829,The History of Persia:From the Most Early Period to the Present Time, P-13

ماضی قریب میں چند ایسے لوگوں کا تذکرہ ضرور ملتا ہے جو اپنے زمانے کی اہم شخصیات میں شمار ہوتے تھے جس میں حات/ حیات کھار، وہاب کھار اور محمد کھار قابلِ ذکر ہیں۔ حات کھار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ 1790 میں شار شالی نامی گاؤں میں پیدا ہوئے اور اُن کا انتقال 1840 میں ہوا ہے۔ آہن گری ان کا آبائی پیشہ تھا۔ دھات سے بنائے جانے والے اوزاروں میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ کھریو، منڈیک پال، کھنموہ، بالہ ہوم، لدو، وُین اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں میں کسبِ حات کھار کی صدائے بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ غزل، منقبت اور نعت کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے کئی اہم نظمیں لکھیں ہیں جن میں شیخ صنعاہ اور منصور نامہ قابلِ ذکر ہیں۔ 1810 میں اُن کے یہاں کشمیر کے بلند پایہ قلندر اور صوفی شاعر وہاب کھار پیدا ہوئے جسے کشمیری ثقافت میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ اُن کی سماجی اور روحانی رتبے کے ساتھ ساتھ اُن کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ آج بھی اگر کبھی کوئی بحث متحیرانہ نکتے پہ آپہنچے تو بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے کہ ''یہاں تو وہاب کھار بھی لاجواب ہے'' (اتہِ چھُ وہاب کھارِ تہِ لاجواب)۔ وہاب کھار سو سال کی عمر میں 2/ مارچ 1910 کو وفات پا گئے۔ اُنہیں شار شالی گاؤں کے بالائی علاقے یعنی وستورون میں دفن کیا گیا جو آج وہاب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ہر سال ایک میلہ لگتا ہے جس میں دور دراز علاقوں سے عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد اُمڈ آتی ہے۔ اس طبقہ سے وابستہ ایک اور شخصیت محمد کھار ہے جو وُلر جھیل کے کنارے آباد شاہ گنڈ نامی گاؤں جو تحصیل سئی وور (سوناواری) میں واقع ہے، میں 1884 میں پیدا ہوئے جن کا انتقال 23/ دسمبر 1967 کو ہوا۔ وہ ایک نمائندہ صوفی شاعر تھے۔ آج بھی کئی قلم کار اس طبقہ کی نمائندگی کرنے میں مصروف ہیں۔

ماحصل

اس مضمون کی ارتقائی دلائل سے جو نتائج اخذ کئے گئے اُن کا نچوڑ یہ ہے:

ا۔ انسانی تہذیب میں گھڑائی کا تصور پتھر کے زمانے سے ہی ملتا ہے جس نے فنِ سنگتراشی کے مراحل سے گزر کر رفتہ رفتہ فنِ زرگری اور فنِ مسگری میں بھی کمال دکھایا اور آخر اس

فن نے آہنگری کی سرحدیں بھی چھولیں۔

۲۔ دنیائے تہذیب میں فنِ آہنگری کا باضابطہ آغاز 1800-1200 ق م میں ہوا۔ تاہم لوہے کی موجودگی کے نشانات اس سے پہلے ہی ملتے ہیں۔

۳۔ کشمیر میں لوہے کے آثار بُرزہامہ، گوپھ کرال، قلعہ پر ہاسپورہ اور دورِ وسط میں تعمیر شُدہ مندروں سے بھی ملتے ہیں۔

۴۔ کشمیر میں جن بستیوں سے لوہا دریافت ہونے کے بعد نکالا جاتا تھا اُن میں پشر (کوٹھار اننت ناگ)، ژوہن (شاہ آباد ڈورو) اور صوف سے نکلنے والا لوہا سب سے بہتر مانا جاتا تھا۔ البتہ سرکار کی عدم توجہی کے باعث یہ صنعت 1947 کے بعد تنزل کی شکار ہوئی۔

۵۔ کئی ماہرین نے کھار لفظ کو لوہاکارا سے مشتق ٹھہرایا جو غیر آریا قوم تصور کی گئی ہے جبکہ بعض ماہرین کے بقول لوہار ناگ قوم کی زریت تھی۔

۶۔ سب سے اہم بات کا انکشاف یہ ہے کہ کھار کا منبع بنیادی طور افریقی زبان وُلف کے کمارا سے جاملتا ہے جو سب سے پہلے تیلگو زبان میں وارد ہوا۔ دراوڑ برصغیر کے شمالی علاقوں پر قابض ہوئے تو کمار لفظ سے م (M) گر کر کارا بن گیا جس میں تاریخی لسانیات کے اصولوں کے مطابق رفتہ رفتہ ردوبدل ہوتا گیا یہاں تک کہ کارا سے کھار بن گیا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کھار اصل میں دراوڑ لفظ ہے جس کی جڑیں افریقی زبانوں سے جُڑی ہوئی ہیں، مگر کشمیر میں جو لوگ آج فنِ آہن گری سے وابستہ ہیں وہ بشری اور تمدنی اعتبار سے ناگ، دراوڑ اور آریا اقوام کی خلط ملط پر مشتمل ہیں۔ علاوہ ازیں کھار لفظ ہندوستان کے اور کئی زبانوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جس میں بنگالی، کھاسی اور کوہستانی بھی شامل ہے۔ تاہم یہ بات ابھی توجہ طلب ہے کہ کشمیری میں لوہے کو ششتر یا شترکیوں کہ کہا جاتا ہے۔ موقع مِلا تو اس پر آئندہ بحث کی جائے گی۔



لون

لفظ جو بھی ہو، اس کے پیچھے ایک طویل تاریخ پنہاں ہوتی ہے جس میں رسوم وعقائد اور اساطیر کے ثقافتی رجحانات محفوظ ہوتے ہیں۔ کسی لفظ کا سوتا کچھ بھی ہو، قدیم طرزِ زندگی اور ارتقائی ماحول کی فضائیں اس میں بہر صورت مُقید ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر ف۔ عبدالرحیم نے اس تحقیقی فضا کی یوں خامہ فرسائی کی ہے:

''جس طرح آثارِ قدیمہ کے ماہرین ہڈیوں، برتن کے ٹکڑوں وغیرہ سے تاریخ کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو جوڑ لیتے ہیں، اُسی طرح علمائے لغت، الفاظ کے مطالعہ کی مدد سے تاریخ کے جھروکوں میں جھانک کر ماضی کے بعض تاریک گوشوں پر روشنی ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔''[1]

اس پسِ منظر کے چلتے ''لون'' سمیت کسی بھی لفظ کا زاد بوم ڈھونڈ نکالنا مقصود ہو تو چند تحقیقی اصولوں کی پاسداری از حد ضروری ہے۔ اوّل تعین ہائی پوتھیسز (Hypothesis) اور دوم اوبجیکٹیوز (Objectives) کا انتخاب۔ علاوہ ازیں مجوزہ موضوع میں تحقیقی خلا (Research Gape) کی نشاندہی کرنا اور متعلقہ عنوان پر ہوئے کام کا تنقیدی جائزہ لینا بھی لازمی ہے۔

یہ طریقہ تحقیق تبھی ممکن ہے جب محقق کو تفویض شدہ موضوع کے متعلق وسیع اور گہرا مطالعہ ہو، جس سے تحقیقی خلا کا پتہ بھی چلے اور یہ بھی اندازہ ہو کہ موضوع ابھی تشنۂ تحقیق ہے۔ تاہم ''دردست مقالے پر تا آیندم باضابطہ طور کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ کتاب لکھنا دور کی

---

[1] ڈاکٹر ف۔ عبدالرحیم، ۲۰۰۳ء، ''پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے......'' چنئے، ص۔۵

بات، اس حوالے سے کسی مضمون کی خامہ فرسائی بھی نہیں ہوئی ہے۔ اتنا تو ضرور ہے کہ راج ترنگنی میں ایک لفظ ''لونیا'' درج ہوا ہے جو لون لفظ سے ملتا جلتا ہے۔ پنڈت کلہن نے ''لونیا'' کو ایک جنگجو قوم ٹھہرایا ہے۔ محمد الدین فوق نے لون کے متعلق چند سطریں تو رقم کی ہیں، پر وہ تاریخِ لون سے پردہ اٹھانے میں معاون و مددگار نہیں ہوسکی ہیں۔ اس لئے موضوع کو آگے بڑھانے کے لئے چند تحقیقی اصولوں کو بروئے کار لانا ناگزیر ہے۔ تحقیق کے داؤ پیچ کو مدنظر رکھ کر نہ صرف لون لفظ کا معنی و مفہوم جاننا ضروری ہے بلکہ اس کی دھارا بھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس لفظ نے کب اور کیونکر ذات کی جگہ لی، پر بھی بحث کی ضرورت ہے۔

لون کا معنی و مفہوم

ہر اُس زبان جس کا رسم الخط نستعلیق ہو، میں ''لون'' لفظ کی سہ حرفی ساخت یکساں طور مروج ہے۔ عربی، پشتو، فارسی، اردو اور کشمیری کی بات ہو، لون لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں لون کے بجائے لُون پڑھا جاتا ہے جس کے معنی رنگ اور چہرے کی رنگت ہے۲۔ پشتو کی بات کریں تو ساخت اور معنوی اعتبار سے یہ لفظ عربی سے مختلف نہیں ہے3۔ اس بناوٹ اور مفہوم سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لون لفظ پشتو والوں نے عربوں سے مستعار لیا ہوگا۔ فارسی کو لیجئے، یہاں مذکورہ لفظ کو عربی اور پشتو کی طرح لَون نہیں بلکہ لُون پڑھا جاتا ہے جو معنی اور وزن کے لحاظ سے نون (نمک) کا ہم آہنگ ہے۴۔ جہاں تک اردو زبان میں لُون کا تعلق ہے، اس کا معنی نمک یا کھارا ٹھہرا ہے۵۔ رہی بات کشمیری زبان کی، یہاں لون کو قسمت اور نصیب کے علاوہ بعض اوقات شوہر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۶۔ اگر کسی عورت کی ازدواجی

۲۔ مولوی فیروز الدین، 1998 فیروز اللّغاتِ اردو جدید، نئی دہلی، ص ۲۰۴۔

3. Capt.H.G.Raverty, 1987, A Dictionary of the pus'hto,New Delhi, P.88

۴۔ لالہ رام نرائین کول، 1931، لغاتِ فارسی، آلہ آباد، ص ۲۶۶۔

۵۔ مولوی فیروز الدین، 1998، فیروز اللغاتِ اردو جدید، نئی دہلی، ص ۶۰۲۔

۶۔ کاشر ڈکشنری، 1978، جموں و کشمیر کلچرل اکیڈیمی، جلد ۶ ص ۸۸۔

زندگی وُبال بنی ہوتو موخر الذکر معنی کا استعمال ہونا ناگزیر بن جاتا ہے۔[7] کشمیر کے بیشتر لوگ اس لفظ کو کاٹ (Cut) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں[8] جو بلا لحاظ گرائمر حکمِ فعل ٹھہرا ہے۔ لون سے کئی الفاظ مشتق ہیں جس میں لوُن (کاٹنا)، لونان (کاٹتے)، لُون (کاٹا)، لونہِ (کاٹے)، لوَنو (کاٹیں) وغیرہ قابلِ ذکر ہے۔

لون کا دھارا

بہ اعتبارِ تحقیق، لون کا دھارا کھنگالنا پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بعض ذیلی عنوانات پر بھی بحث کی گنجائش موجود ہے۔ اوّل، 'لون' کے مشابہ الفاظ کی نشاندہی کرنا اور دوم 'لون' کے ہم معنی لفظوں کی کھوج لگانا۔

لون کے مشابہ الفاظ کو دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتا ہے۔ مقامی اور بین الاقوامی۔

لون کی مقامی صورتیں

جموں و کشمیر کے طول وعرض میں عربی فارسی رسم الخط کی ایک ہی مقامی صورت استعمال کی جاتی ہے جو (ل+و+ن) حروف پر مشتمل ہے۔ مثلاً

۱۔ ''عبدالرحمان لون کھریو پانپور کے ایک اہم روحانی بزرگ گزرے ہیں۔'' [9]

۲۔ ''علی محمد لون کے ساتھ میری پہلی ملاقات ۱۹۷۵ء میں ہوئی جب وہ شہید گنج میں واقع کلچرل اکیڈیمی کے دفتر میں بحثیت ڈپٹی سیکرٹری تعینات تھے۔'' [10]

اگر لون لفظ کو رومن رسم الخط میں لکھنا ہو تو مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آسکتی ہیں۔

۱. Lon   ۲. Loan   ۳. Lone   ۴. Loon

۱. **Lon**: رومن رسم الخط کی یہ صورت پہلی بار بطور ذات جموں و کشمیر میں کب استعمال ہوئی، حتمی طور کچھ کہنا مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ لفظ انگریزی زبان میں وارد کشمیر ہونے کے بعد

۷۔ کاشُر ڈکشنری، ۱۹۷۸ء، جموں و کشمیر کلچرل اکیڈیمی، جلد ۶ ص، ص، ۸۹

۸۔ مذکورہ، ص، ۸۹

۹۔ کلیات شمس فقیر، ۲۰۰۲ء، مرتب۔ ڈاکٹر آفاق عزیز، دہلی، ص، ۸۱

۱۰۔ بھوانی بشیر یاسر، کشیرِ منز ڈراماتہٖ علی محمد لون، ''شیراز'' جلد ۴۲، شمارہ ۴۔۵، ۲۰۰۹، کلچرل اکیڈیمی، ص، ۴۸

رائج ہوا ہوگا اور تحریری صورت بھی اختیار کر لی ہوگی۔ اس حوالے سے کوئی مثال دستیاب نہ ہو سکی۔ ہر چند اس لفظ کا اوّلین تذکرہ والٹر لارنس کی انگریزی کتاب ''دی ویلی آف کشمیر'' جو اُنیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر لکھی گئی تھی، میں ملتا ہے 11۔ لیکن دورِ حاضر میں رومن حروف کی یہ ساخت مروّج نہیں ہے۔

۲. **Loan**: اس لفظ کو بعض لوگ ذات کی جگہ استعمال تو کرتے ہیں، پر اس کا دائرہ استعمال عام نہیں بلکہ بہت ہی محدود ہے۔ سچ میں اس لفظ کی ساخت بالکل کم یاب ہے 12۔

۳. **Lone**: بطور ذات لون لفظ کی یہ رومن ساخت ساری ریاست میں سب سے زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔ انگریزی لکھتے وقت ریاست کی بیشتر لون آبادی اسی ساخت کو عرصہ دراز سے استعمال کرتی آئی ہے 13 اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے۔

۴. **Loon**: غور سے دیکھا جائے تو انگریزی Loon کا یہ لہجہ کسی حد تک کشمیری لون کے ہم پلہ ہے۔ زیادہ بہتر رہتا اگر کشمیری لون لفظ کو ان ہی رومن حروف میں لکھا جاتا۔ تاہم ابھی تک ایسی ساخت رائج ہونے کی کوئی تحریری مثال نہیں ملتی ہے۔

ملک کے باقی علاقوں میں لون اور اسے ملتے جلتے بعض الفاظ بطورِ ذات استعمال کئے جاتے ہیں جس میں لُنیا (Lunia)، لونیا (Lonia)، لونیا (Loniya) اور نونیا (Nuniya) قابل ذکر ہیں۔ اِن لوگوں کا مسکن اصل میں راجستھان کا نمک سمبھار جھیل تھا۔ جہاں یہ لوگ نمک بنانے کا کاروبار کرتے تھے۔ اجمیر، رنتھوبار، بُندی کوٹا، پُلیرا اور بوارِ نامی بستیوں میں نمک نونیا ایک ہی ذات کی الگ الگ صورتیں ہیں جس میں ساخت کے سِوا کوئی تفاوت نہیں ہے۔

نامعلوم وجوہات کی بنیاد پر ان قبائل نے اپنے آبائی وطن راجستھان سے ہجرت کر کے اُتر پردیش کے زرخیز علاقوں خاص کر لکھنوَ، کانپور، فرخ آباد، رائے بریلی، سیتاپور، اعظم گڑھ،

11. Walter R. Lawrence, 1967, The Valley of Kashmir, Srinagar, P.306
12. Central Asian Digest, Vol.xxix , 2015, University of Kashmir Srinagar, P.26
13. Raja Ram Mehrotra,[ed.],1994, Book of Indian Names, New Delhi,P-4

وارانسی، گونڈا، گورکھپور، غازی پور اور جونپور پرگنوں میں سکونت اختیار کی۔ یہ لوگ بہار اور بنگال میں بھی جا بسے۔ یہاں اس قبیلے کا سرچشمہ لُن (Lun) یا بعض اوقات نُن ٹھہرایا گیا ہے۔

بین الاقوامی صورتیں

لون (Lone) لفظ چند یورپی مُمالک خاص کر شمالی امریکہ، انگلینڈ اور کینڈا میں بھی رائج ہے۔ یہاں اس لفظ کی کئی صورتیں موجود ہیں جس میں Lone،Lane،Loan اور Lain شامل ہیں 14۔ لندن کے مشہور شہر سٹیفورڈ شائر میں لون ذات کے کافی لوگ بودوباش کرتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ لون لفظ قدیم انگریزی کے لُنا سے نکلا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ انگلینڈ میں لون ذات کو مہاجروں نے متعارف کیا ہے جو ایشیاء سے ہجرت کر کے انگلستان گئے تھے۔ جنگِ ہیسٹنگ میں مدد دینے کے لئے نورمانڈے کے حاکم ڈوک ولیم نے لون قبائل کو کافی زمین جاگیر میں عطا کی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ لون سے ملی جلی صورتیں افغانستان اور پاکستان میں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً لُنی (Luni) یا لونی اور لونی (Loni) وغیرہ 15۔ یہاں یہ کتھا عام ہے کہ لون دُرانی پشتونوں کا ایک جنگجو قبیلہ تھا جس کے جدواجداد افغانستان کے قراباغ علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ احمد شاہ دُرانی (1772-1722) کے زمانے میں قراباغ سے نکل کر برصغیر کے کشمیر، ٹانک، ڈیرہ اسماعیل خان، موسیٰ خیل، خان محمد کوٹ، المبار اور لاکھی نامی علاقوں میں آبسے ہیں۔ جنگی خصائل کے ان لون قبائل نے ماری اور کاکر قبائل سے کئی لڑائیاں بھی لڑی ہیں۔

لون ذات کے لوگ بلوچستان کے ایک گاؤں لُنی میں بھی رہتے ہیں جن کا جدِ اعلیٰ سردار اسد خان لونی 1660 میں افغانستان کے موکر علاقے سے ہجرت کر کے آیا تھا جن کی موجودہ آبادی تقریباً تین ہزار تک پہنچ گئی ہے 16۔ پاکستانی پنجاب کے لاہور، گُجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، جہلم اور راولپنڈی میں بھی لون ذات سے وابستہ لوگ بود باش کرتے ہیں۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے گلگت علاقے میں واقع قصبہ چِلاس میں بھی لونوں کی آبادی ہے۔ یہ قصبہ شاہراہِ ابریشم

14.Orkut.google.com

15.wikipedia.org/wiki/loni-(pashtun-tribe)

16.www.wikipedia.org-Luni.Balochistan

کوقراقرم سے مِلا تا ہے۔ وِکی پیڈیا کے مطابق بشمول لون ذات کشمیر سے ہجرت کرنے والے بیشتر لوگ اپنی ذات تبدیل کر کے اپنے نام سے بھٹ لفظ جوڑ دیتے ہیں۔

لون لفظ سے مشابہت رکھنے والے جتنے بھی الفاظ مختلف ملکوں کے زبان وادب میں موجود ہیں، ان میں معنیاتی یکسانیت کے ساتھ ساتھ ساختی اور طرزِ ادا کی یکسوئی بھی پائی جاتی ہے۔ ایسے الفاظ میں Loni، Luni، Lunia، Lone، Luna، ,Loniya، Looni اور Lohana بھی شامل ہیں۔ ان لفظی صورتوں میں ایک بات باکل مشترکہ ہے کہ لوگ انہیں سینکڑوں برسوں سے بطور ذات اپناتے آئے ہیں۔ اس مفہومی، معنیاتی، ساختی اور طرز بیانی کی برابری سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ نہ صرف ایک ہی لفظی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ گمان غالب ہے کہ ان کا رشتہ کسی مخصوص لسانی اکائی سے جُڑا ہوا ہے۔

جہاں تک لون لفظ کے دھارا کا تعلق ہے۔ اس حوالے سے کئی خیالات سامنے آ چکے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ لون سنسکرت زبان کے لوا یا لاوا (Lava) لفظ سے نکلا ہے جس کے معنی کاٹنا، ٹکڑے کرنا یا کاٹنے کا عمل ہے 17۔ لوایا لاوا کہیے، کے متعلق اطلاع ہے کہ اس کا جنمی تار پالی زبان کے لُو (Lu) سے جُڑا ہے جو چھوٹے ذرہ، ریزہ اور ٹکڑا کے طور استعمال میں رہا ہے 18۔ اسی طرح سنسکرت لفظ لوا کا یا لاوا کا (Lavaka) کو ''لوا'' کا مترادف مانا گیا ہے جس کے معنی کاٹنے کی مشین یا کٹائی کرنے والا ہے 19، پالی لغت کے صفحہ 582 پر درج ہے کہ لَوایا لاوا سے ایک اور لفظ لاونا (Lavana) معرضِ وجود میں آیا ہے جو عرصہ دراز نمک کے معنی میں استعمال ہوا ہے 20۔

17.Monier Monier Williams, 2012, Sanskrit-English Dictionary, Delhi, P.898

18.T.W.Rhys Davids and Willam Stede, 2003, Pali-English Dictionary, Delhi, P.582,

19.Sanskrit- English Dictionary, p.898

20.Pali English Dictionary,p.582

ملِند پنہ۲۱ میں لاونا کے معنی ہیں نمک اور زخم دھونے کی دوائی۔ لاونا سرچشمہ کے متعلق ایس کے منڈل لکھتے ہیں:

"They trace their origion from Lava the son of Lord Rama and thence Lavana" 22.

اسی طرح سنسکرت کتاب'' کاریا پِتا کا'' میں درج ہے کہ لاونا سے ایک اور لفظ(Lona) نکلا ہے جو بُنیادی لفظ کی پراکرت صورت ہے۲۳۔ لفظ کی یہ ساخت نمک، نمکین اور'' نمک کا'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ 24 ایک اور سنسکرت کتاب'' ونایا پِتا کا''۲۵ میں بھی لونا(Lona) کو پراکرت شکل سے مشابہت دی گئی ہے 26۔

لسانی ماہر نندو لال دیو دعوی کرتے ہیں کہ لاونا سے ایک اور لفظ لُنی (Luni) معرض وجود میں آیا ہے 27۔ اس طرح مہا بھارت میں لُنی کے مُشابہ لُنا یا لُو نا لفظ کا اندراج ہوا ہے جو منقطع کرنے اور کاٹنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لونا لفظ کے ساتھ جو معنی منسوب ہیں، وہ ہیں نمکین، کھاری، وہ کھار جو دیوار یا زمین میں پیدا ہو۲۸۔ لُنی یا لونا کے ہم پلہ اور بھی کچھ الفاظ ہیں جس میں لونی۲۹ اور لونیا۳۰ بھی شامل ہیں۔

۲۱۔ ملندہ پنہ کو پہلی اور دوسری صدی قبل مسیح میں لکھا گیا۔ اس کی زبان سنسکرت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا مصنف ناگ سین تھا جو کشمیر کے کشتواڑ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ کتاب مہایانہ بدھ مت کے متعلق سوال و جواب پر مبنی ہے۔

22.K.S.Sing(ed.)1998, People of India:Rajasthan,vol.xxxviii, Mumbai, P.580

۲۳۔'' کاریا پِتا کا'' ایک سنسکرت کتاب ہے جو بدھ دھرم کے متعلق پہلی صدی عیسوی کی کتاب ہے۔

24.Pali-English Dictionary,P.588

۲۵۔ بدھ دھرم پر لکھی گئی یہ کتاب مکالموں پر مُشتمل ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ کتاب دوسری صدی قبل مسیح میں لکھی گئی ہے۔

26.Pali-English Dictionary,P.588

27.Nundo Lal Dey,1984,The Geographical Dictionary of Ancient and Mediaval India, New Delhi,P.XII

۲۸۔ مولوی فیروز الدین، ۱۹۹۸ء، فیروز اللُغات اردو جدید، نئ دہلی، ص،۶۰۲

۲۹۔ لونی وہ نمناک اور کھاری مٹی ہے جس سے نمک اور شورہ بناتے ہیں۔ لونی بنگال کی ایک مشہور جادوگرنی تھی۔ لونی بلوچستان میں رہنے والے پشتونوں کی ایک ذات ہے۔ یہاں دُکی نامی قصبہ میں ان کی خاصی تعداد موجود ہے۔

۳۰۔ لونیا ایک قسم کا ساگ ہے جو نمکین اور کھٹا ہے۔ نمک تیار کرنے والے کو بھی لونیا کہتے ہیں، یہ لفظ ذات کے طور بھی رائج ہے۔

محققین کے مطابق لون سے جُڑی ایک اور رائے یہ ہے کہ لاونا ایک تاجر پیشہ قبیلہ تھا جو ضروریاتِ زندگی کے بیشتر چیزوں کا کاروبار کرنے کے باعث بنجارہ نام سے مشہور ہوگیا۔ جب اس قبیلے نے کاروبارِ نمک کو زیادہ اہمیت دی اور یہ تجارت بڑے پیانے پر ہونے لگا تو انہیں لبانہ یعنی نمک کے سب سے بڑے بیوپاری نام پڑ گیا۔ ایچ اے روز لکھتے ہیں:

"The term Labana appears to be derived from Lubana or Lun(Salt) and bana (trade) and the Lubana and Labana,Labana or Libana was doubtless the great Salt Carrier and trader Caste, as the Banjara was the general carrier in former times" 31

ایچ اے روز کے اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ لُبانا، لَبانا یا لِبانا ہو، لہجہ، معنی اور ساختی اعتبار سے یکساں ہیں۔ اس طرح ایک اور لفظ لوانا(Lavana) کو لُبانا اور لَبانا کا ہم پلہ گردانا جاتا ہے 32۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُدمبر، ڈامر، ڈارا اور ڈم ذاتوں کو لوانا کی ہی شاخیں تصور کیا جاتا ہے۔ بشمولِ نمک لوانا قبائل کے لوگ نہ صرف ضروریاتِ زندگی کی تمام تر چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لیتے تھے بلکہ وہ ان کا کاروبار بھی کرتے تھے 33۔ اسی لئے اُنہیں بنجارا قوم سے مُنسلک کیا گیا ہے۔ کے ایس سنگھ رقمطراز ہے:

"The Lavana or Lavana-Banjara have emerged from the nomadic.Banjara, who were carriers and drivers of Pack bullocks"34

تاریخ شاہد ہے کہ ابتدائی دور میں جب بھی انسان نے کسی چیز یا پھل کو ایجاد یا دریافت کیا تو اسے بیچنے کے لئے گھر گھر جانے کا ماحول چل پڑا۔ روٹی ایجاد ہوئی تو ہر چوراہے اور نکّڑ پر اس

31.A.H Rose, 1990, A Glossary of the Tribes and Castes of thePunjab, Vol.,iii, New Delhi, P-2

32.Hutchison.J and Vogel.Jph,1999,History of Punjab Hill States, Vol.,1, Delhi,P-17

33.Dr. Naval Viyogi, Prof.M.Anwar Ansari,2010,History of the Loder-Harppans and Shilpakara Movement, Vol., 1, Delhi,PP.263-293

34.K.S .Singh(ed.) 1998,People of India:Rajasthan,Vol.,xxxviii, Part.-2,Mumbai,P.580

کی خرید وفروخت شروع ہوئی۔ نمک دریافت ہوا تو اس کا کاروبار بھی روایتی انداز میں ہونے لگا۔ اس لئے نمک کا کاروبار کرنے والوں یا اسے وابستہ لوگوں کو بنجارا کہا گیا۔ لُبانہ قبیلے کا کاروبار اتنا وسیع تھا جو کارواں کا سہارا لئے بغیر ناممکن تھا35۔ یہ کارواں اوران سے وابستہ لوگ اپنا کام ایک سربراہ کی نگرانی میں انجام دیتے تھے جو لُبانا نائیک کہلاتا تھا36۔ بین سطور مُطالعہ سے معلوم ہوا کہ لُبانا یا لَبانا (Labana) بار برادری اور خاص طور سے نمک برادری کے معنی میں رائج ہے۔ لبانا نمک بیچنے والوں کی اہم ذات ہے37 ۔ گرمُت پرکاش کے بقول لبانا اُس آدمی کو کہا جاتا ہے جو فوجی وردی میں ملبوس ہو۔ انہوں نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ لبانا سکھ گرو کے فوج میں بھی بھرتی تھے38۔ ایک سے زیادہ کام انجام دینے کی غرض سے اِن کو بہروپی بھی کہا جاتا تھا۔

یہ لوگ ایک الگ قسم کی بولی جیسے لبانکی کہا گیا ہے، بولتے تھے۔ اس بولی میں مارواڑی، سرائکی، گُجراتی اور مراٹھی لفظیات کی خاصی تعداد موجود ہے۔ لبانہ پنجاب کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بنجارا نام سے بھی مشہور ہیں۔ بعض اوقات اِن کو ترک نسل سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ لدھیانہ اور جنگ میں رہنے والے لبانا کا کہنا ہے کہ اصل میں وہ جودھپور کے باسی ہیں جن کے اجداد جے پور کے راجپوت ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ بنجارا قوم بارہ قبائل کا ایک مجموعہ ہے جس میں تُرکیہ، بیار، موکیری، بہروپ، لُبانا، گور، چرن، چہارن، کچائی والا، ناوی، جوگی اور متھورا قابل ذکر ہیں39۔ لُبانا۔ بنجارا کی سب سے اہم اور بنیادی بلکہ ایک جیسی ذات مانی جاتی ہے۔ ڈنزل چارلس لکھتے ہیں:

35. A.H.Rose,1990, A Glossary of the Tribes and Castes of the Punjab,Vol.,iii, Delhi,P-1

36. Dr. Naval Viyogi,2010,History of the Later Harppans and Shilpakara Movement, Vol-I,Delhi,p-264

37. K.S.Singh, 1998, India's Communities : Anthropological Survey of India, Vol.V, Delhi,P.1972

38.ibid,pp.1972-74

39. Mathuswamy and Brind,1989, Reservation and Concession for SC,ST,OBC's etc, Chennai,PP.291-

"Both the Banjaras and Lubanas have been Synonymos identical related and closely associated with each other." 40

بنجارا ہو یا لُبانا، معنی اور مطلب کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں، پنجاب کے کوہ کھیورہ ۴۱ سے نمک نکال کر یہ لوگ شمالی ہند کے بیشتر علاقوں میں اس کا کاروبار کرتے تھے 42۔ کانِ کھیورہٗ نمک کو وائس رائے ہندِ لارڈ فیو، جس نے 1850 کے آس پاس اس کان کا دورہ کیا تھا، کے نام پر ''میونمک'' بھی کہا جاتا ہے 43۔ یہ کان ایک پہاڑی سلسلے کا حصہ ہے جو آٹھ سوملین سال پہلے وجود میں آیا تھا جب جیولوجیکل تبدیلی کے سبب تین سوکلومیٹر والا یہ کوہی سلسلہ (کھیورہ) ہمالیہ کی گود میں جگہ کر گیا 44۔ کھیورہ میں موجود نمک کی کان کے متعلق اطلاع ہے کہ جب سکندر اعظم نے 322 ق م میں اس علاقے کو روند ڈالا ، تو اس کے گھوڑے یہاں کے پتھر چاٹتے ہوئے دیکھے گئے ۔ ایک فوجی نے پتھر کو چاٹ کر دیکھا تو اسے نمک پایا۔ یوں اس علاقے میں نمک کی کان دریافت ہوئی۔ اس کے بعد یہ کان یہاں کے مقامی راجہ نے خرید لی اور قیام پاکستان تک یہ کان جنجوں راجوں کی ملکیت رہی۔

لونوں کا نسبی رشتہ

۵۸۰ ق م میں جب بھارت پر آریا قوم کا راجہ بیمسار حکومت کرتا تھا تو ہمیشہ کی بُنیاد پر سماں کو چار طبقوں میں بانٹ دیا گیا۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مذہبی پرچارکوں اور معلّموں کو برہمن، سوداگروں اور تاجروں کو ویش، مزدوروں کو شوُدر جبکہ جنگی خصائل، حاکمانہ نہج اور زمین

40.Denzil Charles Jelf Ibbetson,1970,Punjab Castes, Panjab Language, Department, Patiala,P.254-

۴۱۔ کھیورہ پاکستانی پنجاب کے ضلع جہلم میں ایک سیاحتی مقام ہے جو اسلام آباد سے 160 اور لاہور سے قریباً 250 کلومیٹر دُور ہے۔ یہاں نمک کی ایک کان ہے جو جنوبی ایشیا میں قدیم ترین اور دُنیا میں دوسرا بڑا خوردنی نمک کا ذخیرہ مانا جاتا ہے۔ آثار و قرائین بتارہے ہیں کہ اسی کان سے کشمیر کے لئے نمک درآمد کیا جاتا تھا

42.Khushwant Singh,"Salt People", The Tribune February 20,2000

43.Journal of The Society of Arts, Vol., Society of Arts, Great Britain,P-258

44. Helen Bateman, Jayne Denshire,2005, Dangerous Creatures of the Oceans,P.9

وزراعت رکھنے والوں کو کھشتر یہ ذات کے ساتھ جوڑا گیا۔ جیمز ٹاڈ کے بقول لوہانہ سے نکلے لون لفظ کو اسی کھشتر یہ ذات سے مُنسلک کیا گیا45۔ یہ لوگ سوریا ونشی گوتر کی کھشتر یہ ذات ہے جو بعض تحقیقی آراء کے مطابق آٹھ سو سال پہلے ایران اور افغانستان سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ اِدھر لُنیا، لونیا یا لون خاندانوں کی سینہ بہ سینہ چلی آ رہی یہ مضبوط روایت ہے کہ نسبی لحاظ سے وہ ہندوستانی کھشتر یہ ذات کے لوگ ہیں۔ جنگجو ہونے کے باوجود یہ لوگ اِس عقیدہ کے پاسدار ہیں کہ جب پرشورام نے کھشتر یوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو وہ روپوش ہو گئے۔ بعض شواہد سے معلوم ہے کہ پرشورام نے یہ جاننے کے بعد اُنہیں امان بخشی کہ یہ لوگ کھشتر یہ نہیں بلکہ کھشتر یوں کا تاجر پیشہ قبیلہ لون ہے جو کاروبارِ نمک سے مُنسلک ہے۔ ہندو سماج لُنیا کو شودر ذات سے جوڑتا ہے۔ کچھ لُنیا قبائل اپنے آپ کو ٹھا کروں کی نیچ ذاتوں میں شمار کرتے ہیں جس میں تیلی، چوپان اور لِد و46 قابلِ ذکر ہیں۔ دھوبی، کہار اور نائی کے مقابلے میں لُنیا اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ لوگ پہاڑی راجپوت ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

پیشۂ لون

تاریخ کھنگالنے سے ایسے کئی اشارے ملے ہیں جن سے ثابت ہے کہ لون جہاں بھی رہے، عزت واحترام سے رہے۔ قدیم دور سے لے کر دورِ حاضر تک لونوں نے بہادری اور دلیری کا مظاہرہ کیا ہے۔ بیشتر ادوار میں مُسلح رہ کر زندگی گزارنا اس قبیلہ کی خاندانی رسم رہی ہے۔ شاید یہ اِس باعث اِنہیں ''ماسٹر آف سُوارڈس'' (Master of Swords) کہا گیا ہے۔ قبیلے کی بالادستی قائم رہنے کے لئے جب بھی ضرورت پڑی، لونوں نے جارحیت کی۔ کبھی اپنے مخالف قبائل سے نبرد آزما ہوئے اور کبھی حکومتِ وقت کے خلاف محاذ کھولنا پڑا۔ حقیقی معنوں میں یہ لوگ رِنگ

45. James Tod, 1983,Annals and Antiquities of Rajasthan,Vol-II, New Delhi, PP.258-271

46. Falzon, Mark Anthony,2004,Cosmopolitan Comnnections:The Sindha Diaspora,Leiden,PP.32-33,

میکرس(King makers) تصور کیے جاتے تھے۔اُن آراء کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ لون قبیلے جدواجداد کے زمانے سے ہی مختلف قسم کے پھلوں کا کاروبار کرتے تھے اور بنجارا کہلانے لگے۔

جب قبیلے کے بعض لوگوں نے کاروبارِ نمک کو ترجیح دی تو لون کہلائے جس نے آہستہ آہستہ ذات کا سِتان لیا۔ بنجارا لفظ کے متعلق ایک اور رائے مشہور ہے کہ یہ لفظ فارسی کے ''بیرنجی ارند'' سے ماخوذ ہے۔سید سراج الحسن کے بقول ''بیرنجی'' کے معنی ہیں چاول اور ''ارند'' کو بیوپاری کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے 47۔اس کے برابر میں سنسکرت الفاظ بنّج، بنیا اور بناجیگا، سوداگر کے معنی میں استعمال ہوتے آئے ہیں۔بنجارا کو دوسرے کئی ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔جیسے لانی، لوانا اور لبانا، یہ الفاظ نمک اور نمک لانے یا لے جانے والے کے بطور مروّج تھے 48۔

لون بحیثیت حاکم

چینی سیاح فاہیان جو 399 ق م میں ہندوستان پہنچے، اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ یہاں کے لوہانہ قبائل انتہائی طاقتور تھے جس کے باعث وہ بھارت کے شمال مغربی حصے پر قابض ہوئے ہیں۔ بروئے تاریخ لوہانہ قبیلے کا ایک شخص اگھامہ ساتویں صدی عیسوی میں سِندھ کا حکمران تھا 49۔ایک اور چینی سیاح کرمُنگ گیارہویں صدی کے ایک طاقتور لوہانہ راجہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لون یا اس کی مساوی ذاتیں چاہئے وہ لُن، لونیا، لونی، لوہانہ، لوہانا، لوانہ، لوانا، لاونہ یا ان سے ملی جلی ذات ہو، کی بہادری کا نہ صرف دبدبہ بلکہ چرچہ، تاریخ کے اوراق میں عصرِ قدیم سے محفوظ ہے۔جس دور میں بھی لونوں کا دبدبہ تھا، اُس زمانے میں کسی حملہ آور نے مُلکِ ہند کی طرف آنکھ اُٹھانے کی جرأت نہیں کی۔اگر کسی نے ایسی حماقت کرنے کی

47.Syed Siraj-ul-Hassan,1990,Castes and Tribes of the Nizam's Dominions,Vol;I,New Delhi,P.20

48.Ibid,PP.15-28.

49.Vinayan Vaidya Chintaman,1979,History of Mediaeval India, Vol-I. New Delhi,PP.161-163

کوشش کی بھی، تو اُسے سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ خصوصاً جب ایرانیوں، یونانیوں، ہنوں اور مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کیا تو لوہانہ قبائل نے اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا50۔ اِن کی بہادری کے متعلق مشہور ہے۔

"The likely reason for this title of bravery is that they were the first line or defence for the Indian Subcontinent in the direct path of the Invaders from North." 51

کشمیر کی بات کریں تو مقامی تاریخ میں ایسے کئی جنگجو اور بہادر قبائل کا تذکرہ ملتا ہے جو بسا اوقات نظام، حکومت اور دفاعی معاملات میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے اقوام میں ڈار، ماگرے، تانترے، نائیک اور لون قابلِ ذکر ہیں۔ پنڈت کلہن کے بقول ان قبائل نے بیشتر عمر جنگ وجدل میں گُزاری۔ جُون راج اس بات کے قائل ہیں کہ لون تباہی اور بربادی کے درپے رہے ہیں۔ بقول فوق، قوم لون کی سرپرستی سے راجہ اوپیا دیو نے 1177 سے 1186 یعنی ٹھیک 9 سال اور 4 ماہ تک امن و امان سے حکومت کی۔ یہ قوم جو صاحبِ قبیلہ اور صاحبِ ہمتّ تھی، راجہ اوپیادیو کی معاونت اور طرفداری پر ہمیشہ اڑی ہوئی تھی52۔ لون قبیلے کا یہ دبدبہ کم و بیش ہی صحیح، غیر مُلکی شہمیری خاندان کے دورِ حکومت میں بھی جاری رہا۔ تاہم ان لوگوں نے چک حکمرانی کی ابتداء سے ہی مختلف کاموں میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا جس میں کھیتی باڑی، تجارت اور کئی دوسرے پیشے بھی شامل تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کاروبارِ نمک میں لونوں کی خاصی دلچسپی تھی۔ مُستند ہے کہ کشمیری لون عہدِ قدیم سے ہی نمک کی تجارت کرتے تھے۔

اُن علاقوں جہاں مقامی طور نمک دستیاب نہیں تھا، نمک کی فراہمی میں بہت مشکلات پیش آتی تھیں۔ دُور دراز علاقوں سے نمک خریدنا اور پھر کشمیر پہنچانا بذاتِ خود ایک مُشکل ترین کام تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم ایام میں نمک بھمبر، پونچھ اور پنجاب سے کشمیر پہنچایا جاتا تھا۔ جب

50.www.icnd.org.uk/about/lohana.history

51.www.icnd.org.uk/about/lohana.history

52.Mohd.Din Fouq,2003,History of Kashmir,Srinagar,PP-279-280

ان علاقوں میں حالات ابتر ہوجاتے تھے تو لداخ، تبت اور چین سے نمک خریدا جاتا تھا53
شری ور کے بقول 1465 میں پنجاب میں سیاسی افراتفری کے باعث نمک کی سپلائی متاثر ہوئی تو اس کی قیمتیں آسمان کو چھوگئی۔ ان مشکلات کا ازالہ کرنے کے لئے چین سے نمک خرید کر کشمیر پہنچایا گیا54۔ آثار وقرائین بتاتے ہیں کہ یہ کام بہرحال قبیلہ لون نے انجام دیا ہوگا۔ یہ طے ہے کہ اتنی دُور سے نمک خرید کر لانے میں کافی خرچہ آتا ہو جس کے باعث نمک گراں قدر اور مہنگا ہوتا تھا۔ نمک کی سپلائی باقاعدہ بنانے کے لئے وقت کے ایک حکمران بڈشاہ نے کئی موثر اقدامات اُٹھائے۔ شری ور لکھتے ہیں:

"To ensure a regular and cheap supply of salt from Punjab.Zain-ul-Abiden established a colonly of professional carriers at Tirapur."55

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس میں درج ترا پور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اصل میں ہرہ پورہ ہے جو شوپیاں اور سیدو سے آگے مغل روڈ پر تقریباً 10 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سنسکرت تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس راستے پر بہت پہلے سے نمک کا کاروبار ہوتا تھا جس کا تذکرہ دسویں صدی عیسوی کے اہم شاعر، دانشور، زبان دان اور سماجیات کے ماہر کھیمندرا نے ''لاونہ سرانی'' یعنی ''شاہراہ نمک'' سے کیا ہے۔ وید کماری رقمطراز ہے:

"The Pir Panchal route used for this import because Ksemendra mentions it as"Lavanasarani" or Salt road" 56

53. R.K.Parimu,1969,A History of Muslim Rule in Kashmir1320-1819,Delhi, PP.155,422

54. R.K Parimu, 1969, A History of Muslim Rule in Kashmir 1320-1819,Delhi,P-115

55. Srivara, i,408,stein,Anc.Geog,para44,R.K.Parmu,1969,A History of Muslim Rule in Kashmir 1320-1819, Delhi, P.155.

56. Nilamata Purana, Dr, Ved Kumari[Tr.ed.],1968, J&K Academy of Art, Culture, and languages, Srinagar,P-128

کھیمندرا کی یہ بات بعد کے قلمکاروں نے بھی درج کی ہے جس میں کلہن، شری ور اور لارنس بھی شامل ہے 57۔

نمک کی اہمیت

مختلف وجوہات کے باعث دنیا میں جب اور جہاں نمک کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا ہوئی، تاریخ و ادبیات میں اس کا تذکرہ ہوا۔ لوک ادب یا تحریری ادب، نثر ہو یا نظم۔ نمک موضوعِ بحث رہا ہے۔ اس پر کبھی لڈی شاہ نے بات کی اور کبھی شاعروں نے۔ مشہور زمانہ کشمیری صوفی شاعر عبدالوہاب کھار عرف وہاب کھار نے نمک کے متعلق یوں خامہ فرسائی کی ہے:

نوٗن چون کیٛاہ چھُ مزٕدار ژٕنہِ وانیو
ژٕنہِ روٗس نعمژٕ بے کانٕہ وانیو
روٗپیہِ چھی ژور سیر
توٗل سہہ وق چھُ ژٕیر
گامکۍ آمتۍ شہر ژٕنہِ وانیو 58

ترجمہ: سوداگر تمہارا نمک مزہ دار ہے کیونکہ نمک کے بغیر تمام ضیافتیں بے مزہ اور بے ذائقہ ہیں۔ اس لئے تم نمک جلدی تولو، ایک روپیہ میں چار سیر آتے ہیں۔ نمک خریدنے کے لئے لوگ گاؤں سے شہر کی طرف آتے ہیں کیونکہ بغیر نمک تمام ضیافتیں بے ذائقہ اور پھیکے ہیں۔

نمک اس قدر اہمیت کا حامِل تھا کہ اہم تقریبات میں بطور تحفہ دیا جاتا تھا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ نمک مٹھائی کے بدلے بطور تحفہ دینے کا رواج بھی تھا جس سے نمک کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ گزشتہ زمانے میں بعض علاقوں خاص کر لداخ کے ایک گاؤں سکتی میں اکتوبر کے مہینے میں ''نمک میلہ'' لگتا تھا جس میں بشمول کشمیر دُور دراز بستیوں سے لوگ خاص کر تاجر شریک ہوکر نمک خریدتے تھے 59۔

57.Walter Lawrence, 1895, The Valley of Kashmir, London, P-392

58۔ کلیاتِ وہاب کھار، ۱۹۹۹ء سری نگر، ص ۲۰۴۔

59. Silk Route Expedition, Phase-III,2003, Centre of Central Asian Studies,University of Kashmir, Srinagar, P-304

جموں وکشمیر میں لون

جموں وکشمیر میں لون ذات کے لوگ عرصۂ دراز سے بود باش کرتے آئے ہیں۔تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ کن کن علاقوں کے باشندے تھے۔اس حوالہ سے ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔محمد الدین فوق نے چند سطریں تو سیاہ کرڈالی ہیں جو اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ لونوں کی بیشتر آبادی کپواڑہ کے سرحدی علاقوں میں رہ رہی ہے۔لیکن یہ رائے راقم کی فیلڈ سٹیڈی میں درست نہیں پائی گئی۔سچ تو یہ ہے کہ لون کم وبیش ہی پوری ریاست کے طول وارض میں سکونت پذیر ہیں۔سب سے پہلے ضلع گاندربل کی بات کریں۔ یہاں کے تحصیل کنگن میں جو بھی دیہات ہیں، وہاں لون آباد ہیں جس میں آرہوم، وسن ۶۰، کنگن ۶۱، گُلن ۶۲، ہار پور ۶۳، ٹُل مُل، دیو پور، صفا پور، بورُس، کروہوم، ڈب، ووگُر، ربہِ تار، ززنُ، بادام پور خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔لار تحصیل کے ریپور، بینہِ ہوم، وتہ لار اور منہِ گام میں لونوں کی خاصی آبادی ہے۔گاندربل تحصیل کے سیندبل، پیر پور، کنژھن، حکیم گنڈ، بتہ پور، ژھندُ ن، گوگجہِ گنڈ، شالہ ٹِگ، گنڈِ رحمان، ہَرن، گاڈرُ، فتح پور، ڈگہ پور، بملُر، سولُر، گنگر ہوم، وحید پور، دودر ہوم، بی ہوم، ملہ شاہ باغ، دریند، ناگبل اور کھلمُل دیہات میں بھی لونوں کی اچھی تعداد رہائش پذیر ہے۔وسطی کشمیر کے ضلع بڈگام میں لون ذات کے لوگ جا بہ جا رہتے ہیں۔تحصیل بیرو میں لونوں کی آبادی کچھ اس طرح ہے ۶۴۔

گاؤں کا نام	گھرانے	گاؤں کا نام	گھرانے	گاؤں کا نام	گھرانے
بیرو	۲ گھرانے	ژِوڈور	۱۵رگھرانے	رٹھسون	۲۰ گھرانے
آرُو	۱۵رگھرانے	وُہنگام	ارکُنبہ	آرپاتھس	۲۵ گھرانے
کاندہوم	۳۲ گھرانے	میرپور	ارکنبہ	مانچھہِ ہوم	ارگھر
گوندپور	۵رگھرانے	ژاتھن	۴رگھرانے	رین پور	ارکنبہ
بانٹھ	۲رگھرانے	ملہ پور	۱۵رگھرانے	مازہوم	۲۰رگھرانے
کانہِ ہوم	۱۵رگھرانے	کووُس	۲۰رگھرانے	رُسس	۲رگھرانے
پسپور	۵رگھرانے	ملہ ہوم	۲۰ گھرانے	لارکھ پور	۵رگھرانے

لونوں کی خاصی آبادی تحصیل بڈگام، خانصاحب، چاڈورہ، چرارِ شریف اور تحصیل باغات کنی پورہ میں بھی بود باش کرتی ہے۔چاڈورہ تحصیل کے ناگُم، قاض پور، درد پور، حیات پور،

---

۶۰ تا ۶۳۔ 2016ء میں کی گئی فیلڈ سٹیڈی سے پتہ چلا ہے کہ ان دیہات میں رہنے والے لون زیادہ تر تلیل اور گریز سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔اس فیلڈ سروے میں کشمیر یونیورسٹی سینٹرایشن مرکز سے وابستہ Ph.D سکالر محمد شفیع راتھر کا کلیدی کردار رہا ہے۔

۶۴۔اس معلومات کو جمع کرنے میں رستو بیرو کے پی ایچ ڈی سکالر محمد شفیع میر نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔

نو پور، زوہوم اور ہونڑُر میں لونوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ باغات کنی پورہ کے شنکر پور، خندہ، ژوکپور، ڈانگر پور، کُٹھ پور وغیرہ میں لون ذات کے لوگ رہتے ہیں۔ چرارِشریف کے کنہ دجن، ڈلون، چراونی اور دارون نوگام میں لون بود باش کرتے ہیں۔اسی طرح بڈگام کے وونپر، سیپدن، شیل پور، چھون، مقام، پاتری گام، بیچھ گام، خانصاحب کے ریبار، آرگام کیچ، دریگام، پالہ پور، بیچھہِ کوٹ اور نمبل ہار میں بھی لونوں کا مسکن ہے۔

پلوامہ ضلع میں لون پائین اور بالائی علاقوں میں سکونت کرتے ہیں۔ فیلڈ سروے کے دوران جو اعداد وشمار دستیاب ہوئے اس کے مطابق لونوں کے آبادی اس طرح درج کی جاتی ہے۔

گاؤں کا نام	تعدادکنبہ	گاؤں کا نام	تعدادکنبہ
نہامہ	۱۵رکنبے	مارول	۵رکنبے
سیتھر	۲رکنبے	لرو	۳رکنبے
لونہ پور	۱۵رگھرانے	ڈفرپور	۸رکنبے
کھریو	۶۰رگھرانے	ناگندر	۳۰رگھرانے
کھنموہ	۳۰رگھرانے	اندروس	۵۰رگھرانے
لدھو	۱۰ کنبے	شار	۵۰رگھرانے
بٹھین	۲۰ گھرانے	لیتہ پور	۱۰ کنبے[۶۵]

دریگام، کلم پور، شاجہِ مرگ، ٹہب، ڈوڈرُ، سرُن، وشہِ بُگ، وہیٹگ، پاری گام، بیندر، نیو اور آرمُل میں بھی لون رہتے ہیں۔تاہم ان گاؤں میں کس تناسب سے لونوں کی آبادی ہے، معلوم نہ ہوسکا کیونکہ ان دیہات میں راقم کو جانے کا موقع نہ ملا۔اسی طرح شمالی کشمیر کے تجر شریف، سوپر، زولر، بُجے، ہرون، سگی پور، ترکپور، کیونس، نایدکھے، حاجن، سنمبل، سوناواری، اندرکوٹ، صدر کوٹ، چھٹے بانڈے دیہات سے بھی لون ذات کی اطلاع ہے۔ سرینگر کے نوہٹہ، فتح کدل، نواکدل، بربرشاہ، سونہ وار، احمد نگر، صورہ، نوشہر، پالہ پور، نور باغ، قمرواری، بمنہ، بٹہ مالو، حیدرپور، ندُر، راولپور، چھانہ پور، نٹی پور، نوگام، نشاط، ہارون، تھید، دارا، سعدہ پورہ اور تیل بل میں لونوں کی

۶۵۔ یہ معلومات علی محمد ڈار ولد غلام قادر ڈار ساکنہ لدھو پانپور نے راقم کے گوش گزار کی ہے۔

خاصی آبادی موجود ہے۔ اننت ناگ، کولگام اور شوپیان اضلاع میں بھی لون عرصہ دراز سے رہتے آئے ہیں۔ کولگام کے کاپرن، پوہل، ٹنگمرگ، ژھوٹ پور اور ناگم میں لون خاصی تعداد میں رہنے کی اطلاع ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ لونوں کی زیادہ تر آبادی شمالی کشمیر خاص کر ضلع کپوارہ میں بود باش کرتی ہے۔ رڈ بگ، کرناہ، کیرن اور ٹنگہ ڈار میں لون ذات کی اچھی خاصی تعداد رہتی ہے[٦٦]۔ وادیٔ گریز میں شاید ہی کوئی گاؤں ہوگا جہاں لون موجود نہ ہو۔ کہنے کا مطلب یہ کہ یہاں لون کافی تعداد میں رہتے ہیں۔ لونوں کی کچھ آبادی جموں صوبہ میں بھی رہتی ہے۔ پونچھ، راجوری، گول، گلاب گڈھ، بانہال، بھدرواہ اور کشتواڑ میں لون ذات کی قلیل آبادی ہے۔ لون پاکستان اور پاکستانی زیرانتظام کشمیر کے بھی باسی ہیں۔ 1911ء کی مردم شماری کے مطابق جموں وکشمیر میں لونوں کی کل آبادی 51931 تھی جس میں سے جموں ڈویژن میں 8126، گلگت بلتستان میں 354 اور کشمیر میں 43451 لون رہتے تھے۔ تب سے آج تک ایک سو چھ سال کا وقفہ ہوا۔ آبادی میں چار گناہ اضافہ ہوا۔ اس حساب سے اس وقت گلگت بلتستان میں لونوں کی آبادی تقریباً 14 ہزار، جموں میں تقریباً 33 ہزار اور وادیٔ کشمیر میں تقریباً پونے دو لاکھ کے آس پاس پہنچی ہوگی[٦٧]۔

لون جہاں بھی رہتے ہیں وہاں کی مقامی زبان میں بات کرتے ہیں۔ وادیٔ کشمیر کے بیشتر لون کشمیری، گریز میں رہنے والے لون شنا اور کشتواڑ کے لون کشتواڑی زبان میں بات کرتے ہیں۔ عام کشمیریوں کی طرح لون ذات سے وابستہ لوگ چاول کھانے کے عادی ہیں۔ ان کی بیشتر آبادی جفاکش اور دل دار ہیں۔ ان کے قد وقامت اور جسامت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ قدیم زمانے میں راجپوت رہے ہوں گے۔ رسم ورواج اور شادی بیاہ کے رسوم میں لونوں اور دیگر کشمیری ذاتوں کے لوگوں میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ شادیاں اپنی ہی ذات یا کشمیر کے قدیم ذاتوں والے

٦٦۔ منظور ہاشمی، 1977، ارض وطن کرناہ، سری نگر، ص، ۴۱

٦٧۔ 1980 تک جموں وکشمیر میں کی گئی مردم شماری میں ہر ذات، اس کی آبادی اور شرح خواندگی ظاہر کی جاتی تھی۔ لیکن ۱۹۹۰ء کے بعد اس نظام کو یکسر بدل دیا گیا۔ اس لئے یہ کہنا شکل ہے کہ کس ذات کی کتنی آبادی ہے۔ متعلقہ محکمہ کو چاہئے کہ وہ مردم شماری کرتے وقت طریقۂ قدیم کو ہی ترجیح دے۔

لوگوں سے انجام دینا پسند کرتے ہیں۔ لونوں میں بڑے بڑے زمیندار اور مالکان باغات کی خاصی تعداد موجود ہے۔ چھوٹی بڑی تجارت کرنا یا کوئی پیشہ اپنانا ان کے مزاج اور روایت میں رہا ہے۔

لون ذات کی اہم شخصیات

آثاروقرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ہر ذات کے لوگوں میں کسی نہ کسی اہم شخصیت نے جنم لیا ہے۔ تاہم تفصیلات کی عدم دستیابی کے باعث اہم شخصیات ابھی تک پردۂ اخفا میں ہیں۔ بیٹھکوں، دیہی دکانوں پر سجی محفلوں اور بزرگوں سے جو اشارے ملے ہیں، سے پتہ چلتا ہے کہ لون قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایک اہم شخصیت پانپور کے تاریخی گاؤں کھریو کی رہنے والی تھی۔ فیلڈ سٹیڈی کے مطابق کھریو کے باباپور محلّہ میں محمد جمال لون کے ہاں عبدالرحمٰن لون نام کا بچہ پیدا ہوا۔ محمد جمال لون علاقے کا بہت بڑا زمیندار تھا۔ جس کے پاس چھ خروار خشک (۱۹۲ کنال) اور ڈیڑھ خروار (۴۸ کنال) آبی زمین تھی۔ بچپن سے لے کر عہد جوانی تک عبدالرحمٰن لون اپنے باپ محمد جمال لون کے کام خاص کر کھیتی باڑی میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ وہ بچپن سے ہی صوفی مجلسوں میں بیٹھنے کے عادی تھے۔ آپ کو کئی صوفی بزرگوں کی صحبت میں رہنے کا بھرپور موقعہ ملا تھا لیکن روحانی تربیت زمانہ کے مشہور صوفی احمد صاحب مجامہ، جن کی زیارت سرینگر کے محلّہ شری بھٹ میں واقع ہے، سے حاصل کی۔ ان کی صحبت میں رہ کر لون صاحب نے روحانی تجربات کے مختلف منازل طے کئے ۶۸۔ عبدالرحمٰن لون کی جانشینی کا فریضہ اُن کا پڑپوتا جس کا نام عبدالرشید لون ہے، انجام دے رہا ہے۔ ان ہی لونوں میں سلطان لون عرف سُلہ لون ایک ملنگ ہوگزرا ہے جو آج سے 70 سال پہلے فوت ہوا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ کمر کے گرد سانپ باندھتا تھا اور رات اکثر وبیشتر ایک مقامی گپھا میں گزارنے کے عادی تھے ۶۹۔ اسی طرح لونوں میں ایک اہم شخصیت علی محمد لون تولد ہوئے۔ آپ کے دادا غلام رسول لون آری ہل تحصیل پلوامہ کے رہنے والے تھے، جو درگجن سرینگر میں بطور خانہ داماد تھے۔ اس کے فرزند عبدالرحمٰن لون نے پلوامہ کے پاری گام میں خدیجہ نامی خاتون کے ساتھ شادی کی تھی جس کے یہاں عبدالعزیز لون، غلام محمد

۶۸۔ عبدالرحمٰن لون، وہاب صاحب کھار کے ہمعصر، ہم وطن اور ایک ہی مرشد کے طالب تھے۔ تاہم لون صاحب، وہاب صاحب کھار سے تقریباً ۲۵ رسال پہلے دنیا سے رخصت ہوئے۔

۶۹۔ یہ اطلاعات کھریو کے علی محمد لون ولد خیر محمد لون، جس کی عمر 63 سال ہے، نے 10 ستمبر 2016 کو لدھو کے مقام پر راقم کو دی۔

لون، علی محمد لون اور محمد سلطان لون تولد ہوئے۔ علی محمد لون 27 ستمبر 1944 کو پیدا ہوئے۔
ابتدائی تعلیم مقامی طور حاصل کی 1942 میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے میٹرک اور 1946 میں پہلی پوزیشن کے ساتھ بی اے پاس کیا۔ لون صاحب اردو اور کشمیری زبان کے نامور ادیب ہوگزرے ہیں۔ انہوں نے اردو اور کشمیر میں درجنوں مضامین، 150 کے قریب ڈرامے، ایک ناول اور بہت سے افسانے رقم کئے ہیں۔ سُیا ان کا مشہور افسانہ ہے۔ ''گھر سے کالج تک'' ان کا پہلا اردو افسانہ ہے۔ مشہور ڈراموں میں حمیدی، روح اور روتل، ویتال پچیسی لالہ جوائنڈ سنز اور وبتھ روزِ پکان شامل ہے۔ اُنہوں نے کئی ترجمہ بھی کئے ہیں۔ علی محمد لون کا شمار صفِ اوّل کے ادیبوں میں ہوتا ہے۔
لون ذات کی ایک سیاسی شخصیت عبدالعزیز لون ضلع پلوامہ کے گاؤں نہامہ میں تولد ہوئی تھی۔ جو محاذ رائے شماری کے سرگرم اور خاص کارکن رہے ہیں۔ انہیں کئی بار جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں کی مصیبتیں برداشت کرنا پڑی۔ عوامی کاموں کے لئے لڑنا اور اِن کے مسائل کا حل ڈھونڈنا ان کی زندگی کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ 1977 میں جب شیخ محمد عبداللہ برسر اقتدار آئے تو عبدالعزیز لون سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے فوری طور بعض دیہات کو بیک وارڈ قرار دینے کی فہرست پیش کی جو منظور ہوئی جس میں نہامہ، مارول، کھیدرسہہ، سیتھر اور لرونام کے گاؤں قابل ذکر ہیں۔ ۷؎ لون قبیلے کی ایک اور جانی پہچانی شخصیت عبدالغنی لون تھی جو ضلع کپوارہ کے دردہرے گاؤں میں ۴ مئی 1932 کو پیدا ہوئے اور 21 مئی 2002ء اُنہیں عیدگاہ سرینگر میں ایک جلسے کے دوران قتل کیا گیا۔ ابتدائی تعلیم مقامی طور حاصل کی۔ سوپور کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے اور 1957 میں قانون کے مضامین میں گریجویشن مکمل کی۔ اس کے بعد وکالت کا پیشہ اپنایا۔ 1967 میں لون صاحب کانگریس ٹکٹ پر ممبر اسمبلی بن گئے اور 1969 میں اری گیشن اور محکمہ بجلی کے وزیر ہوئے۔ کچھ مُدت کے بعد لون صاحب کو محکمۂ تعلیم اور صحت عامہ کا عہدہ دیا گیا۔ بعض اختلافات کے سبب کانگریس چھوڑ کر جنتا پارٹی میں شامل ہوگئے۔ ایک سال کے بعد اپنی پارٹی ''پیوپلز

۷؎ یہ اطلاعات لدھو پانپور کے علی محمد ڈار عرف علی گلشن نے ۱۳ ماہ اپریل 2013 کو فراہم کیں۔

کانفرنس'' کی بنیاد ڈالی۔ 1987 کے متحدہ محاذ الیکشن میں حصہ دار بنے۔ جوانی کی دہلیز سے تادم مرگ سماجی اور اقتصادی معاملات میں کلیدی کردار نبھاتے رہے۔ اسی خاندان سے سجاد غنی لون، بلال غنی لون اور شبنم لون کا تعلق بھی ہے۔ تحصیل سوناواری ضلع بانڈی پورہ کے گنجان آباد گاؤں نائد کھے میں بہت بڑا زمیندار عبدالغنی لون رہتا تھا جس کے پاس ڈیڑھ سو کنال سے زیادہ زمین تھی۔ آسودہ حال ہونے کے باعث عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ محمد اکبر لون اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو آج کل سوناواری حلقہ انتخاب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ محمد اکبر لون نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1972 میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وکالت شروع کی اور بہت ہی کم وقت میں نیشنل کانفرنس سے وابستہ ہوئے۔ لون قبائل سے منسلک اور بھی کئی شخصیات ہیں جس میں کشمیری زبان وادب کے مشہور نام ناجی منور، پروفیسر شفیع شوق اور امین کامل بھی قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح چاڈورہ تحصیل کے ہونزڑ گاؤں میں لونوں کی آبادی عرصہ دراز سے بود باش کرتی ہے جو تقریباً سب کے سب آسودہ حال زندگی گزر بسر کر رہے ہیں۔ ان ذی عزت اور امیر لوگوں میں حاجی محمد صدیق لون ایک درویش صفت انسان تھے جنہوں نے اپنے پیرِ مرشد حضرت میرک شاہ صاحب کاشانیؒ کے زیرِ سایہ عمر گزاری تھی[اے]۔ وہ وقت کے بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ اسی خاندان میں غلام محمد لون پیدا ہوئے جو عہد جوانی سے ہی سیاست سے وابستہ ہوگئے۔ ان کے یہاں نذیر احمد لون اور غلام نبی لون نے جنم لیا۔ نذیر احمد لون ڈاکٹر بن گئے اور عمر بھر لوگوں کا مُفت علاج کرتے رہے اور یہ سلسلہ نوکری سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی جاری رہا بلکہ تادم تحریر جاری ہے۔ غلام نبی لون نے وکالت کا پیشہ اپنایا اور پی ڈی پی میں شامل ہونے تک اسی پیشے سے وابستہ تھے۔ علاوہ ازیں لونوں کی اور بھی شخصیات ہیں جنہوں نے سماجی زندگی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور دے رہے ہیں لیکن تفصیلات کی عدم دستیابی کے باعث ان کا تذکرہ ممکن نہیں ہے۔

اے۔ یہ معلومات 5/جون، 2017 کو جناب ولی محمد خوشباش ساکنہ دوین دُربگ (چاڈورہ) نے راقم کو فراہم کیں۔

نتیجہ

تاریخ لون کے متعلق جو آراء خیالات، نکتے اور نظریات سامنے آئے ہیں اُن کے تجزیاتی اور تنقیدی مطالعے سے جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کا نچوڑ یوں ہے:

۱۔ لون، لفظ مختلف زبانوں میں موجود ہے اور ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال ہوتا آیا ہے۔ عربی اور پشتو میں چہرے کی رنگت، فارسی اور اردو میں نمک جبکہ کشمیری میں اس کے معنی کاٹنا ہے۔ اس لفظ کو ''مالک شمیر'' کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ نمک اور پھلوں کا کاروبار کرنے والے کو بھی لون کہا گیا ہے۔

۲۔ لون، لفظ لوہانہ، لوا، لاوا، لاواکا، لوانہ، لبانہ، لُبانہ اور لونیا لفظوں سے ماخوذ ہے جو معنوی اعتبار سے یکساں ہیں۔ یعنی کاٹنے، پھلوں اور نمک کا کاروبار کرنے سے منسلک لوگ، ساختی اعتبار سے لون کی کئی صورتیں ہیں جس میں لون، لونی، لُنی، لُنا، لونیا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

۳۔ لون ایک قدیم ذات ہے جو ریاست جموں کشمیر کے علاوہ برصغیرِ ہندو پاک، افغانستان، برطانیہ اور امریکہ میں بھی پائی جاتی ہے۔

۴۔ لون کھشتریہ ذات کے لوگ ہیں۔ بڑے پیمانے پر تجارت کرتے تھے۔ غذائی اجناس اور نمک درآمد کرنا ان کا بنیادی پیشہ تھا۔ کاروبارِ نمک اور پھلوں کی خرید وفروخت کے لئے یہ لوگ قافلوں میں نکلتے تھے۔ کاروان کی حفاظت کے لئے ان کے پاس باضابطہ مسلح فوج رہتی تھی۔ اس لئے شمشیر زنی یا مارکٹائی میں ان کا ماہر ہونا لازم تھا۔

۵۔ عہدِ قدیم میں یہ لوگ نہ صرف راج پاٹھ کے قریب تھے بلکہ بسا اوقات ''کنگ میکرس'' (King makers) کا کردار ادا کرتے تھے۔ بڑے بڑے تاجر اور زمیندار ہونے کے علاوہ سپاہ گری میں ان کا نمایاں کردار رہا ہے۔ بارہا مُلک خاص کر برصغیر کو دشمنوں سے بچانے میں پیش پیش رہے ہیں۔ یہ لوگ راجپوتانہ خصائل کے مالک تھے اور یہ شان وشوکت، عزت اور دبدبہ کم وبیش آج بھی لونوں کے چہروں سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ دورِ وسطہ میں ان لوگوں نے کئی راجواڑہ ریاستوں کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔



یتّو

جب کوئی محقق یا نقاد کسی موضوع پر قلم اُٹھاتا ہے تو اُس وقت اُس کے ذہن میں کئی طرح کے سوالات ہوتے ہیں۔ اگر موضوع تاریخی یا سماجی نوعیت کا ہو اور بالکل نیا ہو تو قلمکار تحقیق کے تمام اصولوں کو بروئے کار لا کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی ہمہ تن کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک جاندار بحث کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ یہاں میری مُراد زیرِ قلم مقالہ یتّو سے ہے۔ یتّو لفظ کی تاریخ وغیرہ کے متعلق محقق حضرات اب تک خاموش رہے ہیں۔ جب راقم نے اس موضوع پر کام کرنے کا مصمم ارادہ کیا تو پہلی فرصت میں مندرجہ ذیل سوالات اُبھر کر سامنے آئے۔

1۔ یتّو لفظ کی ساخت　　2۔ یتّو کے معنی　　3۔ یتّو کی تاریخ

1۔ یتّو کی ساخت: ساختی اعتبار سے لفظ کی مختلف صورتیں ہیں جن میں ہجا تفاوت یوں نمایاں ہے۔

1۔ یتّو (Yato)　　2۔ یتّو (Yatoo)　　3۔ یتّو (Yatto)

4۔ یتّو (Yatu)　　5۔ ایتو (ATTU)　　6۔ اتّو (Itoo)

یتّو لفظ کی پہلی صورت زیادہ تر مغربی ممالک میں رائج ہے۔ مثلاً

1.Tomi Yato, California.

2.Toshio Yato, Taxas. 1

1.Yato Family, Tree and Genealogy.mht.net

دوسری اور تیسری صورت بشمولِ کشمیر ایشیاء میں رائج ہے جبکہ کشمیر میں لفظ کی چھٹی صورت بھی مروج ہے۔ تاریخی دستاویزات میں لفظ کی پانچویں صورت بھی استعمال کی گئی ہے2۔ تاہم لفظوں کے اسی خاندان کا یۆت(Yout) لفظ کشمیری لکھنے اور بولنے کے دوران استعمال کیا جاتا ہے مثلاً

1۔ غلام احمد یۆت یا مختصراً اَمہٕ یۆت (غلام احمد یتو یا اَمہٕ یتو)۔
2۔ علی محمد یۆت یا مختصراً علی یۆت (علی محمد یتو یا علی یتو)۔

''یہ کمی سُنٛد زمین۔ یہ چھُ قادر یٚتیُن۔ تمس کیاہ اوس مأ لس ناو۔ تَس آسی شاید وہاب یۆت ونان۔ قادر یٚتس چھِ زٕ نیٚچوِ ی۔ سُلہٕ یۆت تہٕ غفار یۆت۔''

ترجمہ: یہ زمین کس کی ہے۔ یہ قادر یتّو کی ہے۔ اُس کے باپ کا نام کیا تھا۔ اُسے شاید وہاب یتُّو کہتے تھے۔ قادر یتّو کے دو بیٹے تھے۔ سُلہ یتّو اور غفار یتّو۔

رہا سوال یتّو لفظ کی چوتھی صورت کا 3، اس کا استعمال خصوصی طور وید، اوستا، مہابھارت، رامائن اور پُرانوں میں ہوا ہے4۔

یتّو کے اس ساختی تفاوت کو محققین نے بشمول کئی وجوہات کے تاریخی نوعیت کا قرار دیا ہے۔ مثلاً

''یتّو لفظ کے حروف اس وقت تبدیل ہو گئے جب یتّو قوم ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک دیش سے دوسرے دیش ہجرت کر رہی تھی''5۔

لہجے کے فرق کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگلے وقتوں میں جب لوگوں کے نام سرکاری اور عوامی بہی کھاتوں میں درج کئے جاتے تھے، تو لفظ کا اندراج مختلف جگہوں پر مختلف حروف سے ہوتا تھا جس وجہ سے مذکورہ حروف کی ساخت متاثر ہو گئی اور اس کی کئی صورتیں سامنے آ گئیں۔

2: Walter R. Lawrence, 1967 The valley of Kashmir, Srinagar,P:36

3: تازہ ترین تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ 2012ء میں حکومت جموں و کشمیر کے الیکشن دفتر سے اجرا کئے گئے شناختی کارڈوں میں یتّو کے لئے انہیں حروف کا استعمال کیا گیا ہے۔

4: www.bangazashtra.net

5: Yato family history and Genealogy.net

۲۔ یتّو لفظ کے معنی:

قدیم تحریروں میں یتّو لفظ کے مختلف معنی دیئے گئے ہیں[۶]۔ رگ وید میں اس کے معنی ''نچلی ذات کا[7]''، سنسکرت میں مسافر[8] اور اوستا میں جادوگر ہے[9]۔ متلاک (Mattak) نے یتّو لفظ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، یت اور یتو۔ یَت کو سفر اور یتّو کو مسافر کے طور استعمال کیا ہے[10]۔ تجزیہ نگاروں نے روحانی طاقت رکھنے والے پیشوا، دینی بزرگ اور پادری کو یتّو کہا ہے[11]۔ منڈاری زبان میں سکھانے والے اور وعظ کو یتّو سے جانا جاتا ہے[12]۔ یورپی اسکالروں کا ایک طبقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یتّو جغرافیائی خاصیت کا حامل ہے۔ اُن کے یہاں یتّو کے معنی کسی مشہور گزرگاہ، شہر یا قصبہ کے دروازہ کے نزدیک سکونت کرنا ہے[13]۔ محققین کے ایک اور طبقے کا خیال ہے کہ اصلی معنی گِیاٹ (Goyte) یا گیٹ (Gate) یعنی دروازہ یا ڈیوڑھی ہے[14] جس کا منبع اینگلو۔ سیکن (Anglo-Saxan) ہے[15]۔ اس لفظ کا پہلا حرف جی (g) وَے (y) میں تبدیلی ہوا ہے جس کی وجہ سے Yato , yeats, Yates اور Yetus جیسے الفاظ معرضِ وجود میں آ گئے ہیں[16]۔ ایک مباحثہ یہ بھی ہے کہ یتّو سنسکرت کے ''یا'' سے نکلا ہے جس کے معنی قابل اور رکھوالا ہے جسے جاٹ (Jat) لفظ سے کافی مماثلت ہے۔ جبکہ کشمیری یوٗت تلفظ کے معنی ہیں ''اِس جگہ، یہاں، اس علاقہ یا بستی میں''[۱۷]۔

۶۔ ویدوں اور پرانوں میں یتو کے معنی ظالم اور آدم خور درج ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معنی بالا فطری خصائل کا مالک بھی ہے۔ ان کے ہم پلہ افریقہ، مصر، مشرقِ وسطیٰ اور چین میں بھی رہے ہیں۔ ایک تھیوری یہ بھی پیش کی جاری ہے کہ یتو۔ یاتِہ (Yati) سے نِکلا لفظ ہے جس کے معنی سُنو مین ہے جو جنگلوں میں رہتا تھا۔ اسی طرح برما میں یتو شاعری کی ایک صِنف ہے۔ ترکی زبان میں یتو سے قحط مطلب لیا جاتا ہے۔ روس میں یتو ایک ندی کا نام ہے۔ فنلینڈ کی راجدھانی ''اتو'' نام سے مشہور ہے۔ ملکِ زانبیا کی ایک زبان نانیجا میں یتو کے معنی ہمارا (Ours) ہے۔ اس کے علاوہ یتو برینڈ نیم بھی ہے۔ افریقہ میں ''یتو چائے'' ایک بڑی کمپنی ہے جو یتو نام کی یہ چائے فرانس اور انگلینڈ کے بازاروں میں بیچتی ہے۔ جہاں بڑے پیمانے پر اس کی خریداری ہوتی ہے۔

7.C.V.Vaidya.1907 Dpic India,Vol-1, Bombay P.7

8.Monier Williams, 1899,A Sanskrit English Dictionary, New Delhi, P. 549

9.Subash Kak, 2003, The vedic Religion in Ancient Iran and Zorathushtra, New Delhi, P.7

10.Gune D Matlok, Ist the Hopi Deity Kopelli an ancient Hindu god.http:II www.viewzone,com1aboutv2,html

11.A wisdom Archive on Yatudhanas.mht.

12.Moindra Bhusan Bhaduri, 1931,A Mundari English Dictionary,Calcutta. P.77

13.www.Surnamedb.com I Surname/screel Details/yates

14.Yatus-Ancestry-Co.uk

15.Ibid.

16.www.surnamedb.com I sumame/screel details/yates

۱۷۔ کاشر ڈکشنری، 1979، جلد 7، کلچرل اکیڈیمی، سری نگر ص، 328

۳۔ یتّوں کی تاریخ

اساطیر کے مطابق یتّو کی وجہ تسمیہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

''کرشنا کی ماں دیوا کی، کے باپ کا نام اوگرہ سین تھا۔ اُس کے بیٹے کنس نے اُسے قید کر کے اس کے تخت و تاج پر قبضہ کیا۔ وہ اس کے خاندان کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتا تھا۔ یادو یا یادوں کا کوئی بھی آدمی جب کبھی بھی کنس سے ملنے کی کوشش کرتا، تو وہ اُسے بُرا بھلا کہنے کے بعد ''یتو'' یعنی ''دفع ہو جاؤ'' کہہ کر بھگا تا تھا۔ کنس اِن الفاظ کو بار بار دہراتا تھا۔ اس طرح ان کا لقب ''یتو'' یعنی نفرت کے معنی میں مشہور ہوا''18۔

مذکورہ بالا عبارت سے دو باتیں نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ یتّو لفظ سے حکم کی بُو آتی ہے جس میں دفع یا دور ہونے کا انتباہ ہے۔ دوم یہ کہ یتو کا یادو قبیلے سے تعلق تھا۔ جہاں تک مؤخر الذکر رائے کا تعلق ہے، اس بارے میں اطلاع ہے کہ یادو کرشن مہاراج کی اولاد تھے19۔ جو کاشتکار اور مویشی پالنے کا کام انجام دیتے تھے۔ کئی محققوں کا خیال ہے کہ ان کا تعلق نیچ ذات کے لوگوں سے تھا اور انہیں ذات کے زمرے سے خارج کرتے ہیں20۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یتّو واقعی یادو خاندان کے لوگ تھے؟ اس سلسلے میں اگر تاریخی لسانیات کا سہارا لیا جائے تو ممکن ہے کہ کوئی نئی بات سامنے آئی تاہم تبدیلی آئی یہ طے ہے کہ ماہرینِ لسانیات اس بات کے قائل ہیں کہ حروف میں زمانۂ قدیم سے ہیں۔ جس سے اے(a) وے(y) اور وے(y) ایل(L) میں تبدیل ہوا ہے21۔ بعض اوقات میم(m) بی(b) اور آر(r) ایل(L) میں بدلتا رہا ہے۔ یہ فارمولہ دال(d) اور تے(t) حروف کے تبادلہ پر بھی صادق آتی ہے22۔ تبدیلی حروف کا یہ اصول زیرِ نظر رکھ کر اگر یوں کہا جائے کہ یادو(yadu) لفظ کا دال(d) تے(t) حرف میں تبدیل ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے یتّو لفظ معرضِ

18.Thomas Mourice, 1799, The History of Hindustan: Its Arts, and Science.Vol-1, London.P.261

19.Edword. Reginald Enthoven, 1990, The Tribes and castes of Bombay, New Delhi,P.134

20.John Henry Huttoon, 1969, Caste in India , Its Nature of Junction and Origins,Oxford, P.13

21.Nund Lal Dey, 1984, The Geographical Dictionary of Ancient and Mediaval India, New Delhi, P.xi

22.Ibid, P.X

وجود میں آیا ہوگا تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ بیشتر مورّخ اس موضوع پر قلم اُٹھاتے وقت یتو اور یادولفظ کے بیچ میں ''یا'' کا استعمال کرتے ہیں23 جس سے یہ دلیل سامنے آتی ہے کہ اصلی لفظ شاید ''یتو'' ہی ہے جس کا ''ت''(t)'' ''د''(d) میں بدل کر یادو بن گیا ہے۔ محققین حضرات اس پہلو کی وضاحت کرتے وقت ایسے جملوں کا سہارا لیتے ہیں جس سے مذکورہ بالا رائے کے برعکس نتائج سامنے آتے کہ یادو۔ یتو قبیلے کی ذُریت تھی نہ کہ اُن کے آباء۔ ایسا ہی نتیجہ شاید ہٹمان کے ان الفاظ سے بھی اخذ کیا جاسکتا ہے:

"Yatu, the leader of Yadvas.....24

تھامس مورس کی اس لفظیات سے بھی کچھ ایسا ہی اشارہ ملتا ہے:

"The origin of Yatus of Yadus...25

تھامس کے لفظوں سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ یتو اور یادو الگ الگ قبیلے نہیں تھے۲۶۔ بہرحال اس بحث سے قطع نظر یہ بات حتمی ہے کہ یتو ملکِ ہند کے قدیم باشندے رہے ہیں جو جسیم اور طاقتور تھے۔ کوئی بھی حملہ آور اس قوم کو پسپا نہیں کرسکتا تھا۔ جب دو ہزار قبل مسیح کے آغاز میں آریا قوم نے برِصغیر پر حملہ کیا تو ایک جھٹکے میں اُنہوں نے ہزاروں لوگ قتل کئے۔ مقامی قبائل کے درجنوں قلعے مسمار کئے یا اُنہیں نذرِ آتش کیا۔ رگ وید کے مطابق بجلیاں گرانے کے دیوتا اندر نے بھارت کے اصلی باشندوں کے ننانوے ارک (قلعے) مکمل طور تباہ کئے۔ آریا قوم کی اس وحشت ناک حرکت کے متعلق جی ایس سدھو ہیروڈوٹس کے حوالے سے رقمطراز ہے:

"Herodotus tells us that the Aryans were no better than wild beast."27

23.Thomas Maurice 1799, The History of Hindustan, its Arts and Science ,Vol-1, London ,P.261

24.G.H.Huttman, 1835, Asiatic Researches, Culcutta,P.224

25.Thomas Maurice.P.261

۲۶۔ یتو ایک بادشاہ کا نام بھی تھا جو سوریہ نسل کے پانچویں اولاد کا بیٹا تھا جس کو یادو قبیلے سر براہ بھی مانا جاتا تھا۔

27.G. S. Sidhu, 2004, Punjab and Punjabi, London, P.13

محقق اس بات کے قائل ہیں کہ آریا اوراُن کے اِندر دیوتا کو یتو قبیلے کے کسی بھی قلعے پرحملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی 28۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یتو اپنے قلعوں میں جادومنتر پڑھنے میں مصروف تھے ۲۹ جس کے نتیجے میں آریا قوم پر زبردست خوف طاری ہوا۔ بہرحال یہ بات صاف ہے کہ آریا یتّو قلعوں سے کافی دور رہے۔ مقابلہ کرنے کے بجائے یہ لوگ یتو قبیلے کو بددُعا دیتے اور اندر دیوتا کی خدمت میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر یوں آہ وزاری کرتے تھے۔

''یتّو یا راکھشس ظالم، بدخواہ اور انسانیت کے دشمن ہیں۔ ان کے سرگرم اور خاموش حمایتی نیست و نابود ہوجائیں تاکہ سماج اور ملک میں امن وامان قائم ہوجائے'' 30۔

جب اس عجز وانکساری کا کوئی اثر نہ ہوا تو آریوں نے مقامی قبائل کو ہرطرح بدنام کرنے کی کوشش کی۔ سِدھو رقمطراز:

''آریوں نے مقامی آبادی، چاہے وہ نیگروز، ناگ، دراوڑ، یتو یا راکھشش تھے، پر ہرطرح کے الزامات عائد کئے۔ کبھی انہیں داسی (غلام) اور کبھی گُرا آسوری (شیطان)، کبھی پشاچ (آدم خور)، ناگ (سانپ)، داتیاں (جن) اور راکھشس (وحشی) کہا گیا اور بعض اوقات اِن کو مرداوک (گندی زبان بولنے والے)، اِدوِیا (دیوی دیوتاؤں پر یقین نہ کرنے والے)، اناسہ (ٹیڑھی ناک والے) اور کرشنا گُربا (کالے لوگ) بھی کہا'' 31۔

آریوں کی طرف سے پھیلائی گئی ان جھوٹی باتوں کا سب سے زیادہ خمیازہ یتو قبیلے کو اُٹھانا پڑا کہ ہزارہا سال تک یتوؤں کی بدنامی ہوتی رہی۔ یتّو کو بدنام کرنے کے لئے کئی لفظیات کو چُنا گیا جس میں راکھشس لفظ نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ راکھشسوں کے متعلق اطلاع ہے کہ وہ کالے تھے۔ اُن کی آنکھیں زرد اور لال تھیں۔ بال اور کان تیر وترکش، ناک چپٹی، منہ

28.Ibid, P.13

۲۹۔ کہا جاتا ہے کہ یتوٗ 'لا'' کے پجاری تھے جو بکری دیوتا کے نام سے مشہور تھا۔ ''لا'' کو جادو کا سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یتّو جو قدیم جادوگر تھے جو ماگا (بھومی) کے اولاد تھے۔ یہ بھی سچ ہے کہ جادوگر ایک علاحدہ قبیلہ تھا جو بعض اوقات راجوں اور مہاراجوں کو کسی جنگی مُہم میں مدد دیتا تھا۔

30.Rigveda.70,104,15,10,C.F.Net

31.G.S.Sidhu.PP.14.15

پھیلا ہوا اور ہونٹ بڑے بڑے تھے 32۔ شکل وصورت سے یہ افریقی حبشیوں سے ملتے جلتے تھے۔ رنگ ونسل اور قد وقامت کے لحاظ سے ہندوستان کے قدیم باشندوں خاص کر بھلی، گونڈیا کول سے ان کی کافی مماثلت تھی 33۔ برِصغیر سے باہر زبانوں میں راکھشش کے معنی وحشی اور جان لیوا درج ہوا ہے۔ انڈونیشیا اور ملیشیا میں راکھشس کے معنی عفریت، طاقتور، زیادہ کھانے والا اور لالچی ہے 34۔ منڈاری زبان میں راکھش اجنبی کو کہتے ہیں اسی طرح بنگالی میں ''مسلسل اور زیادہ کھانے والے'' کو راکھشس کہتے ہیں۔ سنسکرت میں بدصورت، کالا، کمینہ، وحشی اور ظالم راکھشس کہلاتا ہے۔ کشمیری زبان میں رکھشس وحشی انسان کو کہا گیا ہے۔ ایف ای پرتیجٹر کھشتری روایت کا سہارہ لیتے ہوئے رقمطراز ہے کہ '' راکھشس ایک اجنبی انسانی ذات ہے 35، جو رگ وید کے مطابق کئی شکلیں بدلتے تھے 36۔ ان پر الزام ہے کہ یہ رات کے وقت عورتوں پر حملہ کرتے تھے جس بنا پر ان کو ناگ، ریشی اور یاراکھشس سے منسلک کیا گیا ہے 37۔ اس زمرے میں کشمیر کا ایک پرانا قبیلہ پشاچ بھی آتا ہے۔ یہ دونوں قبیلے شیومہادیو کو ماننے والے تھے جن کا مسکن کیلاش پہاڑ کے دامنِ جنگل میں واقع تھا۔

یہ بات قابلِ وضاحت ہے کہ راکھشس رات کے وقت عورتوں پر حملہ یا اُنہیں اغوا نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسم ورواج کے مطابق راکھشس دولہا اپنی دولہن کو اِغوا کر کے اپنے گھر لانے کا پابند ہوتا تھا جو اُن کے دستور کے مطابق ازدواجی زندگی شروع کرنے کی اوّلین شرط ہوتی تھی۔ اِن رسوم کی باقیات آج بھی ناگپور کے کولار قبائل میں مروج ہیں 38۔ اس مقالے کا قابلِ توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ یتّو وَں کو کیوں کر راکھشس کہا گیا ہے۔ اس بارے میں

32.K.C.Mishra.1987, Tribes in Mahabharata, New Delhi,PP.239-240

33.Mahabharata.11, 14224,151.8 CF.K.C.Mishra.P-240

34.Atma Stanton, 2004,A Learners Comprehensive Dictionary of Indionesian, Amsterdam,P.455

35.F.E.Pragiter,1922, Ancient Indian Historical Triditions, London, P.290

36.A.A.Macdonell, 2004, History of Vedic Mythology,New Delhi,P.236

37.A Wisdom Archive on Yatudhana.net

38.K.C.Mishra,P.241

اگرچہ پہلے ہی کچھ بنیادی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تاہم یہ کہنا ضروری ہے کہ زمانۂ قدیم میں یتّو اور راکھشس اس قدر گھل مل گئے تھے کہ اُنہیں ایک ہی قبیلہ سمجھا جانے لگا۔ جبکہ حقیقتاً یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور الگ تھے 39۔ اِدھر راکھشسوں کے بارے میں کی گئی تازہ ترین تحقیق سے وہ تمام باتیں غلط ثابت ہوئیں ہیں جو اِن کے ساتھ منسوب کی گئی تھیں۔ سیاسیات اور سماجیات کے سکالر شری راما شر، تحقیقی حوالوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ راکھشس نہ بھوت تھے نہ آدم خور اور نہ ہی بالا فطری خصائل کے مالک بلکہ وہ ایک تہذیب یافتہ قوم تھی 40 جس کا رشتہ اُنہوں نے دراوڑں سے جوڑ دیا ہے 41۔

راکھشسوں کی بات سے قطعِ نظر، مختصراً کہنا یہ ہے کہ مقامی آبادی بشمول یتّوؤں کو بدنام کرنے میں آریا حملہ آوروں نے ہر طرح کی کوشش کی مگر اُن کو زیر کرنے میں اُس وقت تک کامیاب نہ ہوئے جب تک کہ اُنہیں ایک خاص کمزوری کا علم نہ ہوا جو انجام کار مقامی قبائل کے زوال کی بنیاد بنی تھی۔ کے سی مشرا رقمطراز ہے:

> "Their fall might have been due to one weak point found common among Rakshasas. Yakshas (Yatus),Asuras and Gandharvas, viz, love and lore for beautiful women. Their adversaries, the Aryans, had recognised it earlier and employed women to ruin them." 42

آریاؤں نے اپنی خوبصورت عورتوں کو یہ کام سونپا کہ وہ دشمن کے بڑے بڑے سرداروں اور فوجی افسروں کو اپنی طرف راغب کریں تا کہ میدانِ جنگ میں وہ اس قابل نہ رہیں کہ لڑ سکیں۔ اس کے باوجود فریقین میں خون ریز معرکہ ہوا جس میں قریباً پچاس ہزار انسانی جانیں تلف ہوئیں 43 اور سینکڑوں بستیوں میں آگ لگا دی گئی۔ چنانچہ بہت سے قبائل بشمول یتّو

39.Ibid, P.2, 218-219

40.Ramashray Sharma, 2006, A Socio-Political Study of Volmiki Ramayana, New Delhi,P.217

41.Why caste system was created in Hinduism.net.

42.K.C.Mishra, P.241

43.G.S.Sidhu, P.14

اپنا وطن (پنجاب) چھوڑ کر چلے گئے۔ یتّو وَں کی ایک جماعت جنوبی ہند میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی44۔ جہاں اُس وقت دراوڑ قبیلے بود باش کر رہے تھے۔ یتّو وَں کو یہاں بھی سکون میسر نہ ہوا۔ اُنہیں وحشی، ظالم اور غیر مہذب کہا گیا45۔ اسی قبیلے کی ایک جماعت بھاگتے ہوئے افریقہ پہنچ گئی اور ''یتو پا'' نام کی ایک بستی آباد کی جو آج کل ملک ''ایتھوپیا'' کے نام سے مشہور ہے۔ مورس لکھتے ہیں:

"Eathiopians, who are said, by Stephanus, of Byzantine, by Eusebius, by Philostus by Eustalhius , and others, to have come originally from India under the guidance of Aetusor Yatu. 46

یتّو کی بدیشی دلیل یکسو چھوڑ کر ہٹمان کا کہنا ہے کہ یتّو نہ صرف ایک ذات تھی بلکہ اِن کا تعلق ایک مقدس نسل سے تھا47۔ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لِنڈ سے نے یتّو قبیلے کو قدیم اور اُن کی ذات کو اعلیٰ قرار دیا ہے 48۔ چند مغربی تجزیہ نگار یتّو ذات کو قابلِ احترام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" Many names like Yato come from religious texts such as the Bhagavadgita,the Bible the Quran and soforth.Often these names related to a religious expression such as "Worthy of praise" 49

اگر مذکورہ بالا رائے کو درست مان لیا جائے تو پھر یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے کہ یتّو دینی بزرگ، واعظ اور سکھانے والے کو کہتے تھے۔ یہ بھی اب ثابت ہوا کہ یتّو برِصغیر کے قدیم باشندے ہیں مگر یہ ابھی تک واضح نہیں ہوسکا ہے کہ ان کی قومی شناخت کیا تھی۔ وجہ یہ

44.Rigveda, x,61,60 capter% 20/-/% 20/-47% 20.pdf.net

45.History of Adi-Dravides, Thruvallukir founding.org.net

46.Thomas Mourice, PP.260-261

47.G.H.Huttmann,P.224

48.Alexader Crawford Lindsay, 1838,Letters on Egypt, Edon, and the Holy Land, Vol-I London, PP.203-204

49.Yato family history and Genealogy.net

کہ محققین نے اس بحث کو اب تک بالکل چھیڑا نہیں ہے۔ ویدوں میں اس حوالے سے کچھ سطحی اشارے ملتے ہیں جس سے یتّو کے دراوڑ ہونے کا اندازہ ہوجاتا ہے 50۔ فورلانگ کا بھی دعویٰ یہی ہے کہ یتّو واقعی دراوڑ تھے 51۔ اسی طرح جو لوگ آریائی یلغار کی وجہ سے پنجاب چھوڑ کر جنوبی ہند کے تامل ناڈو علاقے میں جا بسے تھے اُن کا تعلق بھی دراوڑ قبائل سے تھا۔ لہٰذا یہ کہنے میں اب کوئی قباحت نہیں کہ یتّو دراوڑ قبیلے کے لوگ تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک رائے ہے کہ یہ تامل ناڈو کے نیگروز یعنی کالے رنگ کے لوگ تھے جنہیں ویدوں میں راکھشس اور یتّو جب کہ بُدھ تحریروں میں ناگ کہا گیا ہے 52۔

اگر مذکورہ بالا آراء اور مباحثوں کو لفظ بہ لفظ اور گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو دو خاص باتیں اخذ ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یتّو قدیم اور دراوڑ قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ دوسرا یہ کہ ناگ یتّو کے اسلاف تھے۔

۴۔ کشمیر میں یتّو ذات کے لوگ

یتّو یا کشمیری میں یوّت لفظ کے بارے میں مقامی تواریخ بالکل خاموش ہیں۔ تاہم انگریز مشنری والٹر لارنس نے جو مقامی لوگوں میں لارن صاحب کے نام سے مشہور تھے، ''کشمیر کی وادی'' نام کی کتاب تحریر کی جس میں لارن صاحب نے قیافہ شناسی (Physiogromy) کی بنیاد پر دعویٰ کیا ہے کہ یتّو، بھٹ، کول، ریشی، مانتو، پنڈت اور گنائی، جن کو چودھویں صدی عیسوی میں جبراً اسلام کے دائرے میں لایا گیا، نسبی اعتبار سے برہمن تھے 53۔ حسن شاہ کھویہامی یتو کو شودر یا کایت ۵۴ قرار دیتا ہے ۵۵۔ جبکہ محمد الدین فوق کے بقول یہ لوگ رینہ ذات سے تعلق رکھتے تھے ۵۶۔ اسی طرح ماہرِ سماجیات آر کے کول کو یتّو کا منبع ہندو دور کے شودروں میں دکھائی دیتا ہے 57۔

50.C.V.Vaidya, 1907, 2009,Epic India, Vol-1 , Bombay.P.7

51.Maj.Genj.G.R.Forlong.2006,Faith of Man.Vol-II Leaders,PP-558 -570

52.History of Adi-Dravidians, Thiruvalluvov founding.org.windows.net

53.W.R.Lawrence, 1967, The Valley of Kashmir,Srinagar,P.306

۵۴۔ کایت یا سنسکرت کا سیتھ ایک ملی جُلی ذات ہے جس کا باپ کھشتری اور ماں شودر ہے۔

۵۵۔ تاریخِ حسن، 1988، جلد اوّل، سری نگر، ص، ۵۱۱۔۵۱۲

۵۶۔ محمد الدین فوق، 1996، تاریخِ اقوام کشمیر، سری نگر، ص۔ ۱۸۵

57.R.K.Koul, 1982, Sociology of Names and Nicknmaes of India, Srinagar,P.143

جہاں تک والٹر لارنس کی رائے کا تعلق ہے، اُنہوں نے یتّو ذات کی عصری شکل و صورت کو مدِنظر رکھ کر نتیجہ اخذ کیا ہے جو بالکل دُرست ہے۔ تاہم یہ نتیجہ تاریخی حقائق سے کوسوں دور ہے۔ گزشتہ صفحات میں یہ بات پہلے ہی درج کی گئی ہے کہ یتّو قبیلے کی تاریخ آریا قوم کے واردِ ہند ہونے سے بہت پہلے شروع ہوتی ہے۔ لیکن ۱۵۰۰ ق م سے ہونے والے کراس میریجز (Cross Marriage) اور آریا قوم کی ثقافتی یلغار سے یتّو قبیلہ اپنا حسب ونسب، قد و قامت اور شکل وصورت قائم نہیں رکھ سکا ہے۔ اور اگر کچھ بچا ہے تو وہ صرف لفظ ''یتّو'' ہے۔

پروفیسر محمد اشرف وانی یتّو کو اعلیٰ ذات قرار دے کر اسے ماقبل اسلام ٹھہراتا ہے 58 جس سے شاید یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ یتو کشمیر کے قدیم باشندے ہیں۔ جبکہ محمد یوسف ٹینگ آدتیہ ۵۹ لفظ کو یتو کا منبع قرار دیتے ہیں ۶۰۔ اُن کے بقول آدتیہ لفظ کا ''د'' گر کر آتیہ بن گیا ہے جو آہستہ آہستہ پہلے ایتو اور پھر یتو بن گیا ہوگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ٹینگ صاحب کو ڈل جھیل کے کنارے (نزدیک او برائے پیلس) پر واقع طالع منزل کے دامن اور زبرون پہاڑی کی گود میں اَتہ گجی اور علاقہ کمراز کے اتہ مولہ نامی گاؤں کے نام میں یتّو کی مہک آتی ہے ۶۱۔ اُن کا مزید کہنا ہے کہ یتوسور یہ مندروں کے پُجاری اور پروہت ہوا کرتے تھے ۶۲۔

58.Prof. Muhammad Ashraf Wani, 2004, Islam in Kashmir, Srinagar, P.3

۵۹۔ سنسکرت زبان میں آدتی کے معنی ہیں وسیع آدتی کو دیوی اور دیوتا دونوں کی حیثیت سے جانا جاتا ہے آکاش، سورج، تارے اور چاند آدتی کے نور سے منوّر رہوتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ سوریہ دیوی کو ماننے والے آدتیہ نام سے مشہور ہے۔ ویدوں اور پُرانوں میں درج ہے کہ زمانۂ قدیم میں ایک دیوتا 'آدتی' نام سے مشہور تھا جس کی اولاد کو آدتیہ کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد آٹھ تھی جس میں متر، ارمن، بھاگ، داکش، انچس، سوریہ اور مارتنڈ شامل تھا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ آدتیہ آٹھ سے زیادہ تھے۔ آدتی نام کی دیوی نے اپنے پُجاریوں کو غلامی سے آزاد کیا تھا۔ ویدوں میں آدتی سوریہ کی ماں کو کہا گیا ہے جبکہ واک کی دیوی بھی آدتی لفظ سے جانی جاتی تھی۔

۶۰۔ محمد یوسف ٹینگ، 2008، کاشر کتاب، سری نگر، 342

۶۱۔ مذکورہ، ص، 344

۶۲۔ مذکورہ، ص، 344-343

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کشمیر میں پرانے زمانے میں آفتاب پرستی ہوتی تھی63؎ اور اس کے لئے آٹھ خصوصی مراکز قائم کئے گئے تھے 64؎۔ ہر مرکز پر ایک سوریہ مندر تعمیر کیا گیا تھا لیکن مارتنڈ اور سوریہ کے بغیر باقی چھ مندروں کے بارے میں کوئی علمیت نہیں ہے، یہاں تک کہ تاریخ بھی اس حوالے سے خاموش ہے ۶۵؎۔ تاہم یتّو اور مارتنڈ کے قدیم رشتے کی بھنک اس اقتباس سے بخوبی آتی ہے:

"Yut or Zut tribe living around the Paragrnah of Martand had accepted Islam during 724-761AD(Historical Kashmir, F.M Hasnain, P.250)"

البتہ مزید تحقیق کئے بغیر اس موضوع پر کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔

بہر حال اگر لیکڈ نڈر کرافورڈ لنڈ سے اور جی ایچ ہُٹمان کی یہ رائے معتبر مانی جائے کہ نسل اور ذات کے لحاظ سے یتو اعلیٰ بزرگ اور مُقدس ہے، تب یتّو کے حوالے سے محققوں کا یہ معنی کہ یتّو روحانی طاقت رکھنے والا، پیشوا یا دینی بزرگ ہے، بھی درست ماننا پڑے گا۔ اگر مؤخر الذکر رائے کو صحیح مان کر چلیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹینگ صاحب کے دعویٰ میں بڑا دم خم ہے

63.Vibut Bhushan Mishra, 1982, From Vedas to the Manuismihita New Delhi, PP. 10-12

64.Swami Prakashan and Saraswati, 1999. The History and the Religions of India, Texas.P.51

۶۵؎۔ مارتنڈ مندر کو راجہ للتادتیہ (724-761ء) نے مٹّن اور سوریہ کو لیتہ پورہ میں تعمیر کیا تھا۔ سوریہ کو پنڈت کلہن نے آدتیہ مندر اور حسن شاہ کھویہامی نے سورج مکھی لکھا ہے سنسکرت زبان میں مارتنڈ آفتاب کو کہتے ہیں۔ کشمیر کے قدیم باشندے ویشنو بھگوان کو آفتاب کا ایک روپ مانتے تھے۔ موّرخ حسن کا کہنا کہ 2936 ق م میں راجہ رام دیو نے مٹّن میں ویشنو بھگوان کی یاد میں ایک مندر تعمیر کیا۔ ٹھیک 3600 سال گزرنے کے بعد راجہ للتادتیہ نے ان ہی کھنڈرات پر مارتنڈ مندر بنوایا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ راجہ للتادتیہ کو کیوں کر آدتیہ مندر کی بنیاد ڈالنا پڑی۔ کیا وہ آفتاب پرست یا آفتاب پرستی سے متاثر تھا۔ ان سوالوں کا جواب نیلمت پُران اور راج ترنگنی سے ملنا چاہیئے تھا لیکن یہ دونوں ماخذ ان تفاصیل سے خالی ہیں۔ گمان ہے کہ کئی ان سوالوں کا جواب راجہ کے نام سے جُڑا تو نہیں ہے۔ نام کے پہلے حصے آدتی کی اولاد اور خوبصورتی کے معنی ہیں جبکہ اس کا دوسرا حصہ آدتیہ کے ساتھ گہرا رشتہ رکھتا ہے۔ اگر ان آرائیں کوئی وزن ہے تب تو اس کی جڑیں راجہ گوپادتیہ، بکرمادتیہ اور وجرادتیہ کے ناموں سے بھی پیوستہ ہیں جو توجہ طلب ہے۔

اور ییتو واقعی سوریہ مندروں کے پُجاری تھے۔اسی طرح اگراولڈھم کی یہ دلیل درست مان کر چلیں کہ آفتاب کو اپنا اعلیٰ دیوتا ماننے والے لوگ، سانپ کو خاندانی نشان مانتے تھے 66 تو اِسے یہ مطلب نکالنا آسان بن جاتا ہے کہ ییّو ناگ قبیلے کے لوگ تھے نیز جو اساطیر ییّوؤں کے ساتھ وابستہ کئے گئے ہیں اُن سے بھی ییّو قبیلے کی ناگ قومیت ثابت ہوتی ہے۔تاہم راقم کے خیال میں اس موضوع پر تحقیق کی مزید ضرورت ہے کیوں کہ آریا حملہ آوروں نے برصغیر کے قدیم باشندوں کی تاریخ اس حد تک مسخ کی ہے ۶۷ کہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔اُنہوں نے ہزارہا سال تک مقامی آبادی کے خلاف غلیظ اور جھوٹا پروپیگنڈہ جاری رکھا جس کے دو مقصد تھے۔ایک یہ کہ مقامی آبادی اپنا وطن چھوڑ کر حملہ آوروں کے لئے زمین خالی کریں اور دوسرا یہ کہ اُن کی قومی شناخت یا تو ختم یا مسخ ہو جائے جس میں آریوں کو بڑی حد تک کامیابی بھی ملی تھی۔

ییّو ذات کے لوگ کم وبیش جموں وکشمیر کے ہر علاقے میں موجود ہیں۔تاہم چاڈورہ، پٹن، بیرو، سوپور، کولگام، پانپور، شاہ آباد، سری نگر، بڈگام، اننت ناگ اور کشتواڑ میں ییّوؤں کی خاصی آبادی آباد ہے۔حیات پورہ، ناگام، ملہ پورہ، سلطان پورہ، گوشہ بُگ، ڈل جھیل، سونہ وار، تیل بل، گاندربل، نوپور سوپور اور ماگام بیرو میں ییتو ذات کے لوگ اکثریت میں رہتے ہیں۔ڈل جھیل، سونہ وار، حیات پورہ، ناگام اور چاڈورہ میں کچھ محلوں (بستیوں) کے نام بھی ییتو ہے۔ییّو زیادہ تر زمیندار اور تجارت پیشہ لوگ ہیں۔نوپور سوپور کے ییّو باغات اور زراعت کی وجہ سے کافی دولت مند ہیں۔ان ہی کی وجہ سے نوپور کو چھوٹا لندن نام پڑ گیا ہے۔ییّو قبیلے سے لسہ ییّو نام کا شاعر بھی پیدا ہوا ہے جو ناگام چاڈورہ کا رہنے والا تھا۔حیات پورہ اور ناگام کے ییتوؤں کے

66.C.F. Oldham 1905, The Sun and the Serpent, London P.97

۶۷۔تاریخ مسخ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی قلمبندی ایک فاتح قوم ہی کرتا آیا ہے۔چونکہ آریا قوم نے برصغیر جنگ جیت لی تھی اس لئے جس طرح سے اُنہوں نے چاہا، تاریخ کو رقم کیا۔جو نیگروز تھے انہیں وحشی اور جنگلی لکھا، دراوڑوں کو راکھشس کا نام دیا۔ناگوں کو زہریلا سانپ گردانا گیا۔اسی طرح مقامی کلچر کو نہ صرف تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ یہ انتہائی گھٹیا لفظوں کے ذریعہ درج کیا گیا۔

درمیان کافی قرابت داری تھی۔ جس کا اشارہ شاعر کے اس شعر میں ملتا ہے ۔

صبور یوّ ت چُھے گژھ حیات پورے
ذٲلدٲری تس نہٕ زانٛہہ سورے
تر حیات پۄر مٔنزی درٲلی نارے
دٲدی لد چھس بلے بیمارے ۶۸

یتّو کی اہم شخصیات

کُسی یوّت 1868 میں ناگام چاڈورہ کے ڈلی پورہ محلے میں پیدا ہوئے اور 1922 میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہوں:

وژھکھے نالان ذالاپۄرِیے
دودکیانیوئے آرِہی کۄرِیے

سونتہٕ گرہسی تی کڑنے محنت
زانہٕ عاشق معنہٕ بوزی تتھ

قدیم تاریخ سے کسی یتّو شخصیت کی اطلاع دورِ حاضر تک نہیں پہنچی ہے۔ تاہم دورِ وسط کی تاریخوں میں اِس ذات کے دو اہم شخصیتیں ملک احمد یتّو اور ملک حیدر یتّو کا ذکر ملتا ہے۔ اوّل الذّکر شہری خاندان کے ایک بادشاہ حسن شاہ کا نامزد وزیر اعظم اور موخر الذکر شاہجہانی دور کا اعلیٰ روحانی اور دینی بزرگ تھا۔ علاوہ ازیں کولگام کے نور آباد سے وابستہ سابقہ ممبر اسمبلی اور سپیکر ولی محمد یتّو اور ان کی بیٹی محترمہ سکینہ کا تعلق بھی یتّو ذات کے خاندان سے ہے۔

